آدابِ مریدین

میاں مشتاق احمد عظیمی



آدابِ مریدین

میاں مشتاق احمد عظیمی

www.ksars.org

انتساب:

اپنے مرشدِ کریم

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

کے نام

جن کی قربت میں آداب سیکھے

www.ksars.org

عرض ہے:

جس طرح ساری مخلوق میں انسان بہترین مخلوق ہے اسی طرح علم حاصل کرنے والا انسان نوع انسانی میں بہترین انسان ہے۔ طریقت، ایمان، معرفت اور رضائے الٰہی کے حصول میں کسی بھی طرح علم کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ ہر مرحلہ میں علم بنیادی ضرورت ہے۔ راہ سلوک میں توحیدی عقیدہ کے ساتھ عبادات کو صحیح طریقے پر پورا کرنا اور معاملات درست رکھنا احوال قلب، حسن اخلاق اور تزکیہ نفس ہونا ضروری ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث میں علم کی قدر و منزلت اور عظمت و شان کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔

ترجمہ:

"کیا جاننے والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔"

ترجمہ:

"اللہ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجے بہت بلند فرمائے گا۔"

ترجمہ:

"اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ جو شخص علم کی تلاش میں سفر کرے اللہ اس پر جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔

☆ بیشک فرشتے طالب علم کی عظمت میں اس پر اپنے پر جھکا دیتے ہیں۔

☆ بیشک علم سیکھنے والوں کے واسطے زمین و آسمان کی مخلوق اور پانی کی مچھلیاں مغفرت طلب کرتی ہیں۔

www.ksars.org

☆ بیشک علم سیکھنے والوں کو اس طرح فضیلت ہے جس طرح چاند کو تاروں پر ہے۔

بے شک علمائے حق، انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے وراثت میں درہم اور دینار کی بجائے علم چھوڑا ہے۔ جس نے علم سیکھا اس نے بڑا حصہ پایا۔

انسان کی شخصیت بنانے اور اخلاق سنوارنے میں صحبت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے اوصاف سے عملی اور روحانی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ انسان کی طبیعت میں اجتماعیت ہے۔ طبیعتاً اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ اس کے دوست اور ساتھی ہوں۔ اگر کوئی مصاحبت کے لئے شری، فسادی، فاسق اور تفرقہ ڈالنے والوں کا انتخاب کرتا ہے تو اس کا اخلاق تباہ ہو جاتا ہے اور بتدریج اچھے اوصاف اس کے اندر سے ختم ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ہم نشینی کے لئے اہل ایمان، اہل استقامت اور عارف باللہ لوگوں کو پسند کرتا ہے تو بہت جلد ان جیسا ہو جاتا ہے اور ان پاکیزہ نفس حضرات کی راہنمائی میں اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ عیوب اور برے اخلاق سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول خدا ﷺ کی صحبت میں رہ کر اپنے نفوس کا تزکیہ کیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر زمانے میں ایسے خاص خدا کے بندے پیدا ہوتے رہیں جو فنافی الرسول ہو کر تزکیہ نفوس کا مقدس فریضہ انجام دے سکیں۔ صرف کتابوں کو پڑھ کر تزکیہ نفس کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگرچہ فن طباعت اور فن جراحت کا علم کتابوں میں مذکور ہے مگر کوئی طبیب یا ڈاکٹر ایسا نہیں ہے جس نے اسکول یا کالج میں باقاعدہ تعلیم نہ پائی ہو اور اس فن کی عملی تربیت حاصل نہ کی ہو۔

اگر امراض جسمانی کے ازالے کے لئے کتابی علم کے علاوہ میڈیکل کالج میں پڑھنا اور سرجنوں کی نگرانی میں آپریشن کرنا مہارت کے لئے اولین شرط ہے تو امراض روحانی کے ازالہ کے لئے روحانی کالج (خانقاہ) میں تربیت حاصل کرنا اور شیخ کامل کی نگرانی (نگاہ) میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کرنا بھی امر لازم ہے۔

www.ksars.org

ہر شخص کا مشاہدہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی فن (جراحی، نجاری، طباقی، خیاطی، جلاحی اور خطاطی) صاحب فن کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ تزکیہ نفس بھی ایک فن ہے اور بہت مشکل فن ہے۔ یہ فن کسی ماہر استاد کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔

صوفیائے کرام کی سوانح حیات کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر صوفی نے کچھ عرصہ کے لئے خلوت اختیار کی ہے۔ اس کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا ثبوت خود حضور ﷺ کی حیات مبارکہ سے ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تین سال تک غار حرا میں خلوت اختیار فرمائی اور مراقبہ کیا یعنی اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کیا۔

قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ اس پوری کائنات میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں۔ ایک وہ طرز ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے پسندیدہ ہے اور دوسری طرز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرزوں میں زندگی گزارنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں اور اس طرز فکر سے جس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدہ کہا ہے، آشنا لوگ جو اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں، سرکش ہیں اور جن کی صفات میں شیطنت بھری ہوئی ہے وہ نعمتوں سے محروم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرزوں میں زندگی گزارنے والے لوگ بقول اللہ تعالیٰ کے کہ وہ ہمارے دوست ہیں اور دوستوں کی تعریف یہ بیان فرماتے ہیں کہ جو بندہ ہمارا دوست بن جاتا ہے ہم اس کے اوپر سے خوف اور غم اٹھا لیتے ہیں۔ خوف اور غم جس آدمی کی زندگی سے نکل جاتا ہے تو خوشی اور سرور کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔ یہ وہ انعام ہے جو ہمیں ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ مسلمان ہونے کے بعد حق باتوں پر یقین ضروری ہے جو ایمان کی شرائط میں داخل ہیں۔ ان میں پہلی بات غیب پر یقین ہے۔ ہم غیب پر یقین رکھتے ہیں انسان کے اندر کوئی ایسی آنکھ موجود ہے جو پردوں کے پیچھے دیکھتی ہے، کوئی کان اندر موجود ہیں جو ماورائی آوازیں سن کر ان کے معانی اور مفہوم کو سمجھتے ہیں اور آنکھیں زمان و مکان کی تمام حد بندیوں کو توڑ کر عرش پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتی ہیں۔ ایسا قلب موجود ہے جو محسوس کرتا ہے۔ قلب اللہ کا گھر ہے اور گھر میں مکین کو دیکھتا ہے۔ روحانیت اور تصوف سالکان طریقت کو اسی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

www.ksars.org

آداب مریدین لکھنے کا خیال میرے ذہن میں میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی INSPIRATION کی وجہ سے آیا۔ میرے مرشد کریم ایک مستغنی مزاج اور انسانیت کی بے لوث خدمت کا جذبہ رکھنے والے انسان ہیں۔ ان کو حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کی نسبت سے پیغمبرانہ طرز فکر منتقل ہوئی ہے اور اس پیغمبرانہ طرز فکر کو عام کرنے کے لئے انہوں نے عرصہ ۵۳ سال سے اخبارات اور جرائد میں کالم اور مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ روحانی ڈائجسٹ نے اس سلسلہ میں بہت کام کیا ہے۔ اس وقت تک میرے مرشد کریم ۴۲ کتابوں اور ۵۷ پمفلٹ شائع کر چکے ہیں اور خانقاہی نظام کا ایک سلسلہ جو مراقبہ ہال کے نام سے مشہور ہے ۵۷ کے قریب تمام دنیا میں قائم ہیں۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں کہ بنیادی بات یہ ہے کہ روحانی علوم سیکھنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی میں ودیعت فرمائی ہے۔ لیکن ان صلاحیتوں کو بھی بیدار کرنے اور بروئے کار لانے کے لئے ایک قاعدہ اور قانون ہے۔ قانون یہ ہے کہ وہی بندہ راہنمائی کر سکتا ہے جو خود اس قانون سے واقف ہو۔

موجودہ دور میں پیری مریدی کا رشتہ ایک رسم بن گیا ہے۔ روحانی علوم پھونک کے ذریعے حاصل کرنے کا رجحان عام ہو گیا ہے جبکہ کوئی بھی دنیاوی علم محنت اور سالوں کا وقت صرف کر کے سیکھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جہاں مادی علوم کی تکمیل ہوتی ہے وہاں سے روحانی علوم کی ابتداء ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بیعت کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اس بات کا اطمینان کر لیا جائے کہ وہ بندہ جس کے ہاتھ میں ہم اپنا ہاتھ دے رہے ہیں کیا وہ روحانیت سے واقف ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی قانون بنایا ہے کہ ایک دفعہ بیعت کرنے کے بعد کوئی آدمی اپنی مرضی سے نہ تو بیعت توڑ سکتا ہے اور نہ کسی اور جگہ بیعت ہو سکتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد مقدس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بندہ جب اللہ تعالیٰ کے راستے پر قدم اٹھائے تو اس کے اندر یقین مستحکم ہونا چاہئے۔ یہ بھی شرط ہے کہ پہلے اپنے روحانی استاد کو پرکھ لیا جائے اور اس کے ہاتھ پر

www.ksars.org

بیعت ہونے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیا جائے کہ مرشد میں روحانی صلاحیتیں موجود ہیں اور مرشد ان صلاحیتوں کا استعمال بھی جانتا ہے۔

زندگی کی تمام طرزوں میں بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ایسے استادوں کے سپرد کرتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ استاد صحیح معنوں میں ہمارے بچے کی تعلیم و تربیت کرے گا۔اس طرح روحانی استاد پر بھی یقین ہونا ضروری ہے کیونکہ روحانی علم کا حصول اور غیب بینی کی صلاحیت کا بیدار ہونا یقین پر منحصر ہے۔بے یقین آدمی روحانی راستہ میں سفر نہیں کر سکتا۔

روحانی علوم کی دو قسمیں ہیں ایک کا اصطلاحی نام استدراج ہے جس کے ضمن میں جادو وغیرہ آتے ہیں اور دوسرے علم کا نام روحانیت یا رحمانی علوم ہیں۔استدراج اللہ تعالیٰ کی نافرمانی،اللہ کی مخلوق کو تکلیف پہنچانے اور دنیا میں تخریب پھیلانے اور خرق عادت سے اپنی نمائش کرتا ہے۔اس کے برعکس اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے، اللہ کا عرفان حاصل کرنے اور اپنی صلاحیتوں سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے والے تمام علوم اللہ سے ہم رشتہ ہیں۔جس طرح کوئی بندہ قدم بقدم سفر کر کے اللہ کا عرفان حاصل کرتا ہے اس طرح کوئی بندہ اس راستہ کے متضاد راستہ پر سفر کر کے شیطان کا عرفان حاصل کرتا ہے۔شیطان کے عارف استدراج کے عامل کہلاتے ہیں۔

روحانیت کے یہ دو رخ بیان کرنے کا منشاء یہ ہے کہ اللہ کے راستہ پر چلنے کے لئے انسان کو پہلے چھان بین کر لینی چاہئے کہ جس بندہ کو ہم اپنا رہنما یا پیر و مرشد تسلیم کر رہے ہیں اس کے اندر روحانی علوم سکھانے کی صلاحیت موجود ہے یا نہیں اور کیا اس بندہ کے اندر روحانی علوم کا وہ ذخیرہ کام کر رہا ہے جو بندہ کو بارگاہ نبی کریم ﷺ میں پہنچا دیتا ہے یا وہ رخ کام کر رہا ہے جس کو استدراج یا شیطانی علوم کہا گیا ہے۔اس لئے کہ استدراج کے ماہرین سے بھی فوق العادات حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ناواقف لوگ کرامت یعنی روحانی قوتوں کا اظہار سمجھ لیتے ہیں۔یہاں کسی پر اعتراض کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ بتانا یہ ہے کہ عرفان کے راستہ پر قدم اٹھانے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ وہ بندہ جسے آپ اپنا راہنما تسلیم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہے یا نہیں اور اس کی زندگی کے شب و روز بظاہر ہی نہیں باطنی طور

www.ksars.org

پر بھی حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ کتنا ہی طویل عرصہ کیوں نہ گزر جائے جب تک ایسا بندہ نہ ملے جو واقعتاً حضور ﷺ کے روحانی علوم کا حامل ہو بیعت نہیں کرنا چاہئے اور یہ معلوم کرنے کے لئے استاد محترم سے قریب ہونا پڑے گا۔ اس کے شب و روز پر نگاہ رکھنی ہو گی اس کے معاملات کو دیکھنا ہو گا اور اس کے ذہن کو پڑھنا ہو گا کہ وہ دنیا کی ہوس میں مبتلا ہے یا نہیں۔ اس کے اندر استغناء ہے یا نہیں۔ وہ اپنے ذاتی معاملات اللہ کے اوپر چھوڑتا ہے یا بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ایسے بندے کی ایک پہچان یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

"ذہن کو آزاد کر کے کسی بندے کی خدمت میں پندرہ منٹ بیٹھیں۔ اگر بارہ منٹ تک ذہن اللہ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ نہ ہو تو وہ بندہ استاد بنانے کے لائق ہے۔ انشاءاللہ اس سے عرفان نفس کا فیض ہو گا۔"

اس کتاب کی تیاری میں مجھے بیشمار کتابوں سے اچھی اچھی باتیں حاصل کرنے میں کافی وقت لگا۔ آپ کو انشاءاللہ میری یہ کاوش بہت پسند آئے گی اور سلوک کے مسافروں کو وہ آداب حاصل ہو جائیں گے جو ایک مرید یا شاگرد کے لئے بہت ضروری ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ مجھے سلسلہ عظیمیہ کے ایک ادنیٰ سے کارکن کی حیثیت سے میری یہ کاوش مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی نظر میں قبول ہو اور ان کا روحانی فیض میرے اوپر محیط ہو اور مجھے تمام عالمین میں ان کی رفاقت نصیب ہو۔ (آمین)

ہکو سخن نہ ہور تمامی جو نعمت میں پائی

اوسے مرد سچے دا صدقہ اپنی نہیں کمائی

خشخش جتنا قدر نہ میرا اس نوں سبھ واڈیاں

www.ksars.org

میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سائیاں

میاں مشتاق احمد عظیمی

روحانی فرزند

الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

مراقبہ ہال۔۸۵۱ مین بازار مزنگ لاہور

فون:7243541

www.ksars.org

فہرست

باب اوّل 15
مقصدِ تخلیق: 15
علمِ غیب: 16
غیب کے نمائندے: 19
تاریخی پس منظر: 21
علم کی طرزیں: 24
علم اور عالم کی فضیلت: 31
باب دوئم 34
رابطہ شیخ: 34
بیعت: 37
بیعت کی اہمیت: 43
مرشد کریم کی ضرورت واہمیت 46
بیعت کا مقصد: 50
ارادت کی اہلیت: 51

www.ksars.org

بیعت کا قانون:.....53
دوسری بیعت:.....55
مرشد کامل کی تلاش:.....55
کامل مرشد:.....58
مراد اور مرید کا فرق:.....63
باب سوئم.....67
مرید کا اعتقاد:.....67
مرشد کریم کی صحبت:.....69
آداب شیخ:.....72
آداب محفل:.....82
آداب گفتگو:.....85
مرشد سے محبت:.....87
سچی محبت کی علامات:.....96
کشف و کرامت کی جستجو:.....98
ذکر و فکر:.....103

www.ksars.org

خلوص نیت اور یقین کامل:.....104
مستقل مزاجی:.....121
ذوق وشوق:.....126
اپنی حالت شیخ پر ظاہر کرنا:.....128
بلااجازت عمل:.....130
روحانی لوگوں کو بے جا تنگ کرنا:.....132
شیخ کی مخالفت:.....134
باب چہارم.....142
گناہوں سے توبہ:.....142
معاشرتی زندگی:.....143
سونے کے آداب:.....148
اہل وعیال سے برتاؤ:.....150
آداب لباس:.....151
کھانے کے آداب:.....151
آدابِ اعضاء:.....153

www.ksars.org

گفتگو کے آداب:.....154
کان کاادب:.....156
آنکھ کاادب:.....156
چلنے کے آداب:.....156
قلب کے آداب:.....157
دوست احباب کے آداب:.....158
لوگوں سے میل جول:.....160
مخلوق خدا کی خدمت:.....161
اوقات کار کا خیال:.....162
آداب سماع:.....164
باب پنجم.....165
سالک کی تربیت:.....165
نفس کی معرفت:.....171
مرشد کامل کی موجودگی یا غیر موجودگی میں تربیت:.....175
تصور شیخ: نسبت رابطہ.....176

www.ksars.org

باب ششم.....187
طرز فکر:.....187
نسبت شیخ: 200
استغناء:.....202

www.ksars.org

باب اوّل

مقصدِ تخلیق:

جب کچھ نہیں تھا تو صرف اللہ تھا۔ اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پہچان کے لئے ضروری تھا کہ کسی دوسری ہستی کا وجود ہو جو کہ پہچانے۔ اللہ تعالیٰ نے ''کن'' ارشاد فرمایا اور ساری کائنات تخلیق ہو گئی۔ گویا اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی لفظ ''کن'' کائنات کی صورت میں وجود پذیر ہو گیا۔ اسی حکم کی بناء پر وسیع و عریض اور لامتناہی کائنات، کھربوں کہکشانی نظام، کھربوں سیارگان اور ستارے وجود میں آئے۔ جب ہم اس لفظ ''کن'' یعنی ''ہو جا'' پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کہنے والی ہستی کے ذہن میں ایسا پروگرام ہے جس کے تحت وہ کسی چیز کو نہ صرف وجود میں لانا چاہتی ہے بلکہ اسے قائم رکھنے کے لئے وسائل بھی فراہم کرتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا ذہن اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور یہ علم اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

''کن'' کہنے کے ساتھ ہی جب عالم ارواح میں کائنات تخلیق پائی تو وہ تمام صفات بھی کائنات کے اندر موجود ہو گئیں جن کی بنیاد پر کائنات کو تخلیق کیا گیا۔

اب تمام کائنات بشمول تمام نوعوں کے سکوت کی حالت میں تھی۔ کائنات کی حیثیت ایک گونگی بہری شئے کی تھی اس کو اپنا ادراک تو تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا ہوں؟ کیوں ہوں؟ کون ہوں؟ اور میرا بنانے والا کون ہے؟ اس لاعلمی کو علم سے بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو کائنات کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:

الست بربکم

www.ksars.org

کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟

تمام نوعیں اس آواز کی طرف متوجہ ہوئیں اور ان کو سماعت عطا ہوئی۔ انہوں نے اللہ کی آواز کو سنا، دوسرے مرحلے میں ان کو صفت بصارت عطا ہوئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ تیسرے مرحلے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوال پر سوچا سمجھا پھر اپنے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا اور جواب میں فرمایا:

قالو بلیٰ

بیشک آپ ہی ہیں ہمارے رب۔

اس کے بعد انسان اور دوسری نوعوں کو کائناتی پراسیس (Process) میں ڈال دیا گیا اور انسان لوح محفوظ اوّل، لوح محفوظ دوئم سے ہوتا ہوا عالم ناسوت یعنی اس مادی دنیا تک آ پہنچا۔

گویا تخلیق کائنات کا مقصد صرف اور صرف یہ نکلا کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانے۔ دوسرے الفاظ میں خالق نے ایک تصویر بنائی اس تصویر میں اللہ نے انسان، حیوان، درخت، پودے، پہاڑ، پانی، آسمان وغیرہ بنائے اور اب وہ یہ چاہتا ہے کہ میری بنائی ہوئی تصویر مجھے پہچانے، میری حمد بیان کرے۔ مگر اگر یہ تصویر اپنے ہی رنگوں میں الجھ رہے گی تو اپنے اصل مقصد یعنی اللہ کی پہچان سے دور ہو جائے گی اور مقصد تخلیق کی تکمیل ممکن نہیں ہو گی۔

علمِ غیب:

اقرا باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرا و ربک الاکرم۔ الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔

"پڑھ اپنے رب کے حکم سے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ بنایا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھ اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے اور انسان کو وہ باتیں سکھا دیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔"

www.ksars.org

اللہ تعالیٰ نے آدم کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ تو زمین پر فساد کرے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ نے آدم کو تخلیق فرمایا اور آدم کو صفات کے علوم منتقل کئے اور کہا کہ فرشتوں کے سامنے بیان کرو۔ آدم نے جب وہ علوم بیان کئے تو فرشتوں نے کہا کہ یا اللہ بے شک ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم دیا اور اللہ کے حکم کے مطابق فرشتے سر بسجود ہو گئے۔ گویا آدم کی فضیلت علم ٹھہری۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ انسان نا قابل تذکرہ شئے تھا۔ ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا بنا دیا یعنی جب تک پتلے کے اندر دیکھنا اور سننا موجود نہیں تھا وہ نا قابل تذکرہ شئے قرار پایا گویا دیکھنا اور سننا بھی ایک علم کا درجہ رکھتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ تم ہماری سماعت سے سنتے ہو ہماری بصارت سے دیکھتے ہو اور ہمارے فواد سے سوچتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی سماعت کو اور اللہ کی بصارت کو ہم غیب سے الگ نہیں کہہ سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے اپنی صفات کی صورت میں ہمیں غیب منتقل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پتلے کے اندر اپنی روح ڈال دی اس طرح انسان کی تمام صفات کو ہم غیب ہی کہیں گے۔ اللہ کی روح یا اللہ کی پھونک یا اللہ کی جان کو غیب سے الگ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ تصوف میں غیب سے مراد وہ نظام ہے جو ظاہر کی بنیاد ہے جو ظاہر کو فیڈ (Feed) کر رہا ہے۔ لہٰذا انسان کے اندر روح سے زندگی برقرار ہے اور جب تک زندگی ہے حواس موجود ہیں۔ حواس میں دیکھنا، سننا، چکھنا، چھونا، سونگھنا تمام باتیں شامل ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی بنیاد غیب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ایسا غیب جو اللہ نے اپنی مرضی اپنی منشاء اور اپنی مشیئت کے مطابق انسان کو عطا کیا ہے۔ یہ نعمت اللہ نے اس لئے عطا کی ہے کہ انسان اس سے فائدہ اٹھائے۔

قرآن حکیم میں ہے:

www.ksars.org

"ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تا کہ وہ اس کا استعمال کرے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اس کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے اور جو لوگ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں۔ اس کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے۔ اللہ ان دونوں باتوں سے ماوراء ہے۔"

انسانی زندگی کا ارتقاء علم کے اوپر قائم ہے۔ ایک انسان جب اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو وقت کے ساتھ ساتھ اس کے شعور کی داغ بیل پڑتی جاتی ہے۔ جس طرح وقت گزرتا رہتا ہے بچہ کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک دن کے بچہ کے پاس ایک دن کا علم ہے اور آہستہ آہستہ یہی علم اس کی پہچان بن جاتا ہے۔ پھر جب ہم اس انسان کا نام لیتے ہیں تو نام لینے کے ساتھ ہی ہمارے ذہن میں اس کی ذات سے متعلق علم آشکار ہو جاتا ہے مثلاً اس کے چہرے کے نقوش، اس کی عادات، اچھائیاں، برائیاں سب ہمارے ذہن میں نمودار ہو جاتی ہیں۔ گویا اس شخص کی صفات کا علم ہمارے علم میں آجاتا ہے۔ اسی طرح ظاہری دنیا میں پائی جانے والی ہر شئے کے بارے میں مثال دی جاسکتی ہے گویا ذات صفات کا مجموعہ ہے جتنا زیادہ ان صفات کا علم ہوگا، ذات کا علم ہمارے علم میں آشکار ہوتا جائے گا یعنی ہر شئے ایک علم کی حیثیت رکھتی ہے۔ علم کے علاوہ کائنات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جس طرح ظاہر ایک علم ہے اسی طرح بان یا غیب بھی ایک علم ہے جس کی بنیاد پر ظاہر کا وجود قائم ہے۔ اسی علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الٓمّٓ۔ ذلک لکتب لاریب فیه هدی للمتقین۔ الذین یومنون بالغیب

"بیشک یہ کتاب ہدایت دیتی ہے ان لوگوں کو جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور اس طرح یقین رکھتے ہیں کہ غیب ان کے مشاہدے میں آجاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو دو رخوں پر تخلیق فرمایا ہے۔ تمام صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کا فرمان ہے کہ غیب صرف اللہ کی ذات برحق ہے لیکن اس ذات برحق نے جتنا علم انسان کو عطا کر دیا وہ انسان کے اوپر اللہ کا انعام واکرام اور انسان کے لئے اول سعادت ہے۔ روحانی نقطہ نظر سے غیب وہ علم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمالیا ہے جو کسی کو حاصل نہیں ہے اور جو علم اللہ تعالیٰ نے بندوں پر آشکار کر دیا ہے اور اپنے بندوں کی روح میں انڈیل دیا ہے وہ اس

www.ksars.org

غیب کے دائرے میں آتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا پسند فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر سفر کی صعوبتیں اور تکالیف برداشت کر کے جب اس بندے تک پہنچے تو اللہ نے فرمایا:

"موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی رحمت خاص سے ایک علم عطا کیا اور ہم نے اسے علم لدنی سکھایا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر اور صاحب کتاب نبی ہیں۔ ظاہر ہے کتاب کا نازل ہونا غیب سے باہر نہیں ہے اس لئے کہ ذات حق غیب ہیں۔ جلیل القدر پیغمبر کی بظاہر ایک عام انسان سے ملاقات ہوئی اور پھر جو واقعات پیش آئے مثلاً کشتی میں سوراخ کرنا، بچے کا قتل کر دینا، گرتی ہوئی دیوار کا بنا دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس بندے کے درمیان یہ معاہدہ ہونا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بندے کی کسی بات پر نہیں بولیں گے۔ پھر اپنی بات پر قائم نہ رہنا اور اس بندے سے الگ ہو جانا اور اس بندے کا یہ بتانا کہ ان واقعات میں اللہ کی کیا حکمت ہے۔ یہ ثابت کر رہا ہے کہ علم غیب کو اللہ نے بندے پر منکشف کر دیا ہے۔

غیب کے نمائندے:

قرآن میں بڑا واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"ہم کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک وہاں کوئی پیغمبر نہ بھیج دیں۔"

اب پیغمبر بتاتا ہے کہ آپ کا اصل Origin جس کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو قائم رکھے ہوئے ہیں وہ صرف اور صرف غیب ہے، غیب کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ پیغمبر صرف اور صرف غیب کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اب

www.ksars.org

غیب کے نمائندے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک نبی کہلاتا ہے اور ایک رسول کہلاتا ہے۔ان کا کام ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ضروری نہیں کہ کوئی پیغمبر نبی ہو اور ضروری نہیں کہ کوئی پیغمبر نبی بھی ہو اور رسول بھی۔

نبی کا مطلب ہے غیب بین۔یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔نبی ایسے انسان کو کہتے ہیں جو غیب کو دیکھتا ہو، غیب کا مشاہدہ کرتا ہو اور غیب کے اندر تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔نبی کی تعلیمات یہ ہوتی ہیں کہ کسی طرح انسان کو غیب میں داخل کر دیا جائے۔نبی کا کام ہوتا ہے کہ کسی طرح انسان کو وہ علوم سکھائے جائیں جن کے حصول کے لئے مادی حواس کی نفی کرنی پڑتی ہے اور روح کی صلاحیتوں کو عروج دے کر درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔

جبکہ رسول کہتے ہیں غیب کے قاصد کو۔اللہ اور مخلوق کے درمیان وہ ایک رابطے کا باعث ہوتے ہیں۔کچھ پیغمبر ایسے ہیں جو صرف نبی ہیں اور کچھ پیغمبر ایسے ہیں جو صرف رسول ہیں جبکہ چند پیغمبر ایسے ہیں جو نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔رسول شریعت نافذ کرتا ہے اور شریعت کی انتہا معاشرتی نظم وضبط ہے۔شریعت وہ علم ہے جس کے ذریعے معاشرے میں معاملات بااحسن طریقے سے انجام پائے جائیں یعنی زندگی کا وہ شعبہ جس میں آپ کا ظاہر Involve ہے اور آپ ایک دوسرے سے روابط رکھے ہوئے ہیں۔یہ شریعت ہے۔شریعت کے علم کی حیثیت یہ ہے کہ معاشرہ کس حد تک آرام وسکون سے مطمئن طریقے سے رہ سکتا ہے۔

دنیا میں رہتے ہوئے لازم ہے کہ شریعت کو اپنایا جائے۔اگر انسان کسی ایسے جزیرے پر چلا جائے جہاں کوئی دوسرا انسان موجود نہیں تو چاہے وہاں گالیاں بکتا رہے وہ چاہے تو وہاں کوئی لباس نہ پہنے اسے کوئی روک ٹوک نہیں۔مگر جونہی ایک شخص فرد کی حیثیت سے دوسرے فرد سے ملتا ہے تو شریعت کا اطلاق ہو جاتا ہے۔اس لئے کہ دونوں افراد ایک دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہیں اس لئے ایک ایسے قانون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو کہ دونوں افراد پر نافذ ہو۔شریعت اللہ کا قانون نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت میں نہ تبدیلی ہوتی ہے نہ تبدل۔لہٰذا یہ ایک ایسا قانون ہے جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہفتہ کے دن کاروبار ممنوع تھا

www.ksars.org

جب کہ حضور ﷺ نے تمام دنوں میں کاروبار کرنے کی اجازت دی گویا شریعت کا تعلق کائناتی ادوار سے ہوتا ہے۔ایک وقت تھا جب لاؤڈا سپیکر پر پابندی تھی مگر آج ہر مسجد میں لاؤڈا سپیکر اذان کے لئے موجود ہے۔

تاریخی پس منظر:

انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ خالق اور مخلوق کے علاوہ استاد اور شاگرد کا بھی ہے۔عادت الٰہی اس طرح جاری ہے کہ ایک استاد ہو اور ایک شاگرد ہو، ایک مقتدر ہو اور دوسرا مصاحب، ایک پیشوا ہو اور دوسرا پیرو، یہ عادت الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد علوم سکھائے یعنی اللہ نے بحیثیت استاد آدم کو علوم سکھائے پھر تعلیم و تہذیب سے آراستہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں معلم، استاد اور شیخ بنادیا۔جنت میں مقام عطا فرمایا اور ملائکہ کو ان کے گرداگرد قطار اندر قطار کھڑا کیا اور آدم سے فرمایا کہ وہ علوم ظاہر کرے، فرشتوں سے کہا:

ترجمہ:"الٰہی تو پاک ہے تو نے جو کچھ ہمیں نہیں سکھایا اس کا ہمیں علم نہیں، بے شک تو جاننے والا حکمت والا ہے۔"

گویا فرشتوں پر آدم کی فضیلت علوم ٹھہری۔اس کے بعد آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ کے قریب جا کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کام کرنے کے ارتکاب میں جنت سے نکال کر اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کر کے زمین پر بھیجا گیا۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

ترجمہ:"بے شک ہم ن ے انسان کو نہایت احسن طریقہ پر پیدا فرمایا اور پھر اس کو بد سے بھی بدترین مقام پر پھینک دیا۔"

www.ksars.org

زمین کو اللہ تعالیٰ نے بد سے بھی بد ترین مقام کہا ہے۔اس لئے آدم کو سخت اضطراب لاحق ہوا اور وہاں آپ کو ایسی چیزوں سے واسطہ پڑا جن کو کہ اس سے قبل آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا یعنی بھوک، پیاس وغیرہ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو آپ کے پاس بھیجا جنہوں نے اس منزل اور ضرورت گاہ کے تمام عقدے آپ پر کھول دیئے اور گیہوں بونے کا حکم دیا اور دنیا کے دوسرے علوم اور آداب زندگی آپ کو سکھائے۔زمین پر آنے کے بعد اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان حجاب آ گیا یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر سے باطن میں چلا گیا گویا آدم کے حواس ایک نئے رخ سے متعارف ہوئے۔ یہاں سے شریعت اور طریقت کی بنیاد پڑی۔انسان غیب بینی کے ساتھ ساتھ معاشرتی نظام بنتا چلا گیا پھر ایسا وقت آیا کہ معاشرتی نظام خراب ہونا شروع ہو گیا،انسان اللہ سے دور ہوتا چلا گیا اور لالچ، حرص، طمع، غصہ، نفرت، شہرت جیسی برائیاں انسان میں بڑھتی چلی گئیں اور انسان غیب سے دور ہونا شروع ہو گیا۔ جس وقت ایسی نوبت آئی تو اللہ نے نبیوں اور رسولوں کو بھیجنا شروع کر دیا تاکہ غیب بینی کے ساتھ ساتھ معاشرتی نظام بھی ہاتھ میں رہے۔ غیب بینی کی یہ صورت حال حضرت نوح علیہ السلام تک چلتی رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔ آپ غیب کی تعلیم بھی دیتے تھے اور لوگوں کو اچھے اور برے کا بھی بتاتے تھے۔ آبادی کی کثیر تعداد جب غیب کو بھول گئی اور غیب کے قاصد کے خلاف سرکشی شروع ہو گئی تو اس وقت طوفان نوح نازل ہوا۔

طوفان نوح کے بعد پھر فرقے اور قبائل بنے اور آبادی میں اضافہ ہوتا رہا۔اس دور میں نبی اور رسول زیادہ آئے۔اس دور کے بعد جو آخری دور شروع ہوتا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور شروع ہوتا ہے جو کہ ابو الانبیاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخی طور پر جب کسی بھی قربانی کا تذکرہ آئے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبیوں کا سلسلہ تبدیل ہوا حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف جو لوگ گئے وہ شریعت کی طرف زیادہ زور رکھتے تھے کیونکہ ان کا یہ خمیر تھا کہ وہ سرکشی بہت کرتے تھے اس لئے وہاں قانون نافذ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کا پیٹرن قائم رہا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف شریعت کی تعلیمات زیادہ چلتی رہیں جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف نبوت کی تعلیمات زیادہ چلتی رہیں۔آخر میں جو دور آیا اس میں عرب اور دوسرے قبیلے جو کہ ساری قبیلے کہلاتے تھے اس طرح اکٹھے ہو گئے کہ اب

www.ksars.org

نبی کی بھی ضرورت تھی اور رسول کی بھی ضرورت تھی۔ کائناتی ضرورت یہ تھی کہ ایسا پیغمبر بھیجا جائے تو نبی بھی ہو اور رسول بھی اور جس سے ایسی جامع تعلیمات مل جائیں کہ نبی کی بھی ضرورت نہ پڑے اور نہ ہی رسول کی تو ایسی صورت میں سیدنا حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی آمد سے دنیا کا نظام بالکل ہی بدل گیا۔ انہوں نے نبوت کی تعلیمات بھی دیں اور رسالت کی تعلیمات بھی دیں۔

صحابہ کرام میں سے چند لوگوں کی خصوصی تربیت کا اہتمام کر دیا گیا جو روحانی اقدار کے ذوق سے متصف تھے۔ ان صحابہ کرام نے روحانی علوم کے حصول کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں تھیں۔ ان صحابہ کرام کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ تربیت یافتہ قدسی نفس حضرات تھے جنہوں نے اپنی روحوں کو نور نبوت کی روشنیوں سے منور کر لیا تھا۔ اہل بیعت کے بعد مرتبہ احسان کے باعث روحانی بلندی انہی کو نصیب ہوئی۔

صحابہ کرامؓ کے بعد معاشرتی قوانین اور دوسرے علوم تابعین کو منتقل ہوئے۔ اس کے بعد تبع تابعین کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں حضور ﷺ کی تعلیمات دھندلانہ شروع ہو گئیں۔ لوگوں نے ان تعلیمات کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنا شروع کر دیا یہاں سے شریعتوں میں بگاڑ شروع ہو گیا۔ تابعین کے بعد یہ علوم خلفاء اور دیگران میں چلے گئے اور انہوں نے اپنی پسند کے فتویٰ دینے شروع کر دیئے۔ غیب بین لوگوں کی عوام میں دلچسپی ہمیشہ سے ہی کم رہی ہے۔ خلفاء نے ان لوگوں کو کسی قدر اپنے قریب لانے کی کوشش کی مگر انہوں نے خود کو چھپانا شروع کر دیا۔ نتیجتاً انہوں نے علماء کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ بیشمار علماء ایسے تھے جو حضور ﷺ کی تعلیمات کو اسی طرح آگے بڑھانا چاہتے تھے مگر انہیں قتل کر دیا گیا۔ خلیفہ مامون الرشید کو تاریخ ایک سند کی حیثیت دیتی ہے مگر انہوں نے سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کیا۔ علماء نے اس کے لئے باقاعدہ فتویٰ دیا۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف کا دور شروع ہوا حجرہ اسود جسے چومنا طواف کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے کو خانہ کعبہ سے اٹھا کر یہ بصرہ لے آئے اور تین سو سال تک یہ بصرہ میں پڑا رہا۔ اس دور میں بھی بہت سے علماء کا قتل ہوا۔ نتیجتاً ان میں غیب کے لوگوں نے عرب کی سرزمین چھوڑنا شروع کر دی کچھ روس کی ریاستوں میں چلے گئے، کچھ ایران اور کچھ نے دوسرے ممالک کا رخ کیا۔ اب حالات وہ نہیں رہے کہ علوم یکسر یا یکدم منتقل کر

www.ksars.org

دیئے جاتے اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ماحول کے مطابق ذہن کو صاف کیا جائے اس ذہن کو صاف کرنے کے لئے ریاضتیں، چلہ کشی اور دوسرے اشغال شروع ہو گئے۔

حضرت حسن بصریؒ کے بعد ایسا دور شروع ہوا کہ سلاسل کی بنیاد رکھنا پڑی۔ ہر ماحول کے مطابق مختلف سلاسل کی بنیاد پڑی۔ ہر سلسلے کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح لوگوں کو غیب میں داخل کیا جائے اور غیب بینی کے ذریعے وہ یہ جان لیں کہ ہمارا اصل مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے مقصد تخلیق کی تعمیل ہو سکے۔ سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ تاجیہ نے عرب کی طرف ترقی پائی جبکہ ایران کی طرف سلسلہ سہروردیہ نے فروغ پایا۔ افغانستان میں سلسلہ چشتیہ نے فروغ پایا۔ برصغیر میں جن سلاسل نے فروغ پایا ان میں سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ قادریہ، سلسلہ ملامتیہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ قلندریہ شامل ہیں اور یوں استاد شاگرد کا رشتہ ازل تا ابد قائم ہے۔ غرض ہر صاحب علم کا کوئی نہ کوئی شاگرد ایسا ہوا ہے جس نے ان تعلیمات کی رہنمائی کے مطابق زندگی کا رستہ طے کیا۔ تمام انبیاء، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اولیاء اللہ، ابدال اور صدیقین کا سلسلہ اسی طرح چلا آرہا ہے کہ کوئی استاد ہو اور کوئی شاگرد۔ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد عقبد تھے۔ حضرت سری سقطیؒ کے شاگرد ان کے خادم خاص اور بھانجے ابوالقاسم جنیدؒ تھے۔ یہ مشائخ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ اور راستہ ہیں۔ اسی دروازے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں راستہ ملتا ہے۔ ہر سالک کے لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کا خود انتخاب فرمائے اور اس کی تربیت کا بندوبست فرمائے۔

علم کی طرزیں:

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو رسولوں کو عطا کیا جاتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء کرام کو عطا کیا جاتا ہے۔ ایک بندہ وہ ہے جو اللہ کے قانون کے مطابق نوع انسانی کو راہ راست پر لانے کی نا صرف جدوجہد

www.ksars.org

کرتا ہے بلکہ اپنی زندگی کا ایثار کرتا ہے بڑی بڑی تکالیف برداشت کرتا ہے۔اس کی زندگی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نوع انسانی میں اچھائی برائی کے تصور کو عام کردے اور ان راستوں سے دور لے جائے جو راستے بندے اور اللہ کے درمیان پردہ بنتے ہیں۔

دوسرے بندے کی یہ شان ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں پہلے اللہ کی مشیئت دیکھتا ہے اور مشیئت میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر بلا چوں وچرا عمل کرتا ہے۔اس کے سامنے نہ اچھا ہوتا ہے نہ برا وہ صرف اور صرف یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں اس میں اس کی اپنی مرضی شامل نہیں ہوتی وہ ہر حال میں راضی بالرضا رہتا ہے۔اس کی سوچ کبھی اس طرف نہیں جاتی کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کیوں چاہتا ہے۔بس اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور بندہ اس پر عمل درآمد کرتا ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم علم کی ہیئت، اصلیت اور حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ہمارے پاس یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ علم کی بنیاد دراصل کسی چیز کی خبر یا کسی چیز کی شکل وصورت کو یا کسی چیز کے وصف کو جاننا ہے۔علم کے معنی بھی یہی ہیں کہ آدمی کے اندر جاننے اور کسی چیز سے واقف ہو جانے کا عمل پیدا ہو جائے۔جب تک ہمیں کسی چیز کے بارے میں علم حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک وہ چیز ہمارے لئے معدوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

جاننے کی تین طرزیں ہیں۔ایک جاننا یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز کی اطلاع فراہم کی جائے اور ہم اس اطلاع کو یقین کے درجے میں قبول کرلیں۔علم کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہم کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور علم کی تیسری قسم یہ ہے کہ ہم دیکھی ہوئی چیز کے اندر صفات کو نہ صرف یہ کہ محسوس کرلیں بلکہ اس کا باطنی آنکھ سے مشاہدہ بھی کرلیں۔

اس علم کو روحانی سائنس دان نے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے:

۱) علم الیقین

www.ksars.org

۲) عین الیقین

۳) حق الیقین

علم الیقین یہ ہے کہ ہمیں اس بات کی اطلاع ملی کہ سائنسدانوں نے ایک ایسا ایٹم بم ایجاد کیا ہے جو ایک لمحہ میں لاکھوں جانیں ہلاک کر سکتا ہے۔ حالانکہ ہم نے ایٹم بم دیکھا نہیں ہے لیکن ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ایٹم بم موجود ہے۔ علم کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہمیں پہلے اطلاع ملی کہ ایک ایسی مشین ایجاد ہوئی ہے کہ ہزاروں میل دور تصویریں اس مشین کی مدد سے اسکرین پر نمودار ہو کر نظر آتی ہیں۔ چونکہ ہم ہزاروں میل کے فاصلے سے چلی ہوئی تصویریں ٹی وی اسکرین پر منعکس دیکھ لیتے ہیں لہٰذا اس علم کا نام عین الیقین ہو گا۔ ہمیں یہ اطلاع فراہم کی گئی کہ کائنات کی بنیاد اور کائنات کی بساط میں جو کچھ موجود ہے وہ دراصل روشنیوں سے بنا ہوا ہے۔ چونکہ وہ روشنیاں ہمارے سامنے نہیں ہیں اور نہ ہی ان روشنیوں کی ماہیئت سے ہم واقف ہیں اس لئے ہم یہ کہیں گے کہ ہمیں حق الیقین حاصل نہیں ہے۔ اسے ہم مختصر طریقے سے اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ کسی نے کہا آگ جل رہی ہے۔ ہم نے اس کے کہنے پر یقین کر لیا کہ وہاں آگ ہے۔ اسے ہم علم الیقین کہیں گے۔ جب ہم آگ کے قریب گئے اور اسے دیکھ لیا تو ہمیں عین الیقین حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے آگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو تپش محسوس ہوئی۔ اس تجربے کا نام حق الیقین ہے۔

روحانی سائنسدان جب کسی علم کا تذکرہ کرتا ہے یا کائنات میں موجود کسی شئے کا تجزیہ کرتا ہے تو اس کے سامنے علم کے یہ تینوں درجے ہوتے ہیں۔ روحانی سائنس بتاتی ہے کہ انسان کو اگر کوئی چیز دوسری مخلوق سے ممتاز کرتی ہے تو وہ علم ہے، ایسا علم جو اللہ تعالیٰ نے آدم کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور کسی دوسری نوع کو یہ علم عطا نہیں کیا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے آدم کی نیابت اور علوم کا تذکرہ کیا ہے اس آیت میں تفکر کرنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ علوم فرشتوں کو بھی حاصل ہیں اور علوم آدم کو بھی حاصل ہیں۔ لیکن آدم کو وہ مخصوص علوم حاصل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی نہیں سکھائے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم پاکی بیان کرتے ہیں اور ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا علم آپ

www.ksars.org

نے ہمیں عطا کر دیا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا شرف دراصل اس کا علم ہے اور یہ وہ علم ہے جو دوسری مخلوقات کو حاصل نہیں ہے۔

ایک چڑیا زندگی گزارنے کے سارے تقاضے رکھتی ہے اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کے علم سے بھی باخبر ہے لیکن وہ ہوائی جہاز نہیں بنا سکتی، ایٹم بم نہیں بنا سکتی، ریڈیو یا ٹی وی نہیں ایجاد کر سکتی اور آدمی یہ تمام چیزیں بنا لیتا ہے اور اس کے علاوہ نئی نئی اختراعات کرتا رہتا ہے۔اس علم کو ہم وہ علم نہیں کہتے جو علم اللہ تعالیٰ نے بطور خاص آدم کے لئے مخصوص کیا ہے۔اس لئے کہ اس علم کا تعلق عقل سے ہے یا بالفاظ دیگر عقل نئی نئی ایجادات کرتی ہے۔ جس طرح ایک آدمی ٹی وی بنالیتا ہے اور چڑیا ٹی وی نہیں بنا سکتی۔اسی طرح چڑیا آسمان کی وسعتوں میں اڑتی ہے جب کہ آدمی اڑ نہیں سکتا۔آدم زاد میں بھی سب لوگ ایسے عاقل، بالغ اور باشعور نہیں ہوتے جن سے ایجادات ظہور میں آتی ہوں۔ عقل کی کمی یا زیادتی کی بنیاد پر اختراعات کا وجود قائم ہے۔ لیکن ایک علم ایسا ہے جو عقل کی حدود اور دائرے سے باہر ہے مثلاً یہ کہ ایک بندہ چڑیا کی طرح اڑ سکتا ہے۔اولیائے کرام کے ایسے بیشمار واقعات تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں کہ انہوں نے فضا میں پرواز کی ہے۔ہزاروں میل دور کی چیز کو بغیر کسی دوربین کے دیکھ لیا ہے، لاکھوں سال پہلے کی آوازوں کو سنا ہے، سمجھا ہے اور یہ سب کچھ ظاہری وسائل کے بغیر ہوتا ہے۔ عقل سے جو علم سیکھا جاتا ہے اس کا نام علم حصولی ہے اور جو علم وجدان سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام علم حضوری ہے۔

گویا علم کی دو طرزیں متعین ہیں۔ایک طرز علم حضوری ہے اور علم کی دوسری طرز کو روحانی سائنس میں اکتساب کہتے ہیں یعنی ایسا علم جو عقل کے استعمال سے سیکھ لیا جائے۔ جتنا زیادہ عقل کا استعمال ہوگا اسی مناسبت سے اس علم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ علم حصولی ایک ایسا علم ہے کہ آدمی اپنی کوشش، محنت، جدوجہد اور صلاحیتوں کے مطابق ظاہر اسباب میں رہ کر کوئی علم سیکھے اور اس علم میں مادی وسائل بروئے کار آئیں۔اکتسابی علوم آدمی کو اپنی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق اور عقل کے استعمال کے ذریعے بتدریج حاصل ہوتے رہتے ہیں۔یعنی جس علم میں جتنی زیادہ عقل استعمال کی جائے اسی مناسبت سے وہ علم اس بندے کے لئے روشنی بنتا چلا جائے گا۔ بات اس میں عقل کے استعمال کی ہے۔ عقل بندر میں بھی ہوتی ہے عقل انسان میں بھی ہے۔ بندر کی عقل کے مطابق اسے علوم سکھائے جائیں تو وہ بھی

www.ksars.org

سیکھ لیتا ہے۔انسان کی عقل کے مطابق اس کو جتنے علوم سکھائے جائیں وہ بھی سیکھ لیتا ہے۔ایک آدمی لوہار بننا چاہتا ہے اس کے سامنے تین چیزیں ہیں ایک لوہا، دوسری وہ صلاحیت جو لوہے کو مختلف شکلوں میں ڈھالتی ہے اور تیسری صلاحیت کا استعمال۔اب وہ صلاحیت کو استعمال کرتا ہے تو صلاحیت کے مطابق لوہے سے بیشمار چیزیں بنتی چلی جاتی ہیں۔

کسی علم کو سیکھنے کے لئے Common Factor نیت ہے یعنی وہ علم کس لئے سیکھا جارہا ہے۔ اس علم کی بدولت جو چیزیں تخلیق پارہی ہیں ان چیزوں میں تخریب کا پہلو نمایاں ہے یا اس کے اندر تعمیر پنہاں ہے۔لوہا ایک دھات ہے، لوہے کو مختلف چیزوں میں ڈھال دینا ایک صلاحیت ہے لیکن یہ چیزیں کس مقصد اور کس کام کے لئے بنائی گئیں ہیں یہ بات تعمیری یا تخریبی پہلو ظاہر کرتی ہے۔لوہے سے ایسی چیزیں بھی بنتی ہیں جن کے اوپر انسان کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے مثلاً چمٹا، پھونکنی، توا، ریل کے پہیے، ریل کے ڈبے، ہوئی جہاز اور دوسری بیشمار چیزیں اگر نیت میں تخریب ہے تو یہی لوہا راکٹ اور بم وغیرہ میں تبدیل ہو کر نوع انسانی کی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

علم حصولی ایک ایسا علم ہے جو وسائل کے یقین کے ساتھ سکھایا جاتا ہے۔وسائل ہوں گے تو یہ علم سیکھا جاسکتا ہے وسائل نہیں ہوں گے تو یہ علم سیکھا نہیں جاسکتا۔قلم ہو گا تو تحریر کاغذ پر منتقل ہو گی قلم نہیں ہو گا تو تحریر کاغذ پر منتقل نہیں ہو گی۔مطلب یہ ہے کہ قلم وسیلہ ہے اس بات کے لئے کہ تحریر کاغذ پر منتقل کیا جائے۔علم حصولی کے لئے وسائل کے ساتھ ساتھ استاد کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ایسا استاد جو گوشت پوست سے مرکب ہو اور جو زمان و مکان میں بند جسمانی خدوخال کے ساتھ شاگرد کے سامنے ہو نیز استاد یہ بتانے کے لئے موجود ہو کہ قلم اس طرح پکڑا جاتا ہے اور قلم سے الف ب ت اس طرح لکھی جاتی ہے۔

علم حضوری وہ علم ہے جو ہمیں غیب کی دنیا میں داخل کر کے غیب کی دنیا سے متعارف کراتا ہے۔یہ وہ علم ہے جس کی حیثیت براہ راست ایک طلاع کی ہے یعنی علم حضوری سیکھنے والے بندے کے اندر لاشعوری تحریکات عمل میں آجاتی ہیں۔لاشعوری تحریکات عمل میں آنے سے مراد یہ ہے کہ حافظے کے اوپر ایک نقش ابھرتا ہے مثلاً اگر علم حضوری سکھانے والا کوئی استاد کبوتر کہتا ہے تو حافظے کی سطح پر یا ذہن کی اسکرین پر کبوتر کا ایک خاکہ سا بنتا ہے اور جب الفاظ

www.ksars.org

کے اندر گہرائی پیدا ہوتی ہے تو دماغ کے اندر فی الواقع کبوتر اپنے پورے خدوخال کے ساتھ بیٹھا ہوا نظر آجاتا ہے۔اسی طرح جب استاد کسی سیارے یا ستارے کا تذکرہ کرتا ہے تو حافظے کی سکرین پر روشن اور دہکتا ہوا ستارہ محسوس ہوتا ہے۔اسی طرح روحانی استاد جب جنت کا تذکرہ کرتا ہے تو جنت سے متعلق ایک فلم دماغ کے اندر ڈسپلے ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ذہن کے اندر یہ بات ہمیں نقش نظر آتی ہے کہ جنت ایک ایسا باغ ہے جس میں خوبصورت پھول ہیں، آبشاریں ہیں، دودھ کی طرح سفید پانی کی نہریں ہیں اور وہاں ایسے خوبصورت مناظر ہیں جن کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

علم حضوری ایک ایسا علم ہے جو مادی وسائل کا محتاج نہیں ہے۔اس علم کو سیکھنے کے لئے کاغذ، قلم، دوات کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جس طرح حصولی علم کو سیکھنے کے لئے استاد کی ضرورت پیش آتی ہے اسی طرح حضوری علم سیکھنے کے لئے روحانی استاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ علم ٹائم اور اسپیس کی حدود سے باہر ہے۔اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ استاد مادی خدوخال اور دوسرے مادی وسائل کے ساتھ بھی شاگرد کے سامنے موجود ہو۔ علم کے طالب کو شاگرد کہا جاتا ہے اور علم سکھانے والے کو استاد کا نام دیا جاتا ہے۔ علم حضوری سیکھنے والے طالب علم کا اصطلاحی نام مرید ہے اور علم حضوری سکھانے والے کا اصطلاحی نام مراد ہے۔

علم حصولی میں استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ طالب علم کو صلاحیتوں کا استعمال سکھادے۔ایک آدمی تصویر بنانا چاہتا ہے یا تصویر بنانے کا فن سیکھنا چاہتا ہے۔استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شاگرد کو یہ بتادے کہ تصویر اس طرح بنتی ہے کہ اگر گراف کے اتنے خانے کاٹ دیئے جائیں تو ناک بن جائے گی، گراف کے اتنے خانوں پر پینسل پھیر دی جائے تو کان بن جائے گا۔ گراف کے اندر اتنی تعداد میں خانے کاٹ دیئے جائیں تو آنکھیں بن جائیں گی۔پینسل کو اس زاویے سے گھما دیا جائے تو چہرہ بن جائے گا۔طالب علم استاد کے بتائے ہوئے اس طریقے پر عمل کرتا ہے تو وہ تصویر بنا لیتا ہے۔ لیکن تصویر اس کی اپنی صلاحیتوں کا اظہار ہوتی ہے۔استاد کا کام صرف اتنا تھا کہ اس نے تصویر بنانے کا قاعدہ سمجھا دیا۔ جتنی مشق کی جاتی ہے اسی مناسبت سے تصویر کے خدوخال بہتر اور خوبصورت ہوتے جاتے ہیں۔

www.ksars.org

اس کے متضاد علم حضوری میں مراد مرید کے اندر اپنی صلاحیتیں منتقل کر دیتا ہے۔ مرید جب تصویر کشی کرے گا تو اس تصویر میں مراد کی صلاحیت کا عکس نمایاں ہو گا۔ صلاحیتوں کا منتقل کرنا مادی وسائل کا محتاج نہیں ہے۔ صلاحیتوں کو قبول کرنے کے لئے مراد کی طرز فکر اپنے اندر منتقل کرنے کے لئے صرف اور صرف ایک بات کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ مرید خود کو اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ مراد کے سپرد کر دے اور اپنی ذات کی اس طرح نفی کر دے کہ اس کے اندر بجز مراد کے کوئی نظر نہ آئے۔ جیسے جیسے یہ طرز مرید کے اندر مستحکم ہوتی رہتی ہے اسی مناسبت سے مراد کی طرز فکر مرید کے اندر منتقل ہوتی رہتی ہے۔

آدمی کے اندر دماغ دراصل ایک اسکرین ہے بالکل ٹی وی کی طرح۔ کہیں سے کوئی چیز نشر ہوتی ہے ہزاروں میل کے فاصلے سے تصویر ٹی وی اسکرین پر منتقل ہو جاتی ہے وہ تصویر ہلتی بھی ہے وہ تصویر بولتی بھی ہے وہ تصویر ہنستی بھی ہے وہ تصویر روتی بھی ہے حالانکہ یہ علم حصولی ہے کہ لوگوں نے وسائل کو کام میں لا کر اتنی زیادہ کوششیں کیں کہ ہزاروں میل کے فاصلے سے انہوں نے آدمی کو لہروں میں تبدیل کر کے دور دراز علاقوں میں منتقل کر دیا۔ یہی نہیں کہ ایک تصویر صرف ایک جگہ نظر آئے بلکہ ٹی وی اسٹیشن سے نکلی ہوئی ایک تصویر ہزاروں لاکھوں جگہ بیک وقت نظر آتی ہے۔

اسی طرح جب کوئی مراد اپنے مرید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے اندر ٹائم اور اسپیس کو حذف کرنے والی صلاحیتیں مرید کے دماغ کی اسکرین پر منتقل ہو جاتی ہیں اور جیسے جیسے یہ صلاحیتیں منتقل اور متحرک ہوتی رہتی ہیں مرید کے اندر ذہنی تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ مرید کی طرز فکر مراد کی طرز فکر بن جاتی ہے۔ مراد کی صلاحیتیں مرید کی صلاحیتیں بن جاتی ہیں اور جب یہ عمل اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو مراد اور مرید ایک ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ دونوں کی گفتگو ایک ہو جاتی ہے، دونوں کی شکل و صورت ایک ہو جاتی ہے، دونوں کا طرز کلام ایک ہو جاتا ہے، ایسے بیشمار واقعات تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں کہ مراد کے سر میں درد ہوا تو مرید نے بھی اسی طرح درد کی کسک محسوس کی اور پٹی باندھ لی۔ مراد کو بخار ہوا تو مرید بھی بخار میں تپنے لگا جب کہ مرید اور مراد دونوں کے درمیان فاصلہ سینکڑوں اور ہزاروں میل تھا۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا دونوں ایک ہی وقت بخار میں مبتلا ہوئے۔ اگر مرید کے اندر

www.ksars.org

جذبۂ صادق ہے اور مراد سے عشق کے درجے میں محبت کرتا ہے، اپنی ذات کی نفی کر کے سب کچھ مراد کو سمجھتا ہے تو پھر دوری ختم ہو جاتی ہے اور مرید ہزاروں میل دور بیٹھ کر بھی اپنے مراد اور پیر و مرشد سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔

ایسا صرف علم حضوری ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ یہ علم منتقل ہوتا ہے سکھایا نہیں جاتا۔ علم حضوری اور علم حصولی میں یہی بنیادی فرق ہے۔ مرید یا شاگرد دونوں طریقوں سے یہ علم سیکھتا ہے مگر علم حصولی میں مرید یا شاگرد کو اپنی صلاحیتوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے، جب کہ علم حضوری میں مراد اپنی صلاحیتیں مرید کی روح کے اندر انڈیل دیتا ہے۔

علم اور عالم کی فضیلت:

جس طرح ساری مخلوق میں انسان بہترین مخلوق ہے اسی طرح علم حاصل کرنے والا انسان نوع انسانی میں بہترین ہے۔ طریقت، ایمان، معرفت اور رضائے الٰہی کے حصول میں کسی بھی طرح علم کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ ہر مرحلے میں علم بنیادی ضرورت ہے۔ راہ سلوک میں توحیدی عقیدہ کے ساتھ عبادات کو صحیح طریقے پر پورا کرنا اور معاملات درست رکھنا، احوال قلب، حسن اخلاق اور تزکیہ نفس ہونا ضروری ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث سے علم کی قدر و منزلت اور عزت و شان کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔

۱) کیا جاننے والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔ (پارہ ۳۲۔ زمر ۹)

۲) اللہ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجے بہت بلند فرمائے گا۔

۳) اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

رسول اللہ ﷺ نے علم کی فضیلت میں فرمایا:

www.ksars.org

"جو شخص علم کی تلاش میں سفر اختیار کرے اللہ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ بے شک فرشتے طالب علم کی عظمت میں اس پر اپنے پر جھکا دیتے ہیں اور بے شک علم سیکھنے والوں کے لئے زمین اور آسمان کی مخلوق اور پانی کی مچھلیاں مغفرت طلب کرتی ہیں۔"

بے شک علمائے حق انبیاء کے ورثاء نے درہم و دینار کی بجائے علم چھوڑا ہے جس نے علم سیکھا اس نے بڑا حصہ پایا۔ انسان کی شخصیت بنانے اور سنوارنے میں صحبت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے اوصاف سے عملی اور روحانی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہم نشینی کے لئے غیب میں اہل ایمان، اہل استقامت اور عارف باللہ لوگوں کو پسند کرتا ہے تو بہت جلد ان جیسا ہو جاتا ہے، اور ان پاکیزہ نفس حضرات کی راہنمائی میں اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ عیوب اور برے اخلاق سے چھٹکارہ پالیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو اعلیٰ مقام نبی اکرم ﷺ کی صحبت و مجالس کے سبب حاصل ہوا ورنہ اس سے قبل وہ جہالت کے اندھیروں میں تھے اور تابعین نے اس عزم شرف کو صحابہ کرامؓ کی صحبت سے حاصل کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے وارث علماء باطن اولیاء اللہ سے قرب اصلاح نفس کا ذریعہ ہے۔ ان کی صحبت میں وقت گزارنے سے "یومنون بالغیب" کی عملی تشریح سامنے آجاتی ہے۔ جو بات کتابیں پڑھنے سے سمجھ میں نہیں آتی وہ ان کی مجالس میں حاضر ہونے سے سمجھ آجاتی ہے۔ انسان کی ظاہری اور باطنی اغراض، غرور، حسد، کینہ، انانیت، خود پسندی، تکبر اور بخل کا اولیاء اللہ کی قربت دعا اور توجہ سے شافی علاج ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مومن 'مومن کیلئے آئینہ ہے۔" مومن صادق وہ ہے جس کی ذات روشن اور منور ہے۔ وہ اپنے مرشد کا وراث ہوتا ہے اور وراثت کا یہ سلسلہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ متصل ہے اور یہی وہ آئینہ فیض ہے جسے اللہ نے انسانوں کے لئے اعلیٰ مثال اور کامل نمونہ قرار دیا ہے۔

"اے مسلمانو! بیشک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی بہترین نمونہ ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتے ہیں اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔"

www.ksars.org

(پارہ ۱۲۔احزاب ۱۲)

رسول اللہ ﷺ کے وارث اولیاء اللہ کی قربت ہی وہ عملی طریقہ ہے جس سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ نفس اخلاق سے مزین ہو جاتا ہے اور انسان اپنی روح کا درجہ بدرجہ عرفان حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے مقصد تخلیق کی تکمیل کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک عالم اور دوسرا متعلم اور باقی بیکار اور ناقابل اعتبار ہیں۔ کہا گیا ہے کہ علم، روح سے اور عمل اس کا جسد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم اصل ہے اور عمل اس کی فرع ہے۔ علم پکار پکار کر عمل کی جانب توجہ دلاتا ہے اور اگر اس کی بات کو نہ سنا جائے تو وہ رخصت ہو جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر تم کسی شخص کے علوم کے محتاج ہو تو اس کے عیوب پر نظر نہ ڈالو ورنہ اس کے علوم سے فائدہ اٹھانے کی برکت سے محروم رہو گے۔

www.ksars.org

باب دوئم

رابطہ شیخ:

اللہ تعالیٰ کی قربت حصول کے لئے سب سے بہتر ذریعہ رابطہ شیخ ہے۔رابطہ کے معنی ربط، ضبط اور تعلق خاص کے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کے بہت سے راستے ہیں۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں:

"جس قدر نفوس ہیں اسی قدر خدا سے ملنے کی راہیں ہیں۔ہر نفس اپنی حقیقت سے ملنے کا راستہ رکھتا ہے لیکن دین کبریٰ سے بالاتفاق تین راہوں کو اخذ کیا ہے۔یہ تین راستے سب راستوں سے افضل ہیں اور انہی راستوں پر چلنے سے لاکھوں ولی اللہ بن گئے اور ان کی تصدیق تواتر سے حق الیقین تک پہنچتی ہے۔یہ راستے بے شک سب راستوں سے افضل ہیں، وہ یہ ہیں:

اوّل: ذکر

دوئم: فکر

سوئم: رابطہ شیخ

اگر ان تینوں راستوں میں سے ایک کو بھی مضبوط پکڑ لیا جائے تو بے شک انسان خدا تک ضرور پہنچے گا۔

خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں:

www.ksars.org

ذکر بے رابطہ موصل نیست

ورابطہ بے ذکر البتہ موصل نیست

(ذکر رابطے کے بغیر خدا تک نہیں پہنچاتا البتہ رابطہ بلا ذکر کر کے خدا تک پہنچا دیتا ہے)

حضرت شیر ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی رابطہ شیخ کو اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اگر بلا تکلف بلا بناوٹ کے مرید کو پیر کا رابطہ حاصل ہو جائے تو پیر و مرید کے درمیان مناسب کامل ہونے کی علامت ہے جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے اور وصل اللہ کے لئے رابطہ سے زیادہ اقرب کوئی طریقہ نہیں اور ذکر سے رابطہ کا بہتر کہنا بلحاظ نفع کے ہے کیونکہ مرید کو ابھی مذکورہ سے کامل مناسبت پورا فائدہ حاصل کرنے کی نہیں ہے۔''

حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں:

سایہ رہبر بہ است از ذکر حق

(ذکر سے بہتر ہے سایہ پیر)

حضور نبی کریم ﷺ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ زیادہ رابطہ و تعلق اور محبت رکھتے تھے اس واسطے آپؓ تمام صحابہ سے سبقت لے گئے۔ آپؓ کی شان میں فرمان ہے کہ ''نہیں ڈالا اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں کچھ مگر میں نے اس کو ابو بکر کے سینے میں ڈال دیا۔''

پس رابطہ شیخ سے طالب ایسا کمال حاصل کر لیتا ہے کہ جیسے کاغذ پر مہر کی نقل جلوہ گر ہوتی ہے۔

رابطہ شیخ، ربط الی اللہ قائم کرنے اور واصل باللہ ہونے کا راستہ ہے۔ حضرت یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں:

www.ksars.org

"علم نااہل علماء سے سیکھنا مناسب نہیں کیونکہ وہ روحانی قوتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ علم اور خبر ایسے شخص سے سیکھو اور سنو جو علم سے معلوم (یعنی اللہ تعالیٰ) تک رسائی حاصل کر چکا ہو اور خبر سے مخبر کو جانتا ہو۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ محسوس کر لیا کہ امت محمدی ﷺ میں ایسے خدا رسیدہ بندے بھی ہیں جو تحت الثریٰ سے لے کر اعلیٰ علیین تک چھائے ہوئے ہیں تو آپ نے بھی حضور ﷺ کی امت میں شمولیت کے لئے دعا کی۔

سلوک، روحانیت، تصوف یا طریقت ایک ایسا شعبہ ہے جس میں داخل ہونے کی اولین شرط کسی شیخ یا مرشد کی صحبت میں آنا ہے۔ طبعاً کسی مرید کے لئے اپنے مرشد کی طویل صحبت حاصل کرنا ممکن نہیں لہٰذا مرشد کے ساتھ ذہنی رابطہ بہت ضروری ہے۔ اہل سلوک ذہنی ربط کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اسے روحانیت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اس طریقہ میں دوری اور نزدیکی کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ ذہنی ربط کے ذریعے معنوی صحبت حاصل کرنے کی راہ میں کوئی چیز کسی وقت حائل نہیں ہوتی۔ حقیقت ربط کی اصل اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

"میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جس میں کسی مقرب فرشتے یا نبی مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی۔"

مرید کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ اس کی کامیابی کا مدار باطنی رابطے پر ہے جو مرید کی اپنے پیر سے محبت، عقیدت، اس کا گرویدہ ہونے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے عبارت ہے۔ یہ رابطہ جس قدر مضبوط ہو گا شیخ کے باطن سے فیوض و برکات اسی قدر زیادہ حاصل کرے گا۔ شیخ کے باطن سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے محض محبت اور باطنی رابطے کا ہونا کافی ہے۔ اگر محبت اور رابطہ نہ ہو تو وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی جو کہ شیخ کی توجہ کو قبول کرنے کے لئے ضروری ہے۔ شیخ سے باطنی رابطے کا طریقہ طالب کے لئے ذکر سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اگرچہ ذکر کی اپنی فضیلت ہے مگر مرید چونکہ دنیا و مافیہا میں گرفتار ہوتا ہے اور وہ عالم بالا سے تعلق نہیں رکھتا کہ وہ وہاں سے بغیر وسیلے کے فیض حاصل کر سکے اس لئے اس کو ایک واسطہ چاہئے جو عالم بالا سے رابطہ رکھتا ہو اور جو عالم بالا کے ساتھ مناسبت

www.ksars.org

کی وجہ سے عالم غیب سے فیوض و برکات عالم ناسوت میں ان کی استعداد رکھنے والوں کو پہنچائے۔ لہٰذا جس قدر طالب کا مطلوب کے ساتھ ربط زیادہ ہو گا اس کے باطن سے اسی قدر فیض اخذ کرے گا۔

بیعت:

کسی بھی دنیاوی علم کو حاصل کرنے کے لئے آپ کو استاد کی ضرورت پڑتی ہے جو قدم بہ قدم رہنمائی کر کے انسان مین چھپی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ اسی طرح روحانی علوم حاصل کرنے کے لئے بھی کسی استاد کی ضرورت پڑتی ہے جس کی ہدایت پر عمل کر کے انسان اپنی روحانی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔

لفظ بیعت عربی کے لفظ بیع سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں فروخت کر دینا لہٰذا بیعت دراصل ایک اصلاح ہے یعنی ''خود کو فروخت کر دینا۔'' جب آدمی کسی کا مرید ہو جاتا ہے یا کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا ہے تو گویا وہ یہ عہد کرتا ہے کہ میں نے روحانی شاگردی اختیار کر لی اور میں اپنے روحانی استاد کے بتائے ہوئے طریقے پر بلا چوں و چرا عمل کروں گا۔ اگر انسان میں روحانی علوم سیکھنے کی خواہش نہ ہو تو بیعت ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرت بایزیدؒ کا قول ہے:

''جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے۔''

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

''تمام اولیاءاللہ اور ابدال اور صدیقین کا سلسلہ بھی اسی طرح چلتا آیا کہ کوئی استاد ہوا کوئی شاگرد۔''

www.ksars.org

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے تھے کہ جو شخص بغیر کسی مقتدا کے اس راہ میں قدم رکھے گا وہ خود بھی گمراہ ہو گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ جو شخص مشائخ کا ادب و احترام چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کی نظروں میں ناپسندیدہ بنادے گا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے شیخ کے کمال کا اعتقاد نہ رکھے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کا قرب چاہتے ہو تو اولیاءاللہ کے پاس بیٹھو۔ جس نے کسی ولی اللہ کو پالیا تو سمجھ لو کہ اس نے خدا کو پالیا۔

چونکہ اولیاءاللہ شیطان سے محفوظ ہوتے ہیں اس لئے جو اس کے سائے میں سچے دل سے آجاتا ہے وہ یقیناً شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ایک شخص مسجد میں حضرت علیؓ کے پاس نماز ادا کر رہا تھا۔ حضرت علیؓ مسجد میں آرام فرما رہے تھے۔ کسی اہل نظر نے دیکھا کہ شیطان مسجد کے دروازے پر کھڑا ہے تو اس نے اس کے کھڑے ہونے کی وجہ پوچھی۔ شیطان نے کہا کہ میں اس شخص کی نماز میں خلل ڈالنا چاہتا ہوں مگر حضرت علیؓ سے مجھے ڈر لگتا ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے مجھے آگے جانے کی جرأت نہیں ہوتی۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ان اولیاء کا سایہ شیطان کے شر سے محفوظ کرتا ہے۔ ان کی روح بہت بلندیوں پر پرواز کرتی ہے اور تمہیں بھی ایسی بلندیوں پر پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہے کہ تم اللہ کے ساتھ واصل ہو سکو۔ کوئی شخص خود سے قرب باری تعالیٰ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اس بات پر قائم ہے کہ اس کا قرب ان لوگوں کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکے ہوں۔

پس تقرب جو بد و سوئے الٰہ

www.ksars.org

سر پیچ از طاعتِ او ہیچگاہ

زانکہ او ہر خار را گلشن کند

دیدہ ہر کور را روشن کند

ظل اُو اندر زمیں چوں کوہ قاف

روحِ اُو سیمرغ پس عالی طواف

اپنے شیخ کے وسیلے سے حق تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کرو اس کی اطاعت سے کبھی پہلو تہی نہ کرو۔ کیونکہ شیخ (ہر مشکل) کانٹے کو باغ بنا سکتا ہے اور (طریقت کے) ہر اندھے کی آنکھ کو روشن کر سکتا ہے۔ اس کا سایہ کوہ قاف کی طرح زمین پر ہمہ گیر رہتا ہے اس کی روح نہایت بلند پرواز پرندہ ہے۔

یہ مشائخ ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں اور یہی خدا کا راستہ دکھانے والے ہیں۔ اسی دروازے سے اللہ کی بارگاہ میں راستہ ملتا ہے (شاذ اس سے مستثنیٰ ہیں) ورنہ ہر مرید کے لئے شیخ کی ضرورت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ بندے کا خود انتخاب فرمائے اور اس کی تربیت فرمائے اور شیطان و ہوا و ہوس سے خود اس کی حفاظت فرمائے۔ عام طریقہ وہی ہے جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے یہی طریقہ زیادہ سلامتی اور بہتری کا ہے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ سے دریافت فرمایا کہ معاذؓ تم رات کو کیا کرتے ہو؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ رات کی ایک چوتھائی میں حضور ﷺ پر درود پڑھتا ہوں اور باقی شب خدا کی عبادت کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ معاذؓ تم سے ہو سکے تو درود زیادہ پڑھا کرو۔ چند روز کے بعد پھر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ تم رات کو کیا کرتے ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ نصف شب حضور ﷺ پر درود پڑھتا ہوں اور نصف شب خدا کی عبادت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے ہو سکے تو زیادہ درود پڑھا کرو۔ پھر چند روز کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ

www.ksars.org

معاذؓ تم رات کو کیا کرتے ہو؟ عرض کیا کہ دو تہائی شب میں حضور ﷺ پر درود پڑھتا ہوں اور ایک تہائی میں خدا کی عبادت کرتا ہوں۔ فرمایا تم ٹھیک کرتے ہو یوں ہی کیا کرو۔

اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیوں حضور ﷺ نے عبادت سے روکا اور درود شریف کا حکم دیا؟ اس کی حکمت یہ ہے کہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ معاذؓ خود راستہ طے نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے واسطہ بنائے گا تو جلد منزل پر پہنچے گا۔ یہی معاملہ پیر اور مرید کا ہوتا ہے۔

میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں:

بچہ وہی زبان بولتا ہے جو ماں باپ کی زبان ہے اور اس زبان کو سیکھنے کے لئے بچے کے لئے کوئی درس و تدریس کا سلسلہ قائم نہیں کرنا پڑتا۔ بچہ جس طرح ماں باپ کو بولتا دیکھتا ہے اسی طرح بولنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ اردو زبان بولنے والے ماں باپ کا بچہ بچپن میں انگریزی بولنا شروع کر دے۔ بچہ اپنی مادری زبان اس طرح بولتا ہے کہ جیسے یہ ہمیشہ سے سیکھا سکھایا ہوا ہے۔ ماں کی گود بچہ کے لئے سب سے پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ ماں باپ اگر بچہ کو پاکیزہ اور صاف ستھرا ماحول دیتے ہیں تو بچے کا ذہن بھی پاکیزہ اور صاف ستھرا رہتا ہے۔ والدین اگر گالیاں دیتے ہیں تو گھر میں بچہ کے لئے گالیاں دینا کوئی خلاف معمول بات نہیں ہوتی۔ گویا بچہ کے اوپر وہ تمام اثرات مرتب ہوتے ہیں جو اس کے ماحول میں موجود ہیں۔

گھر کی چار دیواری اور والدین کی آغوش سے نکل کر جب بچہ باہر کے ماحول میں قدم رکھتا ہے تو اس کے اوپر وہ تمام اثرات مرتب ہوتے ہیں جو ماحول میں موجود ہیں۔

روحانی نقطہ نظر سے دنیا میں آنے والا کوئی فرد ذہنی طور پر آدھا ماحول کے زیر اثر ہوتا ہے اور آدھا والدین کی ذہنی افتاد سے مطابق ہوتا ہے۔ اس غیر اختیاری تربیت کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے کہ والدین بچہ کو کیا بنانا چاہتے ہیں۔ والدین اگر بچہ کے اندر خاندانی روایات اور خود نمائی کی عادت منتقل کرتے ہیں تو بچہ کے اندر خود نمائی کے اثرات غالب آجاتے ہیں۔ والدین کی تربیت میں اگر اخلاقیات پر زور ہوتا ہے تو بچہ بااخلاق ہوتا ہے اور شعور کی منزل

www.ksars.org

میں داخل ہو کر ایک ایسا پیکر بن جاتا ہے جو معاشرے کے لئے عزت و توقیر کا باعث ہوتا ہے۔ والدین کی طرز فکر میں اگر دولت پرستی، خود نمائی، شہرت کی محبت ہے تو اولاد کے اندر بھی یہ طرزیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔ اس کا مفہوم یہ نکلا کہ تربیت کے دو طریقہ کار ہیں:

ایک اختیاری اور ایک غیر اختیاری۔

غیر اختیاری یہ کہ بچہ جو کچھ گھر کی چار دیواری اور اپنے ماحول میں دیکھتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے۔

اختیاری صورت یہ ہے کہ والدین بچہ کو ایک مخصوص تربیت کے ساتھ معاشرہ میں روشناس کراتے ہیں اور بچہ بڑا ہو کر جب بالغ ہوتا ہے تو اس کی ایک شخصیت بن جاتی ہے اور وہ اپنی شخصیت کو سامنے رکھ کر والدین اور ماحول سے ملے ہوئے اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک کردار متعین کرتا ہے اور یہ کردار اس کا اپنا ذاتی تشخص بن جاتا ہے۔

مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی بندے کے کردار کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ اسے مخصوص طرز فکر حاصل کرنے کے لئے قربت حاصل ہو۔ جس طرح ایک عام فرد کے لئے ماحول رشتہ دار، والدین اور تعلیمی درسگاہیں قربت کا ذریعہ بن کر اس کے کردار کی تشکیل کرتی ہیں اسی طرح جب ایک فرد اللہ کی راہ پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے آدمی کے کردار کی تشکیل کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کسی ایسے بندے کی قربت حاصل کرے جس کا کردار روحانی قدروں پر محیط ہو جس طرح دنیاوی علوم حاصل کرنے کے لئے سکول میں داخل ہونا پڑتا ہے اسی طرح روحانی استاد کی قربت اور روحانی علوم کے حصول کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے اسے بیعت کا نام دیا جاتا ہے۔

بچہ کی تربیت کے لئے جس طرح قدرت ماں اور باپ کو بچہ کے لئے مقرر کر دیتی ہے اسی طرح روحانی اقدار حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرید کو ایسے ماں باپ کی آغوش میسر ہو جس کے اندر روحانی قدروں کا دریا موجزن ہو اور اسے ایسا ماحول میسر ہو جس ماحول میں پاکیزگی موجود ہو۔ ماں اور باپ سے مراد پیر و مرشد ہے اور ماحول سے مراد یہ ہے کہ اس پیر و مرشد کی ایسی اولاد جو اس سے روحانی رشتے میں وابستہ ہے۔ راہ سلوک میں چلنے والے

www.ksars.org

سالک کو کسی شخص کا ہاتھ پکڑنا اس لئے ضروری ہے کہ اسے ایک روحانی باپ کی شفقت میسر آئے اور اس روحانی باپ کی اولاد کا ایک ماحول میسر آجائے تاکہ اس ماحول میں رہ کر اس کی ذہنی تربیت ہو سکے۔

ارادت نام ہے اس شائستہ جذبے کا جس میں مرید کی کائنات من پر شہنشاہی اور حکمرانیاں مراد کے تصور ور خاکی ہوتی ہے۔ مرید محبوب کے عشق کے سمندر میں بغیر کوئی سوال جواب کئے آگے سے آگے حرکت کرتا رہتا ہے۔ ارادت میں اطاعت اور طابع فرمانی ضروری ہے اور محبوب کا قرب حبیب کے لئے کئی سعادتوں سے سعید لمحہ ہوتا ہے۔

اولیائے کرام کا قول ہے کہ جو تنہا خود عبادت کرے گا تو وہ زیادہ سے زیادہ ایک ستارے کی مانند بن جائے گا مگر جس شخص کو مرشد کی محبت نصیب ہو وہ مرشد کے سائے میں آفتاب بن سکتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خدا کی ہم نشینی چاہتا ہے تو اسے کہہ دو کہ جائے اولیائے کرام کے حضور میں بیٹھے۔

مجتہد لوگ پیر و مرشد کے بغیر نہیں تھے۔ ان کو علم کا فیض مرشد ہی کی تلقین و تعلیم سے حاصل ہوا۔ حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو لوگ مرشد کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں ان کو حضور ﷺ کی رسالت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ اگر پیر و مرشد کی ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ کو پیغمبروں کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ہر قوم کے لئے ہم نے ہدایت کرنے والا بھیج دیا تاکہ وہ راہ حق کی رہنمائی کرے۔ کیا وہ قوم خود بخود ہدیات حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ ہدایت تو ہادی کے سکھانے سے نصیب ہو گی نہ کہ کتابیں پڑھنے سے۔ اس لئے طالب خدا کی رہنمائی اور مقام اعلیٰ پر پہنچنا صرف شیخ کامل کی بیعت پر منحصر ہے۔

ولی کے ہاتھ پر جو خیر و برکت ہوتی ہے وہ آنحضرت ﷺ کی برکت ہی کی بدولت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ایمان جو اس خیر و برکت کا سبب ہے وہ آپ ﷺ کے ذریعے ہی ولی تک پہنچا۔ ولی اور نبی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انبیاء پیدائشی طور پر معصوم اور معرفت الٰہی اور تقویٰ پر پیدا کئے گئے ہوتے ہیں چنانچہ وہ نہ تو کسی شریعت اور نہ ہی کسی استاد کے محتاج ہوتے ہیں کہ اس سے استفادہ کریں۔ جو حق ان کی ذات میں سرائیت کر چکا ہوتا ہے یعنی حرف نبوت جس پر ان

www.ksars.org

کی تخلیق ہوئی ہوتی ہے انہیں سیدھے راستے پر چلائے رکھتا ہے جبکہ ولی کو اس راہ پر آنے کے لئے کسی سے مستفید ہونا پڑتا ہے۔

بیعت کی اہمیت:

یک زمانہ صحبت بااولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

گر تو سنگ خارا وامر مربوی

چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ:"اولیاء اللہ سے چند لمحوں کی قربت سو سالہ عبادت بے ریا سے کئی درجہ بہتر ہے۔ اگر تو سخت قسم کا اور سنگ مرمر جیسا ہے جب تو کسی صاحب دل تک پہنچے تو قیمتی موتی بن جائے گا۔"

جس چیز کو ہم شعور کا نام دیتے ہیں اس کی عادت ہے کہ وہ ایک قدم کو بھول کر دوسرا قدم اٹھاتا ہے اور اسی طرح انسان کی ساری زندگی گزر جاتی ہے۔ شعور ایک ایسا Pattern ہے جس کا دارومدار نسیان اور بھول پر ہے اور اس کے برعکس جب ہمارا کوئی قدم لاشعور میں داخل ہوتا ہے تو ہم اسے اپنے ارادے کے تحت شعور میں لے آتے ہیں۔ شعوری زندگی انسان کو مفروضہ حواس میں گرفتار کرتی ہے۔ اس کے برعکس لاشعور انسان کو مفروضہ حواس سے دور کر کے حقیقت کی طرف لے جاتا ہے۔ لاشعور کا دوسرا نام روح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی تو الست بربکم فرما کر اس بات کا اقرار کرایا کہ تم مخلوق ہو اور میں خالق۔ لیکن جب انسان اپنی نادانی سے شعوری حواس کو اپنے اوپر مسلط کر بیٹھا تو وہ اس وعدے کو بھول گیا اور اس نے اپنی

www.ksars.org

ساری زندگی کو شعور کے اندر مقید کر دیا۔ مخلوق بشمول انسان کا یہ جواب دینا کہ ''آپ ہمارے رب ہیں۔'' اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا سمجھا اور پھر اقرار کیا۔ اب اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کی ربوبیت کا تذکرہ کر رہا ہے تو یہ تذکرہ شعوری تذکرہ کہلائے گا۔

جب کوئی بندہ کسی روحانی استاد کی شاگردی میں آتا ہے تو استاد اسے یہ بتاتا ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا ہے اسے بھول گئے ہو اور وہ اپنے شاگرد کو شعور کی بھول بھلیوں سے آزاد کرنے کے لئے ایسی طرزیں اس کے ذہن میں منتقل کرتا ہے جو اسے شعور کے قریب کر دیں اور وہ ایفائے عہد میں جدوجہد کر کے بالآخر اپنے ازلی وعدہ کو پورا کر دے۔

اسلام میں بنیادی رکن حضور ﷺ پر ایمان لانا ہے اور ایمان لانے کے بعد حضور ﷺ کی رسالت کی شہادت دینا ہے۔ لیکن دنیا کا کوئی قانون اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ بغیر دیکھے شہادت متعبر ہو سکتی ہے۔ اگر ایک شخص پر قتل کا الزام ہے اور گواہ نے اسے قتل کرتے نہیں دیکھا تو اس کی گواہی معتبر نہیں ہو سکتی۔ کلمہ شہادت ہمیں بتاتا ہے کہ اگر انسان ایمان کے دائرے میں فی الواقع قدم رکھ دیتا ہے تو سیدنا حضور ﷺ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور وہ برملا حضور ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہے۔

قرآن پاک میں آتا ہے:

''یہ کتاب ہدایت دیتی ہے ان لوگوں کو جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر اس طرح یقین رکھتے ہیں کہ غیب ان کے مشاہدے میں آ جاتا ہے۔''

قانون یہ ہے کہ جب تک کوئی بات مشاہدے میں نہیں آتی یقین متزلزل رہتا ہے۔ قرآن پاک میں ملائکہ، انبیاء علیہ السلام، یوم آخرت، آسمانی کتابوں کا تذکرہ بار بار آتا ہے۔ یہ تمام تذکرے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ انسان کے اندر کوئی ایسی آنکھ موجود ہے جو پردوں کے پیچھے دیکھ سکتی ہے اور ایسے کان بھی موجود ہیں جو ماورائی

www.ksars.org

آوازیں سن کر ان کے معنی اور مفہوم کو سمجھتے ہیں ایسی آنکھیں موجود ہیں جو زمان و مکان کی تمام حد بندیوں کو توڑ کر عرش پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتی ہیں۔

ایک روحانی انسان سالکان طریقت کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ آدمی ظاہری حواس سے ہٹ کر ان حواس کا کھوج لگائے جن حواس میں لطافت ہے، نرمی ہے، رحمت ہے، محبت ہے، حلاوت ہے، نور ہے، روشنی ہے۔ جن حواس سے بندہ اپنے آقا رسول ﷺ کے قدموں میں سرنگوں ہوتا ہے۔

حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اسے لگایا ہو خود بخود اُگ آیا ہو تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو تو جس سے وہ اپنے لئے کوئی راستہ اخذ کرے تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہو گا۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت و ماہیت جب سمجھ میں آتی ہے کہ طالب کسی اہل اللہ سے بیعت ہو کر تصفیہ باطن حاصل کرے پھر نقل مطابق اصل خود ظاہر و عیان ہو جائے گی جب تک کہ طالب عین الیقین میں ہے۔ کیفیت حق الیقین کہاں اور جب تک کہ علم الیقین ہے تو منزل مقصود بہت ہی دور ہے۔

حضرت غوث علی شاہؒ صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ بلاواسطہ پیر و پیغمبر کے بھی کوئی صاحب معرفت ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ ہاں ہو سکتا ہے لیکن شاذ و نادر اور جو کوئی ایسا ہوا ہے اس نے خدا کے سوا کسی اور کو نہیں سمجھا۔ یہ ایسی بات ہے کہ جب عطر کھینچتے ہیں تو زمین صندل کی ضرور ہوتی ہے پس انبیاء اور اولیاء زمین عطر ہیں جن کے واسطے سے عطر تیار ہوتا ہے اور اگر بغیر کسی زمین کے عطر تیار کیا جائے تو ممکن ہے مگر صدہا پھول خراب ہوں، تب تھوڑا سا عطر نکلے گا جیسا انبیاء علیہ السلام کو کہ ہزارہا خلقت تباہ ہوئی تو ایک رسول سرآوردہ روزگار ہوا اور یہ عطر خالص ہیں۔

کسی نصرانی کے گلے میں ایک صلیب تھی، دیکھا تو ندارد۔ نہایت تشویش ہوئی جا بجا ڈھونڈا کہیں پتہ نہ ملا۔ ایک شخص نے اس کو پریشان حال دیکھ کر کیفیت دریافت کی کہا کہ میرے گلے میں صلیب تھی وہ گم ہو گئی ہے۔ وہ ہنسا اور کہا کہ تم ناحق تردّد میں مبتلا ہو صلیب گم نہیں ہوئی ہم تلاش کر دیں گے جب اس کو بہت اضطراب اور بیقراری ہوئی

www.ksars.org

تواس نے گردن کے پیچھے سے اٹھا کر سامنے کر دی اور کہا کہ تیرے ہی گلے میں پڑی ہے۔ یہ تمام فکر و تردّد اسی وہم کا ہے جو دل میں بیٹھ گیا۔ پس ہادی و مرشد کا کام تعلیم کرنا ہے ورنہ اللہ تو ہر ایک کی ذات میں موجود ہے۔

پسر نوح بابدان بہ نشست

خاندان نبوتش گم شد

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالع ترا طالع کند

ترجمہ: ''نوح کا بیٹا بروں کے ساتھ بیٹھا تو نبوت کا خاندان گم ہو گیا۔ نیکوں کی صحبت نیک بناتی ہے اور بروں کی صحبت تجھے برا بناتی ہے۔''

حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کی نظر میں

مرشد کریم کی ضرورت واہمیت

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہُو

نفی اثبات کا دا پانی ملیں ہر رگے ہر جائی ہُو

اندر بوٹی مشک مچایا جان پھلاں تے آئی ہُو

جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہُو

ان اشعار میں حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ نے اسم اللہ ذات کو چنبیلی کے خوشبودار پھول سے تشبیہہ دی ہے اور عارف کامل ہونے کی حیثیت سے اپنے من میں اسم اللہ ذات کو بسا لینے کا اظہار فرمایا ہے۔ آپؒ

www.ksars.org

فرماتے ہیں کہ مرشد کامل نے اس شجر معرفت (اسم ذات) کو ان کے من میں بو کر نگہبانی فرماتے ہوئے کلمہ طیبہ کی نفی اثبات کے فیوضات سے آبیاری کی اور گوہر مقصود عرفان اسم اللہ ذات نے (جو چنبے کے خوشبودار پھول کی طرح ہے) آپؒ کے دل و جان کو منور و معطر کر دیا ہے۔

حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے وجود میں کلمہ طیبہ تاثیر کرتا ہے اور اسے نفع دینے لگ جاتا ہے تو کلمہ طیبہ دریا کی طرح اس کے ہر انگ اور ہر ریشے میں جاری ہو جاتا ہے۔ حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ خلق خدا کو عرفان الٰہی کی غذا دیا کرو تو تم سراپا رحمت و خوشبو ہو جاؤ گے اور اپنے مرشد کامل کی عنایات اور ان سے حصول فیوضات کے ذکر کے بعد آخر میں ان کے لئے سلامتی کی آرزو بھی فرماتے ہیں۔ آپؒ آخر میں فرماتے ہیں کہ توحید کا بیج کسی زندہ دل (مرشد کامل) سے اخذ کرنے سے دل زندہ ہو جاتا ہے اور اس سے عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔

ایہ تن میرا چشماں ہووے تے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہُو

لوں لوں دے مڈھ لکھ لکھ چشماں ہک کھولاں ہک کجاں ہُو

اتنا ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کتے ول بھجاں ہُو

مرشد دا دیدار ہے باہُو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہُو

ان اشعار میں حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہُو نے شیخ کامل سے ارادت محبت اور اس کی راہ طریقت و معرفت میں اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ (جو حضور قلندر باباولیاءؒ کے مرشد کریم تھے) فرماتے ہیں کہ پیر یا شیخ کامل سے محبت اور والہانہ عقیدت ہو گی تو طالب منزل مقصود کی امید کر سکتا ہے۔ کیونکہ محبت ہی ایک وہ خلش ہے جو فراق محبوب میں انسان کی اعانت کرتی ہے جب کہ دنیا اس کے سامنے ایک انگوٹھی کے حلقے کی طرح ہوتی ہے۔

www.ksars.org

یہی وہ نشہ ہے جس کا کوئی اوتار نہیں اور یہی وہ بیتابی ہے جس کے لئے سکون نہیں۔ گویا مبتدی کی پہلی منزل اور طالب کے طلب کی پہلی سیڑھی محبت ہے۔ جب تک شیخ کے لئے تمام محبوبات کو قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے اور سب طرف سے آنکھیں بند کر کے اسی کا نہ ہو رہے تب تک اس کو مقام محبت حاصل نہیں ہوگا۔ عشاق نشہ محبت میں ایسے سرشار ہوتے ہیں کہ انہیں کسی طرف کا ہوش ہی نہیں رہتا اور دنیا کی کسی شئے کو محبت شیخ پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپؒ اپنے شیخ کی خدمت میں تعلیم بقرب علی اللہ کی ابتدائی منازل طے کر رہے تھے اور وہیں قیام بھی رکھا کرتے تھے۔ آپؒ کے ذمے شیخ کی ظاہری خدمات میں سے ایک خدمت یہ بھی تھی کہ آدھی رات کو آگ جلائی جائے اور تہجد کے لئے پانی گرم کیا جائے۔ یعنی حضرت خواجہ طلب الدین بختیار کاکیؒ (جو آپؒ کے مرشد کریم تھے) کے اٹھنے سے قبل پانی گرم ہونا چاہئے۔ ان دنوں آگ جلانے اور محفوظ کرنے کا بڑا انتظام و اہتمام ہوا کرتا تھا اور سالہا سال اپنی ضروریات کے لئے آگ کا ذخیرہ موجود رکھا جاتا تھا۔ اتفاق سے ایک رات آگ جھج گئی۔ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ جو رات کو پانی گرم کرنے کے لئے اٹھے تو آگ کو بجھا ہوا دیکھ کر نہایت پریشان ہوئے اور آگ کی تلاش میں خانقاہ سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ فاصلے پر آگ جل رہی ہے۔ فوراً وہاں پہنچے تو دیکھا تو ایک بڑھیا نے جلار کھی تھی اس کے سامنے جا کر آگ مانگی تو وہ کہنے لگی۔ فرید اس آگ کی قیمت آنکھ ہے۔ آنکھ دے دو اور آگ لے جاؤ۔ آپؒ نے جواب دیا کہ جس آنکھ کی ضرورت ہے فوراً نکال لو اور آگ دے دو کیونکہ میرے مرشد اٹھنے والے ہیں اور مجھے ان کے لئے وضو کا پانی گرم کرنا ہے۔ اس بڑھیا نے داہنی آنکھ نکال لی اور آگ دے دی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ آگ لے آئے اور پانی گرم کر لیا۔ اور اپنے مرشد کریم کا وضو کروا کے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ جب صبح ہو گئی تو مرشد کریم نے دوستوں میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو یاد فرمایا اور پوچھا کہاں ہیں؟ الغرض آپؒ کو بلایا گیا۔ جب آپؒ تشریف لائے تو آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ مرشد کریم نے پوچھا کہ آنکھ کو کیوں باندھ رکھا ہے۔ آپؒ نے عرض کیا کہ خراب ہو گئی ہے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا پہلے سے سوائی ہو گئی ہے۔ کھول دو اور تمہاری نسل میں بھی یہ نشان موجود رہے گا۔ آج بھی حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی اولاد کی ایک آنکھ دوسری سے ذرا بڑی ہوتی ہے۔

www.ksars.org

مرشد کے دیدار کی اہمیت کو ایک مقام پر خود حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر غفاریؓ کیا تو کچھ اور بیان سننے کا متمنی ہے۔ عرض کیا۔ ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ فرمایا نبی کریم ﷺ نے اگر کوئی ان میں سے ایک طرف نظر کرے تو وہ دیکھنا اللہ کے قریب اللہ کے دیکھنے سے زیادہ پیارا ہے اور آخر میں حضرت سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں کہ انتہائے شوق میں مرشد کامل جو کہ فنافی الذات ہے کا دیدار میرے لئے لاکھوں کروڑوں حج کا ثواب ہے۔

ایہہ تن رب سچے دا حجرا دل کھڑیا باغ بہاراں ہُو

وچ کوزے وچ مصلے وچ سجدے دیاں تمہاراں ہُو

وشے کعبہ وچ قبلہ وچ الااللہ پکاراں ہُو

کامل مرشد ملیا باہو اوہ آپے لئی ساراں ہُو

ان اشعار میں حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ وجود کائنات اور ظہور آثار وصفات مختلف واحد مطلق ذات وصفات کا ظل اور عکس ہے جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے اور میرا یہ تن سچے رب کی قیام گاہ ہے اور اس حقیقت کا مشاہدہ کر کے میرا دل باغ بہاراں بن گیا ہے۔ حضرت فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس میں نے چاہا کہ جانا جاؤں اس لئے میں نے خلق کو پیدا کیا اور یہ خزانہ دل ہے۔ دل خدائے تعالیٰ کا دم خاص ہے اور حرم خاص دل کی اصل صورت ہے اور دل کی اصل صورت گوشت کا ٹکڑا نہیں ہے بلکہ دل کی اصل نور ہے اور یہ نور اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ ہے۔ حضرت علیؓ نے حضرت امام حسینؓ کو نصیحت فرماتے وقت فرمایا تھا کہ اے میرے بیٹے تیرا فکر تجھے میں تیرے لئے کافی ہے۔ اپنی شناخت اور اپنے اندر تفکر کر کہ کوئی شئے تجھ سے خارج نہیں۔ تجھ کو گمان ہے کہ تو ایک چھوٹا جسم ہے حالانکہ تیرے اندر ایک بہت بڑا اصبان مستور ہے اور تو دوام الکتاب ہے جس کو اپنے حرفوں سے سب کچھ جان لینا بعد از قیاس بات نہیں کیونکہ رب العزت نے انسان کے لئے ہی

www.ksars.org

فرمایا ہے یعنی جو کچھ تم حاصل کرنا چاہتے ہو وہ تمہاری ذات ہی میں موجود ہے، پس تم نہیں دیکھتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو اور ذات کو پہچان لیا اس کو عرفان رب العزت حاصل ہو گیا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بندوں کے دل میں ہیں۔

اور آخر میں سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں کہ تلاش محبوب اور وصال محبوب در حقیقت مرشد کامل کی نظر کامل کے تصدق سے ہی آسان ہوتا ہے۔ اگر تو سخت پتھر یا سنگ مرمر بھی ہو تو جب کسی مرشد کامل سے ملے گا تو اس کی برکت سے موتی بن جائے گا۔

بیعت کا مقصد:

ولی سے بیعت کرنے کا مقصد صرف ذات الٰہی کا عرفان ہونا چاہئے لہٰذا جب طالب اس مقصد کے لئے بیعت کرے گا تو اسے فائدہ ہو گا لیکن طالب اگر دنیاداری، حاجات اور اغراض کو چاہے اور رب کے متعلق کوئی سوال ہی نہ کرے اور نہ یہ پوچھے کہ اللہ کی معرفت کیسے حاصل ہو تو اس کی بیعت اس کے کسی کام کی نہیں۔ طالب کو شیخ سے محض اللہ کی خاطر محبت ہونی چاہئے۔ ظاہری محبت جس کی جڑیں باطن میں موجود نہ ہوں محض خسارے کا سودا ہے۔ ایسے شخص پر نور حق نازل نہیں ہوتا۔ ولی اس کا تعلق دنیا میں گہرا پاتا ہے تو اسے اللہ سے بے تعلق پا کر اسے نجات دلانا چاہتا ہے مگر طالب اس کے برعکس یہی چاہتا ہے کہ اس بے تعلقی کو بڑھائے۔ طالب اللہ کی معرفت سے ہٹ جاتا ہے اور دنیا کی رغبت اور اسی کی زیب و زینت کی طرف اس کا میلان بڑھ جاتا ہے۔ شیخ جب طالب کی بعض حاجات کو پورا کرنے میں اس کی موافقت کرتا ہے اور کشف کا ظہور ہوتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طالب یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسی کا نام معرفت ہے اور اسی کی لوگوں کو رغبت ہوا کرتی ہے۔ اس کے سوا ان کی اور کوئی غرض نہیں ہوتی یہ تمام باتیں گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔ طالب کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہونا چاہئے۔

www.ksars.org

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار جشن شاہانہ کیا ہر قسم کی اشیاء بیش بہا جمع کیں اور حکم دیا کہ جو شخص جس چیز کو ہاتھ لگاوے وہ اس کو ملے گی۔ اس حکم کے سنتے ہی ہر شخص اپنی پسند کے موافق چیزوں کی لوٹ پر جھک پڑا۔ ایک کنیز تھی اس نے پھر پوچھا کہ حضور جو جس کو ہاتھ لگاوے وہ اس کے لئے ہے۔ کہا کہ ہاں، اس نے فوراً خلیفہ وقت پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا اصل کو چھوڑ کر "فرع" کی طرف کیوں جاؤں۔ خلیفہ نے کہا کہ تو نے ہم کو اختیار کیا تو اب تمام سلطنت تیری ہے۔ وہ کنیز ہزاروں مردوں پر فوقیت لے گئی اور بعد میں خلیفہ کے عقد میں آئی۔

ارادت کی اہلیت:

اگر نہ خواستے داد نہ دادے خواست

اولیائے کرام کا قول ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کچھ نہ دینا چاہے تو وہ اس چیز کی چاہت اور طلب ہی اس کے دل کو عطا نہیں فرماتا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ دولت طلب کے حصول کو نعمت عظمیٰ خیال کرنا چاہئے اور جو کچھ اس کے خلاف ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ اس طلب کی راہ میں سستی آنے نہ پائے اور اس حرارت میں ٹھنڈک اثر نہ کرے۔ اس دولت کے ملنے پر شکر کرے اور اپنی طلب پر قائم رہے۔ شوق و درد کی یہ حفاظت شیخ کامل کی خدمت میں پہنچنے کے وقت تک ہے۔ مرشد سے بیعت ہونے کے بعد اپنی تمام مرادیں ان کے حوالے کر دینی چاہئیں جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ مرشد دیکھتا ہے کہ اگر کوئی مرید استعداد رکھتا ہے تو وہ پاک بیج، پاک زمین میں بو دیتا ہے۔ مرشد کی توجہ سے مرید پر اسرار کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ غیب کی چیزوں کا ملاحظہ کرنے لگتا ہے۔

www.ksars.org

انسان خود یہ معلوم کر سکتا ہے کہ وہ ارادت (مرید) بننے کے قابل ہے یا نہیں۔ وہ اس طرح کہ وہ دیکھے کہ اس کے خیالات بالعموم کس قسم کے ہوتے ہیں لہٰذا جس قسم کے خیالات بالعموم اس کے دل میں آئیں گے اسی طرف اس کا رجحان ہو گا۔ جس شخص کے خیال میں اللہ کی محبت اور اس کی بارگاہ کی طرف میلان غالب ہو اور اسے اللہ کی عظمت کا خیال رہتا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے لئے خیر کا ہے خواہ اس کی ذات اپنے خیالات کے مطابق عمل کر رہی ہو خواہ مخالف، اس لئے کہ اگر وہ مخالف اعمال میں پھنسا بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے بھلائی، نجات اور ہدایت کی طرف لے آئیں گے۔

اس کے بعد قوت و ضعف کے اعتبار سے اس قابلیت کے مختلف مراتب ہیں اگر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں کون چست رفتار اور سست رفتار اور کون متوسط رفتار والا ہے۔ یہی حال ارادت کی اہلیت رکھنے والوں کا ہے چنانچہ بعض اعلیٰ درجہ کی اہلیت کے مالک ہوتے ہیں کہ خداوند کریم کا خیال ہر وقت انہیں لگا رہتا ہے اور بعض ایسے ہیں جنہیں یہ خیال کبھی کبھی آتا ہے۔ اور بعض کی حالت متوسط درجے کی ہوتی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ انسان کے باطن میں فکر و تخیل، عقل کا ایک نور ہے جس کا فیضان تقدیر الٰہی کے مطابق ذات انسانی پر ہوتا ہے اگر ذات کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہو تو عقل اس میں اس کی فکر اور اس کے اسباب کا خیال دل میں ڈال دیتی ہے۔ قابلیت کا اصول خیر و شر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ہر اس عمل سے تعلق رکھتا ہے جس کے متعلق تقدیر میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ ذات اسے پالے گی کیونکہ ان تمام امور میں قابلیت و اہلیت ظاہر ہوتی ہے۔ ہر شخص کے لئے وہ کام جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہوتا ہے آسان کر دیا جاتا ہے۔ ہر چیز کی قابلیت کا مدار اس کی فکر پر ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کے خیالات کس طرف لگے رہتے ہیں، توفیق عطا کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔

www.ksars.org

بیعت کا قانون:

جتنے بھی انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں سب کا ایک ہی باپ ہوتا ہے۔ کسی شخص کا اپنے باپ کا باپ ہونے سے انکار کرنا نہایت بے شرمی اور غلط بات ہے۔ جس طرح صلبی باپ کی اولاد ہوتی ہے اسی طرح روحانی استاد (پیر و مرشد) بھی روحانی باپ کا درجہ رکھتا ہے۔ دنیاوی قوانین کے تحت جس طرح کوئی اپنے صلبی باپ کو نہیں بدل سکتا اسی طرح روحانی قوانین کے تحت روحانی باپ بھی نہیں بدلا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر استاد کی تربیت کا طریقہ مختلف ہوتا ہے اور مزاج و طبیعت میں بھی فرق ہوتا ہے۔

ایک انسان جب کسی کو پیر و مرشد یا استاد بنالیتا ہے یعنی بیعت کر لیتا ہے تو اس کی تربیت استاد اپنی ذہنی ساخت کے مطابق شروع کر دیتا ہے اب انسان اگر کسی دوسری جگہ چلا جائے تو بیعت میں فرق آجائے گا اور وقت ضائع ہو گا۔ کیونکہ جگہ تبدیل کرنے سے نئے استاد کی ذہنی ساخت تربیت میں زیر بحث آجاتی ہے۔ روحانی علوم بطور ورثے میں منتقل ہوتے ہیں۔ ایسا ممکن نہیں کہ آپ نے اسکول میں داخلہ لیا اور میٹرک کے بعد بی اے کیا اور ڈگری حاصل کر لی۔

روحانی علوم اور دنیاوی علوم کے طریقہ حصول میں بہت فرق ہے۔ جس طرح صلبی باپ کی عام جائیداد اولاد کو ہی منتقل ہوتی ہے اسی طرح روحانی علوم کا ورثہ بھی روحانی اولاد کو ہی منتقل ہوتا ہے۔ بیعت کرنا کوئی ایسا فریضہ نہیں کہ لازمی بیعت کی جائے۔ نماز روزے کی پابندی کرنے سے، استغفار کرنے سے، قرآن کریم اور درود شریف پڑھنے سے بھی فیض و برکات حاصل کئے جاسکتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ استاد کے بغیر کسی علم کو مکمل طور پر حاصل کرنا ناممکن ہے اور روحانی علوم کا ورثہ اس وقت منتقل ہوتا ہے جب کہ کسی ایسے شخص کو استاد بنایا جائے جس کے پاس روحانی علوم کا ورثہ موجود ہو۔ روحانی علوم کی منتقلی کے لئے بیعت کرنا لازمی ہے۔ ایک شخص بیعت ہو گیا، تین چار سال مرشد سے تربیت لی اور یہ سوچ کر دوسری جگہ بیعت ہو گئے کہ یہاں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ دوسری جگہ بیعت کرنے سے اس شخص کے تین چار سال ضائع ہو گئے۔ نئی جگہ بیعت ہونے سے نئے سرے سے تربیت شروع ہوئی۔ ایسا بھی ممکن ہے

www.ksars.org

کہ کچھ عرصہ یہاں تربیت لے کر کوئی اور اچھا شخص نظر آیا وہاں بیعت کر لی اور مزید اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ظاہر ہے کہ نتیجہ کیا ظاہر ہو گا۔" دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔" چنانچہ کچھ حاصل بھی نہ ہوا اور اس وقت الگ برباد ہوا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بیعت کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اگر بیعت کر لی ہے تو ایک جگہ مستقل مزاجی سے ٹھہرا جائے۔

اگر پیر و مرشد کا وصال ہو جائے تو اس صورت میں بھی بیعت دوسری جگہ نہیں کی جا سکتی۔ اتنی رعایت ہے کہ اگر مرشد کے وصال کے بعد کوئی ایسا بندہ مل جائے جس کی طرز فکر مرشد کے قریب ہو تو اس بندہ سے شاگردی اختیار کی جا سکتی ہے۔ مرشد کے وصال کے بعد بھی بیعت توڑی نہیں جا سکتی کیونکہ وصال کے بعد بھی اس کے روحانی فیض جاری رہتے ہیں۔ اگر کسی دوسری جگہ بیعت کرنے کی روحانی استاد خود اجازت دے تو اس صورت میں کوئی جواز نکالا جا سکتا ہے کہ کوئی دوسرا روحانی استاد قبول کرے۔

حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی توکلیؒ اپنی کتاب ذکر کثیر میں لکھتے ہیں کہ کامل مرد کی بیعت قلب کی بیع ہے مرد کامل کے ہاتھ پر۔ اگر کوئی بیوقوف پیر سے بدظن و منحرف ہو کر چاہے کہ میں بیعت سے آزاد ہو جاؤں یا فرض کرے کہ ہو گیا تو یہ اسکی سراسر غلطی اور نفس و شیطان کی حماقت، روح کی کمزوری و نالائقی ہے۔ شرعی مسئلہ ہے کہ بالغ کی مرضی سے بلا رضا بیع فسخ نہیں ہو سکتی۔ پیر کامل کا قبضہ مرید کے قلب پر اسی وقت ہو جاتا ہے جب کہ اس نے محبت و خوشی سے اپنا ہاتھ پیر کے ہاتھ میں بیعت کے وقت دے دیا۔ اب چھڑانا اس کے بس کا نہیں۔ پیر عدالت سے اس بیع کا قبضہ ہر وقت لینے کا مجاز ہے۔ ایک وقت ہو گا کہ بے حد ذلت و خواری اور ندامت و رسوائی کے ساتھ ان کی (نفس و شیطان کی اغواء سے) ضد و ہٹ کے ساتھ جبراً بیع فسخ کر کے دل کو ان ہی کے قبضہ میں دے دینے کا ثمرہ ان کو ملے گا اور پھر پچھتائیں گے مگر بجز حسرت و افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس کے ہاتھ پر ایک مرتبہ بیعت کر لی جائے پھر دوسرے سے بیعت کرنا اور متوجہ ہونا مرتد ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے وہ دوسرے سے بیعت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اس کی دستگیری کر سکتا ہے۔

www.ksars.org

دوسری بیعت:

بیعت کے بعد اگر مرید کا ظرف بننے سے پہلے اگر مرشد وصال فرما جائیں اور وہ سالک کی تربیت پوری نہ کر سکیں تو مرید اس ظرف کو بنانے اور تربیت پوری کرنے کے لئے کسی روحانی استاد جس کو اس نے اچھی طرح پرکھ لیا ہو کے حضور طالب ہو سکتا ہے مگر فیض صرف اسی پیر و مرشد سے حاصل ہو گا جس کے ہاتھ پر پہلی بار اس نے بیعت کی ہے۔

کامل مرشد چونکہ روحانی علوم پر پورا پورا عبور رکھتا ہے اس علم کے اصول و ضوابط اور قوانین سے پوری طرح واقف ہوتا ہے اور اس میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات سے نہ صرف واقف ہوتا ہے بلکہ ان کا سد باب بھی جانتا ہے۔ اس لئے سالک کو مختلف منزلوں سے گزار کر وہ گوہر مقصود سالک کے حوالے کر دیتا ہے جو کسی سالک کا مقصود و منشاء ہے۔ اس لئے سالکین کو چاہئے کہ وہ اپنے روحانی استاد کی تعلیمات پر بلا چوں چرا عمل کریں۔

مرشد کامل کی تلاش:

بیعت کا لفظ خود بہت معتبر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ بیچ دینا۔ کسی کے ہاتھوں اپنے آپ کو بیچنے سے قبل اور اس کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالنے سے قبل اتنا ضرور سوچ سمجھ لیا جائے کہ خود کو کس کے ہاتھ بیچا جا رہا ہے۔ اگر اللہ کے لئے خود کو بیچا جا رہا ہے تو کیا اس بندے میں اتنی سکت ہے کہ وہ اللہ تک پہنچا سکے گا۔ آیا اس بندے کا بھی اللہ سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ بیعت کرنے سے قبل ہر طرح کا اطمینان کر لینا چاہئے۔ ضروری ہے کہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ جس سے بیعت کرنا چاہتے ہوں پہلے اس کے شب و روز کا جائزہ لیا جائے۔ اس کے

www.ksars.org

معمولات کو دیکھیں،اس کے قریب ہو کر اس کے دوست احباب سے قربت حاصل کی جائے کہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ کسی غلط جگہ اپنا پاؤں تو نہیں پھنسا رہے جو بعد میں دِقّت کا باعث بنے۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی قانون کی حیثیت رکھتا ہے کہ بیعت میں جلد بازی نہیں کرنی چاہئے۔بہت سوچ سمجھ کر بیعت ہونا چاہئے۔کیونکہ یہ قانون ہے کہ بیعت ہونے کے بعد بیعت توڑی نہیں جاسکتی۔

روحانی استاد کا انتخاب کرتے وقت مرشد کامل کی ظاہری خصوصیات کا جاننا بہت ہی ضروری ہے۔ یہ بات جاننے کے لئے کہ کوئی شخص واقعی روحانیت سے وقوف رکھتا ہے یا نہیں ضروری ہے کہ آدمی اس کی صحبت میں بیٹھے اس کے شب و روز کا بغور مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اس شخص کی اللہ کی ذات سے کس حد تک وابستگی ہے۔حضور قلندر باباولیاءؒ کا فرمان ہے کہ فقیر وہ ہے جس کی صحبت میں بیٹھ کر آدمی کا ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور جتنی دیر آدمی بیٹھتا ہے اس کے اوپر سے غم،خوف،اضمحلال اور پریشانی دور رہتی ہے۔

روحانی استاد کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے جب تک دل مطمئن نہ ہو بیعت نہیں کرنی چاہئے۔مرد کامل کی پہچان کے لئے بزرگوں کے اقوال بہت اہمیت کے حامل ہیں۔اگر ان اقوال کی روشنی میں کسی استاد یا شیخ کا انتخاب کیا جائے تو پھر کسی دھوکے کا احتمال نہیں رہتا۔پیر و مرشد اور مشائخ صاحبان کی بڑی تعداد ایسی ہے جن کو خواب کی علمی حیثیت کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ آج ماورائی علوم بھی کھیل تماشا بن گئے ہیں۔ظاہری سی بات ہے کہ ایک استاد جو علم جانتا ہی نہیں وہ اپنے شاگردوں کو کیا پڑھائے گا۔

ابدال حق حضور قلندر باباولیاءؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ۵۲ فیصد لوگ روحانی ہوتے تھے۔آج چودہ سو سال کے بعد یہ تناسب اس قدر گھٹ گیا ہے کہ موجودہ دور میں ساڑھے گیارہ لاکھ آدمیوں میں سے ایک آدمی روحانی ہے۔

درج بالا بیان کی روشنی میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ انتخاب شیخ میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے ورنہ دنیا تو خراب ہو گی ہی آخرت بھی خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

www.ksars.org

حضرت بایزید بسطامیؒ سے کہا گیا کہ فلاں شخص رات ہی رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو آپؒ نے فرمایا تعجب کی بات ہے شیطان اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہو کر گھڑی بھر میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔

مزید آپؒ سے کہا گیا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے اور ہوا میں اڑتا ہے۔ فرمایا" مچھلی اور لکڑی کا ٹکڑا بھی تو تیرتا ہے اور پرندے بھی تو ہوا میں اڑتے رہتے ہیں۔"

حضرت بایزیدؒ ولی کی علامتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خدا جس شخص کو دوست رکھتا ہے اسے تین خصلتوں اور خوبیوں سے نواز دیتا ہے۔

۱) اسے دریا کی سخاوت کی طرح سخاوت عطا کرتا ہے۔

۲) اسے سورج کی شفق کی طرح شفقت بخشتا ہے۔

۳) اور اسے زمین کے تواضع کی مانند تواضع سے نوازتا ہے۔

کامل مرشد اپنے مرید یا طالب کے ہر حال، ہر فعل اور ہر قول سے واقف ہوتا ہے اور طالب کے قرب اور وصل کے خطرات اور وہم سے باخبر ہوتا ہے اور ہر بات میں اس کی نگہداشت کرتا ہے۔

وہ شیخ جس کے حوالے مرید اپنے آپ کو کر دے وہ شخص ہوتا ہے جو احوال نبی ﷺ کے قدم بقدم چلتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کامل عطا کیا ہو۔ کامل مرشد وسوسوں کو دور کرتا ہے اور رسول ﷺ کی محبت میں ترقی دیتا ہے اور درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بندہ کو ملا دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جب تم کسی انسان کی صحبت اختیار کرو تو اس کی عقل کو اس کے دین سے زیادہ پرکھو کیونکہ دین اس کے لئے ہے اور محبت تمہارے لئے اور ایسے شخص کی صحبت اختیار نہ کرو جس کی ہمت اور توجہ دنیا، نفس اور خواہشات میں لگی ہوئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

www.ksars.org

"اور اس کا کہا مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا وہ اپنی خواہشات کا پیروی کرنے والا ہو گا۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لئے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔"

آج کل بہت سے لوگ نصیحت تو کرتے ہیں مگر ارشاد و ہدایت سے خوف مطلقاً بے خبر ہوتے ہیں۔

کامل مرشد:

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر زمانے میں اولیاء اللہ میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس کو عنایت الٰہی اور فیضان قدس سے اس امر کی استعداد ملتی ہے کہ وہ روحانیت کے قیام اور اس کی اشاعت کی کوشش کرے اور لوگوں کو صفت احسان کا مظہر بننے کی دعوت دے۔ ایسے بزرگوں کی شناخت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں ان کی رفعت شان کا عام چرچا ہوتا ہے اور خلقت ان کی طرف کھنچتی چلی آتی ہے۔ عام طور پر لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں اور منکر و مخالف لوگ بھی ان کی عظمت و سچائی کے کسی نہ کسی طور قائل ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کی صحبت اور باتوں میں جذب و تاثیر کی غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے ہر طرح کی کرامت کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ محبت کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس شخص کے لئے محبت ڈال دیتا ہے اور لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

www.ksars.org

خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ غم، وہ اطمینان اور سکون کی زندگی گزارتے ہیں۔ پیر و مرشد یا مراد وہ شخصیت ہے جس کا کردار عوام الناس سے اور ان لوگوں سے جو روحانی حقیقتوں سے بے خبر ہیں ممتاز ہوتا ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ پیر اور فقیر میں فرق ہے۔ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے اندر استغناء ملے گا اس کے اندر دنیاوی لالچ نہیں ہو گا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس کا کفیل صرف اور صرف اللہ ہے۔ اللہ اس کو اطلس و کمخواب پہنا دیتا ہے وہ خوش ہو کر پہن لیتا ہے۔ اللہ اس کو کھدر پہنا دیتا ہے اس میں بھی وہ خوش رہتا ہے۔ اللہ اس کو لنگوٹی پہنا دیتا ہے وہ اس میں بھی خوش رہتا ہے۔ اللہ اس سے لنگوٹی چھین لیتا ہے وہ اس میں بھی خوش رہتا ہے اور دوسری پہچان یہ ہے کہ جب کوئی بندہ فی الواقع کسی فقیر کی صحبت میں رہتا ہے تو اس کا ذہن صرف اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ شاذ و نادر ہی اسے دنیا کے کام کا خیال آتا ہے۔

فقیر کے متعلق حضرت امام بریؒ فرماتے ہیں:

"فقیر کا سرمایہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے بے پناہ محبت اور والہانہ عشق ہے۔ عرفان کے سمندر پی جانا فقیر کی شان ہے۔ فقیر کا در ہر ایک کے لئے کھلا رہتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ امیر غریب کے فرق مراتب سے بھی فقیر بے نیاز ہوتا ہے۔ فقیری بڑا کٹھن اور نازک راستہ ہے۔ فقیر کی نظر صرف تین چیزوں پر ہوتی ہے۔ علم، فقر اور شمشیر یعنی علم برائے تبلیغ اسلام، فقر برائے خدمت خلق اور شمشیر برائے جہاد اسلام۔ فقیر کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہی دل میں بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر انسان کا دل نیک ہے تو جسم بھی پاک ورنہ اس کے تمام اعمال بیکار ہو جاتے ہیں۔"

امام ابوالقاسم عبدالکریمؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز اوروں کے لئے غیب ہے وہ کامل مرشد کے لئے ظاہر ہے اور جو معرفت کے علوم لوگ حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ان کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے موجود ہیں۔

www.ksars.org

حضرت غوث علی شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم بابری سے ہردوار جاتے ہوئے جب کنکھل کے مقام پر پہنچے تو وہاں پر دو مجذوب دیکھے۔ کسی بے رحم ظالم نے ان کی رانوں پر دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے تھے۔ ایک کی ران تو جل گئی تھی اور دوسری پر کچھ اثر نہ تھا۔ ہم نے جھٹ پٹ انگارے الگ کئے اور ان کو ڈولی میں سوار کر کے جوالاپور کے تھانہ میں لائے۔ تھانہ دار سے ہماری ملاقات تھی اس نے جلے ہوئے کی مرہم پٹی کرائی۔ یہاں حضرت نے فرمایا کہ ان دونوں میں اعلیٰ درجہ میں کون تھا۔ حاضرین میں سے ایک نے جواب دیا کہ جس کی ران نہیں جلی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں جس کی ران نہیں جلی تھی وہ ابھی جسم کی حفاظت پر قادر تھا۔ لیکن دوسرے کا استغراق اعلیٰ درجے کا تھا کہ تن بدن کا بھی ہوش باقی نہ رہا تھا۔ اگر اس کے استغراق کامل کو بزرگان اسلام سے نسبت دیں تو لوگ برا مانیں مگر انصاف تو یہ ہے کہ ایسا استغراق کروڑوں میں سے کسی ایک کو ہوتا ہے ورنہ ہر ایک سزاوار اس مقام کا نہیں۔ محبت کے رازوں کے قابل ہر ایک دل نہیں ہوتا یعنی ہر دل میں محبت کے راز نہیں سما سکتے۔ کیونکہ ہر دریا میں موتی نہیں ہوتے اور ہر کان میں سونا نہیں ہوتا۔ گویا مرد کامل اللہ کی محبت میں اس طرح گم ہوتا ہے کہ اسے اپنے جسم کی بھی خبر نہی رہتی۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گروہ کاملین تین قسموں پر منقسم ہے کامل، اکمل، مکمل۔ کامل اس کو کہتے ہیں جو خود تو صاحب کمال ہو مگر کسی کو فیض و فائدہ نہ پہنچا سکے۔ اکمل وہ ہے کہ خود بھی صاحب کمال ہو اور فیضان باطنی و ہدایت ظاہری سے اوروں کو فائدہ پہنچائے۔ یہ شخص اول سے بدرجہا بزرگ ہوتا ہے۔ مکمل اس کو کہتے ہیں کہ اوروں کو مشیت ایزدی اور تقدیر الٰہی کے موافق خواہ گھنٹہ میں خواہ مہینہ میں خواہ سال میں کامل و مکمل بنادے اور جو کرامات اور مکاشفات اپنی ذات میں رکھتا ہے مرید کو عطا فرمادے ایسا شخص مذکورہ بالا سے بھی نہایت معظم و مکرم ہوتا ہے۔ گروہ مکمل کی تعلیم و تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اول طالب کو خاندان کے موافق بیعت کر کے ذکر ارشاد فرماتے ہیں۔ خواہ اسم ذات خواہ نفی و اثبات مگر اس زمانہ کے مشائخین کی طرح سامنے بٹھا کر توجہ نہیں دیتے البتہ قلبی توجہ دیتے ہیں جہاں کہیں مرید ہو چاہے ہزار فرسنگ چاہے میل، اپنا برزخ اس کے دل میں حلول کر دیتے ہیں اس توجہ کا اثر طالب کے دل سے زائل نہیں ہوتا۔

www.ksars.org

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے دل ہدایت، خلوص، ایثار، محبت اور عشق کے چراغ ہیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ایسے دوست ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ عزیز رکھتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے دوستوں کا دشمن خدا اور رسول کا دشمن ہے۔

فرمایا رسول ﷺ نے جو شخص کہ دشمنی رکھے خدا کے کسی دوست کے ساتھ بے شک اس نے اللہ کے ساتھ لڑائی کا ارادہ کیا۔ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے ایسے برگزیدہ پوشیدہ حال بندوں کو جن کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔

ایک روز امرائے عرب میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ''ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن یہ شکستہ حال اصحاب آپ کے ہم نشین ہیں اگر ہمیں تنہائی فراہم کر دی جائے تو ہم آپ ﷺ سے دینی مسائل حاصل کر لیا کریں گے۔''

اللہ تعالیٰ دانا اور علیم و خبیر ہے۔ جیسے ہی یہ بات ان کے منہ سے نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اے محمد ﷺ! ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کریں جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کی دید کے متمنی رہتے ہیں۔ آپ پر نہیں ہے ان کے حساب سے کچھ اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ آپ ان کو دور کرنے لگیں۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ان فقراء کو تھوڑی دیر کے لئے ہٹا دیا جاتا تو عرب کے بڑے بڑے امراء مسلمان ہو جاتے لیکن اللہ کی غیرت نے اس کو پسند نہیں کیا کہ اس کے دوستوں کو کوئی حقارت سے دیکھے۔

مردان خدا خدا نباشد

لیکن ز خدا جدا نباشد

خدا کے بندے خدا نہیں ہوتے، لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔

www.ksars.org

تذکرہ اولیائے نقشبندیہ میں علامہ نور بخش توکلیؒ لکھتے ہیں:

"حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ پہلے پہل جلاد تھے۔ایک دفعہ ایک شخص کو قتل کرنے پر تین مرتبہ ناکام ہوئے تو آپؒ نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کیا کلمہ پڑھ رہے تھے کہ تلوار تم پر اثر نہیں کر رہی تھی۔اس نے جواب دیا کہ میں اپنے پیر کا نام لے رہا تھا۔پوچھا کون ہے تیرا پیر۔اس نے کہا سید امیر کلالؒ۔آپؒ نے تلوار کو وہیں پھینکا اور یہ کہہ کر ان سے بیعت کے لئے چلے گئے کہ جو تلوار کی زد سے بچا سکتا ہے وہ یقیناً جہنم کی آگ سے بھی بچا سکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ بندہ مومن کے متعلق فرماتے ہیں:

اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم

اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کارکشا کارساز

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

کامل مرشد، سالک کو اس نہج پر تربیت دیتے ہیں کہ وہ صبر و تحمل، بردباری، عجز وانکساری اور تواضع کو دل میں جگہ دے۔بقول علامہ اقبالؒ

دین ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطانی ہو

ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر

www.ksars.org

حرف اس قوم کا بے سوز عمل زار و زبوں

ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

فقیر کے لئے ضروری نہیں کہ وہ خرقہ پوشی اختیار کرے یا سر تراشیدہ ہونے کی وجہ سے فقیر کہلائے۔ فقیر کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تسبیح بدست ہو، اس کے ارد گرد ارادتمندوں کا حلقہ ہو، اس کے انداز اور احوال میں وجد ہو۔ فقیر نہ ہی خلوت پسند، نامردم بیزار اور نہ ہی حق ھو میں سست رہتا ہے۔ فقیر اپنے اوصاف، صفات، احوال اور قلندرانہ اداؤں سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کا مطلوب فقط قرب الٰہی اور اللہ کی رضا میں زندگی گزارنا ہے۔ اس کا وجود پورے جہان کے لئے باعث رحمت اور انسانیت کے پیامبر کی حیثیت رکھتا ہے۔

مراد اور مرید کا فرق:

بزرگان سلف میں سے کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ مرید کے اصل معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اسے مرید بنانا مقصود نہ ہوتا تو وہ ہر گز مرید نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس لئے جب وہ کسی کو بھی خصوصیت عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے ارادت کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ بعض دوسرے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ مرید ابتدا کرنے والا ہوتا ہے اور مراد مقصود منتہیٰ ہے۔

سالک یعنی مرید وہ ہے جو مصائب اور مشقتوں میں پھینک دیا جاتا ہے اور مراد وہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچ گیا ہو اور رنج و مشقت سے آزاد ہو چکا ہو۔ مرید کو رنج دیا جاتا ہے اور سنت الٰہی یہی ہے کہ وہ سالکین حق کو مجاہدات کی تکلیف دیتا ہے۔ پھر ان کو خود تک پہنچا دیتا ہے اور انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دلوں کی حفاظت کریں۔ حدود الٰہی کی محافظت میں مشغول ہوں۔ اس وقت تو ان لوگوں کا ظاہر مخلوق خدا کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ان کا باطن اللہ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔ ان کی زبانیں اللہ کے حکم اور ان کے دل علم خداوندی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کی زبانیں بندگان الٰہی کو

www.ksars.org

نصیحت کرنے کے لئے مخصوص ہو جاتی ہیں اور ان کے باطن الٰہی امانتوں کی حفاظت کے لئے وقف ہو جاتے ہیں۔ پس جب تک یہ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول ہیں اور اس کے حقوق اور حدود کی حفاظت پر قائم ہیں ان سب بندوں پر اللہ تعالیٰ کا سلام اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

سالک یا مرید اور مراد کے سلسلے میں حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا کہ مرید اور مراد میں کیا فرق ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

☆ مرید وہ ہے جس کی سرپرست تدبیر علمی ہوتی ہے اور مراد کی سرپرست رعایت خداوندی ہوتی ہے۔

☆ مرید تو چلتا ہے لیکن مراد اڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چلنے والا اور اڑنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ بس مرید طالب ہے اور مراد مطلوب ہے۔

☆ مرید کی عبادت مجاہدہ ہے اور مراد کی عبادت بخشش اور موہبت ہے۔

☆ مرید موجود ہے اور مراد فانی بالحق ہے۔

☆ مرید جزا کے لئے عمل کرتا ہے لیکن مراد عمل کی طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ توفیق اور احسان خداوندی کی طرف اس کی نظر ہوتی ہے۔

☆ مرید سلوک کی منزل طے کرتا ہے اور مراد سلوک کے تمام راستوں کے مقام اتصال پر کھڑا ہے۔

☆ مرید تو نظر خداوندی کے نور سے دیکھتا ہے اور مراد خود اللہ کے ذریعے دیکھتا ہے۔

☆ مرید اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے اور مراد اپنے ارادے اور خواہش نفس سے بیزار ہوتا ہے یعنی اس کے اندر اپنا ارادہ اور اپنی خواہش جنم نہیں لیتی۔

www.ksars.org

☆ مرید تقرب حاصل کرتا ہے اور مراد کو تقرب دیا جاتا ہے۔

☆ مرید کو پرہیز کروایا جاتا ہے اور مراد کی رہنمائی کی جاتی ہے اسے ناز و نعم سے نوازا جاتا ہے اور کھلایا جاتا ہے۔

☆ مرید محفوظ ہوتا ہے اور مراد کے ذریعے دوسروں کی حفاظت کروائی جاتی ہے۔ مرید حالت صعود میں ہوتا ہے اور مراد اپنے اس رب تک پہنچ چکا ہوتا ہے، جس کے پاس ہر عمدہ اور نفیس نعمت موجود ہے، اسی لئے مراد ہر عابد متقرب، پرہیز گار اور نیکوکار سے بڑھ جاتا ہے۔

ایک دفعہ ایک چیونٹی نے خانہ کعبہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ سفر کا سلسلہ شروع ہوا۔ تھکا دینے والے سفر میں اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ راستے میں اس کی ملاقات اپنے ایک پرانے دوست کبوتر سے ہوئی۔ کبوتر نے پوچھا کہ بی چیونٹی کہاں کا ارادہ ہے؟ چیونٹی نے اپنے سفر کا مقصد بیان کیا۔ کبوتر اس ننھی سی جان کی بات سن کر بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا کہ کیا تو جانتی ہے کہ راستے میں دریا، سمندر، ندی، نالے، اونچی پہاریاں اور گہری کھائیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ان ریگستانوں میں ایسے ایسے طوفان ہر وقت چلتے ہیں جس میں کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکتا۔ چیونٹی بولی کہ بھئی کبوتر اب تو چاہے جان چلی جائے لیکن میں اپنا مقصد پورا کر کے چھوڑوں گی۔ کبوتر نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں تیرا مسئلہ حل کر سکتا ہوں۔ چیونٹی نے پوچھا وہ کیسے؟ کبوتر بولا کہ آ تو میرے قدموں سے چمٹ جا میں تیرا سالوں کا فاصلہ دنوں میں بغیر کسی مشکل کے طے کرا دوں گا۔ چیونٹی اس کے پاؤں سے لپٹ گئی۔ کبوتر اڑا اور دنوں میں چیونٹی کو خانہ کعبہ پہنچا دیا۔ چیونٹی کو اس کی منزل مل گئی۔ مولانا رومؒ مرید کو یا سالک کو چیونٹی سے اور کبوتر کو مرشد یا روحانی استاد سے تشبیہہ دیتے ہیں کہ مرشد یا روحانی استاد کس طرح خود تکلیف برداشت کر کے مرید کو اس کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ اس کے برعکس مرید خود اکیلا بالکل اس چیونٹی کی طرح ہے جو کہ اکیلی منزل پر نہیں پہنچ سکتی۔

جب مرید خود کو مرشد کے حوالے کر دیتا ہے تو مرشد مرید کو اس کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

www.ksars.org

www.ksars.org

باب سوئم

مرید کا اعتقاد:

مرید کو اپنے شیخ سے کم سے کم جو اعتقاد رکھنا چاہئے جو کہ بہت ضروری ہے اور جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ مرشد یا شیخ کے ہر کام کو مرید من جانب اللہ سمجھے۔ مرید کو ہمیشہ سمجھنا چاہئے کہ مرشد کے قدم سے بڑھ کر کوئی قدم نہیں ہے۔ جب تک مرشد حیات ہیں مرید کو جاننا چاہئے کہ اس کے مرشد سے بڑھ کر کوئی شخص دنیا میں نہیں ہے اور اگر کسی طرح مرید کے دماغ میں یہ بات آجائے کہ اس کے مرشد سے بھی اچھا کوئی شخص موجود ہے تو اس کی توجہ اور اعتقاد ختم ہو جائے گا۔ مثلاً مرشد کے مرشد ہیں تو مرید کو اتنا ضرور سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ اس کو اپنے مرشد سے ملے گا دادا مرشد سے نہیں ملے گا کیونکہ وہ دادا مرشد تک اپنے مرشد کے ذریعے ہی پہنچ سکتا ہے اور اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو منزل تک نہیں پہنچے گا۔ اپنے مرشد کی طرف متوجہ رہنے سے مرشد کے مرشد بھی اس پر شفقت اور لطف و کرم کی نظر رکھیں گے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ مرید صادق ہے، اعتقاد کی گرہ جو اس نے اپنے مرشد سے باندھی ہے وہ بہت مستحکم ہے۔ ایسا کرنے میں ذلت و خواری کا گمان نہیں ہے۔ مرید کو چاہئے کہ ہر روز اور ہر گھڑی مرشد سے قربت کی دعا کرتا رہے۔ اگر مرشد کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کی روح پر کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا اور اس کے نام پر خیرات کرنا اور تمام وقت اور ہر گھڑی اسے یاد کرتے رہنا چاہئے۔

مرید کے لئے مرشد دودھ پلانے والی ماں کی طرح ہوا ہے اور مرید شیر خوار بچے کی طرح دودھ پینے والا بچہ۔ اگر ایام رضاعت میں دودھ پلانے والی ماں سے علیحدہ ہو جائے تو ہلاکت کا ڈر ہے۔ جب بچے ایام فطام میں یعنی دودھ چھوڑنے کی منزل میں پہنچتے ہیں تو اس وقت بھی اگر ان کی نگہداشت چھوڑ دی جائے تو وہ تباہ ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ اس دور میں داخل ہوتے ہیں جب کہ وہ خود سے اٹھ بیٹھ سکتے ہیں اور موذی اور مہلک کیڑے مکوڑوں سے اپنے آپ

www.ksars.org

کو دور رکھ سکتے ہیں اور اس وقت بھی ان کو تربیت اور نگہداشت کی سخت حاجت رہتی ہے ورنہ وہ خراب ہو جائیں گے اور ان کی مکمل طور پر تربیت نہ ہو سکے گی۔ اس کے بعد ان کو ہنر سکھانے کا دور آتا ہے۔ اس میں بھی ان کو تربیت کی حاجت رہتی ہے۔ بالغ ہونے کے بعد ان کی دیوانگی اور مستی کا دور شروع ہوتا ہے اس میں احتمال رہتا ہے کہ وہ خواہشات اور ہواؤ ہوس کے دریا میں ایسا ڈوبیں جہاں سے ان کا نکلنا دشوار ہو جائے۔ اس وقت ان کو اس ہلاکت سے نکالنے والا کوئی عالم، حکیم اور دانشمند ہی ہو سکتا ہے اس کے بعد اس پر شباب کا دور آتا ہے جس میں وہ خود سحر ہو جاتا ہے۔ اس دور میں نہ تو اس کو دنیا کا تجربہ ہوتا ہے نہ اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے، نہ حادثات سے اس کو پہلے واسطہ پڑا ہوتا ہے۔ ایام جوانی سے بڑھاپے تک کی ایک عمر ہوتی ہے اور بڑھاپے کے بعد ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ تجربہ کار آدمی ہر چیز کو جانتا اور سمجھتا بوجھتا ہے اور اچھے برے کی تمیز رکھتا ہے اور ہر کام کا موقع محل جانتا ہے۔

عرض یہ ہے کہ مرید اس راہ میں دودھ پینے والے بچے کی طرح ہے اگر مرشد یعنی ماں سے جدا ہو جائے تو تباہ ہو جائے گا اور اس سے کچھ نہ ہو پائے گا مرید پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ مرید کو غیب سے کچھ ظاہر ہونے لگتا ہے جیسے نور و نار کی تجلی، کوئی صورت دیکھنا یا آواز سننا یا کوئی خواب دیکھنا۔ اس دور میں بھی رشد و ہدایت کا نزول ہوتا ہے۔ کبھی خواب یا بیداری میں تنبیہ ہوتی ہے۔

مرید کے ایام بلوغ کا دور وہ ہوتا ہے جس میں اس پر کشف اور تجلی ہونے لگتی ہے۔ بعض اوقات اگر مرید کی طرز فکر مستحکم نہ ہو تو یہی تجلیات اور کشوفات اس کو غلط راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ اس وقت اس پر مزید شہود و غیب کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں بے شمار عارفین اس کیچڑ میں ڈوب چکے ہیں جہاں سے وہ سر بھی نہیں نکال سکے۔

مرید کے لئے ایام شباب کا دور وہ ہوتا ہے جس میں وہ تجربات سے آشنا ہو جاتا ہے۔ حقائق اور معارف کو صحیح طور پر پہچاننے لگتا ہے۔ اس وقت مرشد کی تربیت اس بات کو اس کے ذہن میں آنے سے روکتی ہے کہ وہ سب سے لائق فائق ہے اور ہر چیز سے واقف ہے۔ واقعتہً بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو کہ اس سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔

www.ksars.org

مرشد چونکہ پختہ ہوتا ہے بہت سے انقلابات اس کی نظر اور تجربہ سے گزر چکے ہوتے ہیں لہٰذا مرشد کی صحبت مرید کو بہت سی کمین گاہوں اور مکر وفریب سے نجات دلاتی ہے۔

بیعت کے بعد بعض مرید شریعت کو راہ سلوک سے مختلف سمجھنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ حقیقت اور طریقت شریعت کے خلاف اور ضد نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کے خلاصہ اور روح ہیں جیسا کہ اخروٹ، کہ اس کا مغز اور چھلکا صورت اور ہیئت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن مغز کا جز چھلکے کے حصے میں موجود ہے اور اس سے روغن نکالا جاتا ہے۔اس طرح یہ تینوں باہم ملے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاصہ ہیں۔

مرید کو مرشد جو کہے وہ کرے جو مرشد کرے وہ مرید کو بلا اجازت نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مرشد جو سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے جو کرتا ہے، خدا کے حکم سے کرتا ہے۔

مرید اگر پیر کو مقہور باری تعالیٰ دیکھے تو اس کو بدگمان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ دوستوں کے درمیان اکثر رنجش ہو جاتی ہے۔ایسا بارہا ہوتا ہے کہ ایک دوست اپنے دوسرے دوست سے رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ برا بھلا کہتا ہے، بیزاری کا اظہار کرتا ہے لیکن دل میں اس دوست کی ایسی محبت ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔

مرشد کریم کی صحبت:

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ خلوت اختیار کرنا طریقت کا ایک جزو ہے، یہ اولیاء اللہ سے ہی سیکھی جاتی ہے۔کسی کی خلوت میں فضیلت نہیں۔اغیار سے خلوت مفید اور مرشد کے ساتھ صحبت مفید ہے۔ شیخ کی صحبت نور افزا ہے اس سے خلوت کرنا اچھا نہیں۔ صحبت میں بڑی تاثیر ہے۔بیج جب مٹی اور پانی کی صحبت اختیار کرتا ہے تو انگور بن کر ابھرتا ہے۔دانا مٹی میں مل کر اپنا رنگ و بو جب تک ختم نہیں کرتا اس وقت تک وہ درخت نہیں بن سکتا۔جب اس کی اپنی صورت ختم ہوتی ہے تو اس کے باطن کا جلوہ نمودار ہوتا ہے۔اپنی ہستی کو کھو دینے سے ہی سالک کو ایک نئی زندگی کا آغاز نصیب ہوتا ہے اس کے لئے صحبت ضروری ہے۔ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے عقل دگنی ہو جاتی ہے۔اولیاء کرام کی

www.ksars.org

صحبت میں سالک اس طرح اللہ سے وابستہ ہو جاتا ہے کہ وہاں دوئی نہیں رہتی، فنائے کامل حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان عبادت کے اعتبار سے اگر ندی ہے تو مرشد کی صحبت میں دریا سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ ایک مرتبہ دریائے دجلہ عبور کر رہی تھیں۔ جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو اسے سخت طوفان نے گھیر لیا۔ آپ نے دیکھا کہ مسافروں کی چیخ و پکار میں ایک بوڑھا شخص کشتی کے ایک طرف نہایت اطمینان سے بیٹھا ہے۔ آپؒ نے ان بزرگ سے پوچھا کہ کیا آپ کو طوفان کے آنے کا علم نہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ''میرا اللہ ہم سب کو دیکھ رہا ہے۔ اگر اس کی مرضی کشتی کو ڈبونے کی ہے تو میں کون ہوں جو اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکوں۔'' حضرت رابعہ بصریؒ نے ان بزرگ سے کشتی کی سلامتی کے لئے دعا کی درخواست کی تو اس شخص نے اپنی چادر طوفان کی سمت کر دی اور تھوڑی ہی دیر میں طوفان تھم گیا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے ان بزرگ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو کوئی انہونی بات نہیں یہ تم بھی کر سکتی ہو۔ جب آپؒ نے مزید دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''ہم نے اپنے ارادے اور مرضی کو اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ پس اس نے اپنی مرضی کو ہماری مرضی کے لئے ترک کر دیا۔''

ایسے سبق کتابوں سے نہیں بلکہ بزرگوں کی صحبتوں سے ہی سیکھے جاتے ہیں۔ اس لئے شیخ کے ساتھ مضبوط ربط کی ضرورت ہے۔

فقیر کی صحبت بہت ضروری ہے اس سے فقیر کی طرز فکر بندے کو منتقل ہوتی ہے۔ مرشد کی صحبت میں شب و روز گزارنے سے مرید کی خوب اصلاح ہوتی ہے اور مرشد کے علوم اسے منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ روحانیت میں تعلیم کا طریقہ بتدریج ہے۔ جس طرح لوہار لوہے کو گرم کر کے چوٹ لگاتا ہے یا سنار آہستہ آہستہ کوٹ پیٹ کر سونے کو درست کرتا ہے اسی طرح مرشد مرید کو آہستہ آہستہ شعور پر ضربات لگا کر لاشعور کی طرف لے جاتا ہے۔

حضرت غوث علی شاہؒ صاحب اپنی کتاب تذکرہ غوثیہ میں فرماتے ہیں کہ راجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں کشمیر کے اندر ایک مجذوب تھے۔ کباب دہی نہایت رغبت سے کھایا کرتے تھے۔ ایک شخص ان کے واسطے کباب دہی

www.ksars.org

لایا۔انہوں نے کھایااور کہنے لگے کہ کیاخوب کباب اور کیاخوب دہی ہے۔یہی کہتے کہتے دہی لانے والے کا قلب مثل آئینہ ہو گیا کہ سات سو کوس کا حال اس کو نظر آنے لگا پھر وہ شخص مرغزار کشمیر میں جا بیٹھا۔بیس برس تک یہی کیفیت رہی مگر ایک دن مثل شمع گل ہو گئی اور جیسا تھا ویسا ہی رہ گیا اس کے غم والم میں وہ شخص جابجا پھرتا رہا۔سبحان اللہ کے پاس بھی آیا تھا۔انہوں نے سن کر فرمایا کہ بھائی یہ بات تو ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں تم سلیمان شاہ صاحب کی خدمت میں جاؤ۔اس زمانے کے مشہور و معروف بزرگ ہیں غرض ان کے پاس گیا۔انہوں نے فرمایا کہ میاں جو بات تو بیان کرتا ہے خود ہم پر بھی نہیں گزری، بھلا ہم کیا تعلیم کریں۔ہمارا طریقہ تو یہ ذکر و اوراد کا ہے۔وہ شخص شاہ صاحب کا مرید ہو گیا۔ایک بار ہم سے بھی ملاقات ہوئی کہنے لگا کہ سلیمان شاہ صاحب کا میں مرید ہو گیا ہوں لیکن جو بات پہلے تھی وہ اب خواب میں بھی نہیں اور وہ مجذوب پھر کہیں نہ ملے۔شاید ان کا انتقال ہو گیا۔کسی مرید نے عرض کیا کہ حضرت بیس سال کے بعد یہ بات جاتی کیوں رہی جناب و قبلہ نے فرمایا کہ بغیر جد وجہد اس کو مل گئی تھی اگر چند روز ان بزرگ کی خدمت میں رہتا تو قیام و ثبات اسی حالت کو یہ ہو جاتا اور وہ شخص کامل اور مکمل تھا جس کی ایک نظر میں یہ بات پیدا ہو گئی تھی لیکن یہ اپنے خیال میں کامل ہو گیا تھا کہ خدمت میں رہنا اختیار نہ کیا اور وہ بات قائم نہ رہی چراغ کے گل ہوتے ہی اندھیرا ہو گیا۔

اس واقعہ میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ایک یہ کہ فقیروں کی خدمت کرنا چاہئے۔اس سے اللہ بھی خوش ہوتے ہیں۔

دوسرا اس واقعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس مجذوب نے خوش ہو کر خدمت گزار کو انعام دیا اور اس میں صلاحیتیں بیدار ہو گئیں مگر وہ ان کی صحبت میں نہیں رہا اور مجذوب کے پردہ فرمانے کے بعد اس کی صلاحیتیں جاتی رہیں۔

صحبت مرشد بہت لازمی ہے اس کے بغیر مرید میں اگر کوئی وصف پیدا ہو جائے تو وہ عارضی ہوتا ہے۔ہاں اگر مرشد کی صحبت میں رہا جائے تو آہستہ آہستہ اس کے اندر مرشد کے اوصاف منتقل ہوتے رہتے ہیں اور اس کو مرشد کی پوری طرز فکر منتقل ہو جاتی ہے اور پھر وہ چیز عارضی نہیں ہوتی۔

www.ksars.org

آداب شیخ:

ادبو النفس ایها الاصحاب

طرق العشق کلها آداب

(اے دوستو! اپنے آپ کو آداب سکھاؤ اس لئے کہ عشق کے سب طریقے ادب ہی ادب ہیں۔)

حضرت علیؓ کا فرمان ہے:

"ہر شئے کی کوئی قیمت ہوتی ہے، انسان کی قیمت اس کا علم وادب ہے۔"

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے:

"پہلے ادب سیکھو پھر علم سیکھو۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فرمان ہے:

"بے ادب خالق و مخلوق دونوں کا معتوب اور مغیوب ہوتا ہے۔"

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:

"تارک ادب اخلاق محمدی ﷺ سے بہت دور ہوتا ہے۔"

فقیہہ ابواللیث سمرقندیؒ نے فرمایا:

www.ksars.org

"اسلام کے ۵ قلعے ہیں۔ پہلا یقین، دوسرا اخلاص، تیسرا فرائض، چوتھا تکمیل سنن، پانچواں حفظ ادب۔ جب تک انسان آداب کی حفاظت و نگرانی کرتا رہتا ہے شیطان اس سے مایوس رہتا ہے اور جب یہ آداب چھوڑنے لگتا ہے تو شیطان سنتیں چھڑوانے کی فکر میں لگ جاتا ہے حتیٰ کہ پھر فرائض، اخلاص اور یقین تک نوبت جا پہنچتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ اور ان کو ادب سکھاؤ۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"اچھے آداب ایمان کا حصہ ہیں۔"

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

"مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا پس جان لو کہ دین اور دنیا کے تمام امور حسن ادب سے ہی متعلق ہیں۔"

دنیا کے تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ تمام معاملات میں حسن آداب ایک پسندیدہ امر ہے۔ لوگوں میں مروت کی حفاظت دین میں سنت کے تحفظ اور دنیا میں حرمت و عزت کی حفاظت کا نام ادب ہے اور یہ تینوں امور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ روزمرہ کے معاملات میں اب کی حفاظت دل میں مطلوب کی تعظیم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ادب کو ترک کرنے والا کسی طرح بھی ولی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آداب کی موجودگی میں ہی محبت ہوتی ہے اور حسن ادب دوستوں کی صفت ہے۔

www.ksars.org

تمام صوفیائے کرام اس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ جب تک طالب کے دل میں اپنے شیخ کے لئے مناسب ادب کے جذبات موجود نہ ہوں اس وقت تک عبادات و مجاہدات اپنا پورا اثر نہیں دکھاتے۔ اولیاء کرام کے نزدیک تصوف سارے کا سارا ادب ہی ہے۔ یہ اس لئے کہ تصوف کا مدار عشق پر ہے اور عشق میں اول تا آخر ادب کی ضرورت ہے۔ اگر عشق ادب نہ سکھائے تو وہ عشق نہیں۔ صاحب ہوش کے لئے ادب کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں ادب کے متعلق فرمایا ہے:

"بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب نہ صرف اپنی روحانی دنیا کو خراب کرتا ہے بلکہ پورے عالم میں فساد کی آگ لگا دیتا ہے۔"

عبادت سے آدمی جنت تک پہنچ جاتا ہے مگر اطاعت الٰہی میں ادب بجالانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جو شخص بادشاہ کی محفل میں بے ادب بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروادے گی۔ جو لوگ ہلاکت میں گرفتار ہیں ادب کے مارے ہوئے ہیں۔ زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ خدمت کے دائرے میں رہ کر ادب خدمت سے بھی بالاتر ہے بلکہ صوفیاء کرام کے نزدیک عبادت سے بھی بالاتر ہے کیونکہ عبادت رد ہو سکتی ہے مگر خدمت اور ادب ضائع نہیں ہوتے۔

جو سالک اپنے نفس کو بے ادبی پر قائم رہنے دیتا ہے اور اس کی مخالفت نہیں کرتا تو اس کا نفس مطلق العنان اور سرکش بن جاتا ہے۔ جس سالک کے ظاہر میں ادب نہیں وہ باطنی حسن ادب سے بھی محروم ہوتا ہے۔

ادب و احترام کا مطلب یہ ہے کہ استاد کی تعظیم کی جائے۔ احترام یہ ہے کہ اگر استاد نے رات دو بجے تہجد ادا کرنے کو کہا ہے تو اب شاگرد پر لازم ہے کہ وہ نفل ادا کرے۔ نفل ادا نہ کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ پیر و مرشد کا احترام یہ ہے کہ پیر و مرشد کی ہدایت پر عمل کیا جائے اور جو اسباق دیئے جائیں ان پر عمل کیا جائے۔ مرشد پر مرید کا یہ حق ہے کہ مرید کی کوشش کے مطابق اس کو علم منتقل کرتا رہے جب تک مرید مرشد کا حق ادا نہیں کرتا مرشد بھی مرید کا حق ادا نہیں کرتا۔

www.ksars.org

اگر طالب کو شیخ کی خدمت کا موقع ملے تو دل و جان سے بجالائے اور شکر کرے کہ شیخ ہی کی عنایت سے اس خدمت کی مجھے توفیق ہوئی۔ ہر وقت شیخ کے لئے دراز عمری اور قرب خداوندی کی دعا کرے اگرچہ اس کی دعا سے کیا ہوتا ہے مگر اس بات میں اس کے خلوص و محبت کا اظہار ہے کہ جو کچھ اس سے ہو سکتا ہے کرتا ہے۔

اگر مرید کسی مقام پر پہنچ جائے مثلاً ابدال ہی ہو جائے تو بھی ان کی خدمت میں پہلے ہی کی طرح آئے طالب ہمیشہ طالب ہی رہتا ہے۔ جب تک مرید شیخ کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو گا شیخ کے انوارات سے پوری طرح فیض یاب نہ ہو گا۔

مرید کو اگر شیخ کی اپنے مال سے خدمت کرنے کا موقع ملے تو اپنے لئے خوش قسمتی سمجھے اور سمجھے کہ پیر جس طرح دین کے معاملات میں اس کا محتاج نہیں دنیا کے معاملات میں بھی اس کا محتاج نہیں ہے۔ مرید کی خوشحالی دراصل شیخ ہی کی بخشش ہے۔

بعض مرید تسخیر جنات یا ایسے ہی دوسرے مشاغل میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان جھگڑوں سے باز آئیں کیونکہ یہ سب دنیاوی کھیل تماشے ہیں اور روحانیت کا منشاء کوئی اور ہے۔ شیخ جو کچھ حکم دے مرید پر لازم ہے کہ اسے فوراً بجالائے اگر وہ نہ کر سکتا ہو پھر بھی اس کی کوشش ضرور کرے۔ مثلاً شیخ اگر کہیں کہ اونٹ کے پیر باندھ کر چھت پر لے آؤ تو مرید حکم کو بجال لانے کی کوشش کرے۔

کامل مرشد قرب حق کی طرف بلاتا اور غیر حق سے بچاتا ہے مرشد عارف ہوتا ہے اور عارف کا نفس بھی عارف ہوتا ہے۔ شیخ کے تمام خلفاء کو بھی ایک نعمت تصور کرنا چاہئے کہ جس طرح دریا سے مختلف نہریں نکلتی ہیں۔ شیخ جو کہے وہ کرنا چاہئے اور شیخ جو کرے اسے ہر گز نہیں کرنا چاہئے۔ جب تک کہ خود شیخ اس کی اجازت نہ دے دے۔ اس لئے کہ جو سکت شیخ رکھتا ہے وہ طالب نہیں رکھتا اور جو شیخ جانتا ہے وہ طالب نہیں جانتا۔ شیخ کی طرف خیال کرو کہ وہ جو کچھ کرتا ہے بحکم الٰہی کرتا ہے۔

www.ksars.org

شیخ جو بات کرے اسے محال خال نہ کرے اگر شیخ کوئی بات بیان نہ کریں تو اس کی ہر گز تحقیق نہیں کرنی چاہئے یہاں تک کہ اگر دن میں شیخ کہہ دیں کہ رات ہے تو مرید کو اس چیز کا یقین ہونا چاہئے کہ دن نہیں بلکہ رات ہے۔اگر شیخ پر کامل یقین ہو تو مرید دن کو بھی رات دیکھتا ہے اور اسے عین الیقین ہو جاتا ہے۔

مرید جو خواب دیکھے شیخ کے سامنے عرض کرے۔ شیخ سے خاص اسرار معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور نہ ہی شیخ کا راز کسی سے بیان کرنا چاہئے۔اگرچہ خواب میں انبیاء واولیاء کی زیارت کرے مگر مرشد کی زیارت سب سے بہتر جانے اور عقیدہ جانے کہ تمام اولیاء حق پر ہیں مگر میرے مرشد کا راستہ سب سے نزدیک ہے اور میرے لئے صرف میرے مرشد ہی ہیں۔ کسی بھی دوسرے سلسلے کے مقابلے میں اپنے سلسلے کو برتر ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے اور نہ ہی کسی کو برا جانے اس لئے کہ تمام سلاسل اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، منزل سب کی ایک ہے مگر راستے مختلف ہیں۔

قیامت کے روز مرید چاہے کسی بھی مرتبے کا ہو مرشد کے پیچھے کھڑا کیا جائے گا۔

مرید جب قدم بہ قدم چل کر مرشد سے فیض یاب ہوتا ہے اور کچھ حاصل کرتا ہے تو بعض اوقات وہ مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے بعض اوقات تو بعض لوگ اپنے آپ کو شیخ سے بھی افضل جاننا شروع کر دیتے ہیں۔ ہزاروں عارفین اس جگہ آکر رک گئے اور خواہش نفس میں مبتلا ہو کر اپنا راستہ کھوٹا کر بیٹھے ایسے لوگ بدبخت ہوتے ہیں جو مرشد کی فرمانبرداری اور صحبت چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلنے لگیں۔ لہٰذا طالب علم کو چاہئے کہ ہمیشہ طالب ہی رہے استاد بننے کی کوشش نہ کرے اور جس مقام پر بھی پہنچے شیخ کی محبت ترک نہ کرے۔ جس مرید کے دل میں کسی مقام و مرتبہ کا خیال آتا ہے وہ اپنے آپ کو کامل سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اب پیر و مرید نہیں رہے۔ ایسا شخص کسی اور طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنے مقصد سے ہٹ جاتا ہے۔

www.ksars.org

مرید پر لازم ہے کہ اگر وہ ارشاد و تلقین کی طاقت رکھتا ہو تب بھی مرشد کے سامنے اس کام سے باز رہے جب تک کہ وہ حکم نہ دیں اور جب مرشد حکم دیں اپنے علم کے مطابق تعلیم کرے اور اس کو بھی مرشد کی جانب سے تصور کرے۔

مرید پر لازم ہے کہ ارادت کے بعد اپنے تمام مسائل اور تمام مطالبے اپنے مرشد سے طلب کرے کیونکہ اولیاء کرام کا ارشاد ہے کہ اپنے مرشد کو چھوڑ کر دوسرے سے طلب کرنا مرتد ہونا ہے۔ اگر وہ کسی اور کے پاس جائے گا تو وہ اس کی دست گیری نہیں کرے گا لہٰذا مفت میں اپنی راہ کھوٹی نہیں کرنی چاہئے۔ طالب شیخ سے کسی ایسی بات کی فرمائش نہ کرے جس کی سلوک میں ضرورت نہ ہو اور نہ ہی اس بات کا منتظر رہے کہ مرشد سے کوئی کرامت ظہور میں آئے گی۔ مرید کے لئے ضروری ہے کہ جتنی دیر وہ شیخ کے پاس رہے باوضو رہے۔

قشیریؒ اپنے شیخ ابو علی دقاقؒ کا بیان نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب کبھی وہ اپنے شیخ نصر آبادیؒ کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے پھر ان کی محفل میں جاتے۔ مگر قشیریؒ اپنے شیخ سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی میں اپنے شیخ کی مجلس میں جاتا تو اس روز روزہ رکھتا پھر غسل کرتا تب ابو علی دقاقؒ کی مجلس میں جاتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مدرسہ کے دروازے تک پہنچ گیا مگر شرم و حیا کے مارے دروازے سے ہی لوٹ آتا اور کبھی ہمت کر کے دروازے کے اندر داخل ہو جاتا اور مدرسہ کے وسط تک پہنچ چکا ہوتا کہ تمام بدن میں سنسنی دوڑ جاتی ایسی حالت میں اگر مجھے کوئی سوئی بھی چبھو دی جاتی تو شاید میں اسے محسوس نہ کرتا۔

ایک روز سائیں عبدالکریم عرف مغلی شاہ، سائیں توکل شاہ انبالویؒ کی خدمت مبارک میں حجرہ کے اندر تھے۔ آپ کو ان سے بہت محبت تھی۔ بعض وقت فرط محبت سے سینہ مبارک پر ڈال لیا کرتے تھے۔ اس وقت فرمانے لگے کہ مغلی شاہ تیرے نزدیک ہم کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور اور تو مجھے کچھ خبر نہیں اتنا جانتا ہوں کہ زندوں میں تو حضور جیسا کوئی نہیں قبروں میں ہو تو مجھے خبر نہیں۔ حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا مغلی شاہ تو آج بچ گیا۔ آداب

www.ksars.org

بزرگان کا تو نے اچھا لحاظ رکھا۔ اگر تو اس وقت کہہ دیتا کہ آپ جیسا کوئی نہیں اور نہ ہوا ہے تو مرتبے سے گر جاتا یہ تو نے خوب ہی جواب دیا اور نہایت خوش ہوئے۔

ایک درویش تھے ان کا معمول تھا کہ مکان کا بیرونی دروازہ بند رکھتے اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ ایک مرید ان سے بہت ہی محبت رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ مزدوری کرتا اور اس کے پیسوں سے اپنے ان پیر کی ضروریات بہم پہنچاتا اور اپنا بھی گزارہ کرتا رہتا۔ ایک عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ایک روز مرشد نے اپنے کپڑے دھونے کا حکم دیا تو اس نے دل میں سوچا کہ اگر کپڑے دھوؤں تو نہ صابن کے لئے پاس پیسے ہیں اور نہ آج مزدوری ہو سکے گی۔ بڑی دیر تک سوچتا رہا اور پیر سے عرض کی کہ حضور دعا کریں اور کچھ نہیں تو صابن کے واسطے تو اللہ تعالیٰ پیسے دے دیا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم اپنے واسطے تو بالکل دعا نہیں کرتے ہاں تیرے واسطے دعا کرتے ہیں تجھ کو اللہ تعالیٰ اس قدر دنیا دے گا کہ ہم جیسے تیرے دروازے پر دھکے کھاویں گے۔ خیر وہ مرید گیا دن بھر مزدوری کر کے پیسے لئے اور کپڑے دھو کر دیئے وہ بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح کچھ مدت پیشوا کی خدمت کر کے خوشنودی حاصل کرتا رہا۔ کرتے کرتے رحمت الٰہی ربوبیت کے ساتھ متوجہ ہوئی اور تکمیل نسبت ہو گئی۔ آخر پیشوا نے فرمایا کہ جاؤ تم لوگوں کو ہدایت کیا کرو اب ہماری خدمت کوئی اور کر لیا کرے گا۔ چنانچہ وہ مرید ہدایت کرنے لگا۔ خوب ہدایت پھیلائی اور ساتھ ہی پیر کی خدمت بھی کرتا رہا۔ ایک روز مرید چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے بادشاہ آ گیا اور اس کو دیکھتے ہی معتقد ہوا اور بیعت ہو گیا اور اپنے اس پیر کے واسطے لنگر خانے اور مکانات وغیرہ بنوا دیئے۔ جاگیر دے دی اور دروازے پر شاہی اردلی متعین کر دیئے تاکہ بلا اجازت کوئی اندر نہ آوے۔ کچھ عرصے بعد ان مرشد صاحب کو بھی خیال ہوا کہ چلو اپنے خلیفہ کو دیکھیں۔ وہ آئے اور اپنے مرید کا گھر سمجھ کر بے دھڑک دروازے کے اندر داخل ہو گئے۔ اردلی نے جو دیکھا تو ان کو دھکا دے کر نکال دی اور کہا کہ بڈھے تو بلا اجازت کیوں اندر چلا آتا ہے اور بھی بہت سست کہا وہ بزرگ باہر گر پڑے۔ ادھر وہ مرید مراقبے میں بیٹھا تھا اس کو مرشد کا فیضان محسوس ہوا۔ معلوم ہوا کہ پیر آ گئے۔ وہ باہر نکلا تو پیر کو زمین پر گرے ہوئے پایا۔ دیکھ کر بے تحاشا ان کے قدموں میں گر پڑا اور قدم چومے ان کو اٹھا کر بڑی قدر و عزت کے ساتھ اندر لایا اور معذرت کرنے لگا کہ حضور میرا یہ تمام گھر باور یہ سب کارخانہ حضور کا ہے۔ آپ ہی اسے سنبھال لیں۔ میرا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مرشد صاحب نے فرمایا گھبرا نہیں تسلی رکھ ہم

www.ksars.org

تجھ سے ناراض نہیں۔ مرید نے عرض کیا کہ حضور میرا جی چاہتا ہے کہ اس اردلی کو موقوف کر دوں اور سزا دوں، اس نے حضور کو ناحق دھکا دیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا کیا قصور ہے بلکہ اس کو انعام دینا چاہئے کیونکہ ہماری دعا قبول ہوئی اور اس طریقہ سے اس دعا کا ظہور ہوا ہے۔

وہ فقیر قطب وقت تھے اور مرید کو جو کچھ ملا ان کی رضا سے ملا۔ جب تک پیشوا خدمت کراتا رہا خدمت کی پھر جب ہدایت کرنے کا حکم دیا تو ہدایت میں مشغول ہو گیا۔ چونکہ وہ پیشوا کی اطاعت و رضا میں ثابت قدم رہا اس لئے اس کے سب کام درست ہو گئے۔

ایک شخص نے عہد کیا تھا کہ میں اس شخص کا مرید ہوں گا جو وضو کے واسطے پانی کو لوٹا اپنے گھر سے لاتا ہو گا اور جس کے لوٹے کی ٹوٹنی کا منہ وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف ہو گا۔ ایسے شخص کو ڈھونڈتا ہوا وہ بغداد شریف جا پہنچا۔ وہاں ایک جولاہا تھا، لوگ اس کو مسجد کو لوٹا نہ دیتے تھے۔ وہ اپنا لوٹا گھر سے ہی ساتھ لاتا تھا اور اتفاق سے ٹوٹنی کا منہ بھی قبلے کی طرف تھا۔ اس شخص نے اپنے اسی عہد کی وجہ سے اس سے مرید ہونے کو کہا۔ ہر چند اس جولاہے نے انکار کیا مگر اس شخص نے ایک نہ مانی۔ آخر مجبور ہو کر کہا میں بھٹی میں کام کرتا ہوں تو بھی آجایا کر۔ چنانچہ وہ ایک مدت تک آتا رہا۔ ایک دن راستے میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تشریف لا رہے ہیں اور لوگ آپ کی زیارت کرتے اور آپ کے پاؤں کو بوسے دیتے ہیں۔ اس شخص نے دور سے دیکھتے ہی منہ پر کپڑا ڈال دیا۔ جب غوث پاکؒ نے فرمایا اے اللہ کے بندے تو نے ہم میں کیا قصور دیکھا کہ منہ پر کپڑا ڈال دیا۔ اس نے عرض کیا حضورؒ آپ میں تو کوئی قصور نہیں اصل بات یہ ہے کہ آپ میرے پیر سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ میں نے اس خیال سے منہ پر کپڑا ڈالا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے چہرہ مبارک پر نظر پڑنے سے مجھے آپ سے عشق ہو جائے اور اپنے پیر کی محبت میرے دل سے کم ہو جائے۔ حضور غوث پاکؒ نے پوچھا تیرا پیر کون ہے؟ اس نے اپنے پیر کا تمام قصہ سنا دیا۔ آپؒ کو اس کی عقیدت پر رحم آگیا اور سینے سے لگا کر توجہ دی اور تمام مقامات طے کرا دیئے۔ جب اس نے اپنا کچھ اور ہی رنگ دیکھا تو عرض کیا حضور مجھے بڑی شرم آئے گی بڑی عنایت ہو گی اگر میرے پیر کو بھی کچھ حاصل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اچھا جا اسے بھی لے آ، چنانچہ وہ جا کر اس جولاہے کو بھی لے آیا۔ آپ نے اس طرح اس کے مقامات بھی طے کرا دیئے اور دونوں حضرت سے بیعت ہو گئے۔

www.ksars.org

جو کو ایسی عقیدت ہو اس پر اللہ کا فضل بھی اسی طرح ہو جاتا ہے۔ مرشد کریم سے ایسی عقیدت ہو کہ سمجھے کہ مرشد کے علاوہ دنیا میں کوئی دوسرا روحانی شخص نہیں ہے یا یہ سمجھے کہ پوری کائنات میں میرے مرشد کا فیض جاری ہے۔ مرشد کی عقیدت پر استقامت ہی بندے کو پار لگاتی ہے۔

کسی بزرگ کا مرید ذکر و شغل کرتے کرتے بہت ترقی کر گیا اور پیر سے بڑھ گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بزرگ کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے ولایت سے گر گئے، تمام مرید بھاگ گئے۔ اس مرید نے جو ترقی کر گیا تھا پہلے سے بھی زیادہ خدمت و تواضع شروع کر دی۔ ان بزرگ نے پوچھا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں ولایت سے گر گیا ہوں پھر تو کیوں میری خدمت کرتا ہے۔ اس نے کہا مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن دو باتیں ہیں جنہوں نے مجھے مجبور کر رکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر کے پھر وہی مقام عطا کر دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو احسان آپ نے مجھ پر کیا ہے اور مجھے اللہ کے نزدیک پہنچا دیا ہے ابھی اس احسان کا بدلہ مجھ سے ادا نہیں ہو سکا۔ میں اس ایک ہی احسان کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے یہ خدمت کر رہا ہوں مگر شکریہ پورا ادا ہوتا نظر نہیں آتا اور مجھے اس ظاہری خدمت پر ہی اکتفا نہیں بلکہ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ خداوند میرے پیر کی مغفرت فرما کر وہی مقام عطا فرما دے اور اس سے بھی زیادہ ترقی عطا فرما۔ چنانچہ اس مرید کی دعا سے ان بزرگ کو وہی مقام عطا ہو گیا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے خاص بندے روحانی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔ جب کسی کے دل میں اولیائے کرام کے متعلق کوئی شک و شبہ گزرے تو یاد رکھو کہ اولیائے کرام پر دلوں کی باتیں بھی کھل جاتی ہیں۔ اولیاء کا فرمان ہے کہ جب تم اولیائے کرام کے پاس جاؤ تو دل میں کوئی بری بات نہ رکھو کیونکہ ان کو تمہاری ایسی باتوں کو خبر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ مولانا نعمت اللہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت غوث الاعظمؒ سے جو عقیدت و محبت ہم لوگوں کے دل میں ہے اس کی خبر نہ جانے پیران پیرؒ کو ہو گی یا نہیں۔ مولانا نے اس بات کا ذکر حضرت شاہ ابوالمعالیؒ سے کیا۔ آپ نے فرمایا: ”نعمت اللہ! آج رات خواب میں اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے وہم کو جواب دے گا۔“

www.ksars.org

چنانچہ خواب میں نعمت اللہ نے دیکھا کہ وہ کسی کام میں مصروف ہیں اور ننگے سر ہیں حضرت غوث الاعظمؒ اس جگہ تشریف لاتے ہیں اور سفید دستار ان کے سر پر رکھ کر فرماتے ہیں کہ نعمت اللہ! ہم تمہارے کسی حال سے بھی بے خبر نہیں۔"

جب ملاں نعمت اللہ بیدار ہوئے تو اپنا خواب سنانے حضرت شاہ ابو المعالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا خواب سنایا۔ حضرت شاہ ابو المعالیؒ نے کہا۔ "نعمت اللہ یہاں ٹھہرو۔" پھر اندر سے ایک دستار منگوائی اور نعمت اللہ کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ "یہ وہی دستار تھی جو تمہیں حضرت پیران پیرؒ نے عنایت فرمائی تھی۔"

ملاں نعمت اللہ حیران ہو گئے اور پوچھا۔ "حضرت! یہ کیا قصہ ہے یہ دستار آپ کے پاس کس طرح پہنچی؟"

آپ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور رحمت اپنے بندے پر نازل کرتا ہے مگر بندے کو شکر گزاری اور حق بندگی ادا کرنا نہیں آتا۔ اگر بندے کو شکر گزاری کرنی آجائے تو وہ کامل بندہ بن جائے۔"

ملاں نعمت اللہ اسی وقت سجدے میں گر گئے اور کافی دیر تک زار و قطار روتے رہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ایک مرید حضرت محی الدین کاشانیؒ تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے آپ کو ایک چادر عطا کی تھی۔ اس چادر سے ہر وقت خوشبو آتی رہتی تھی۔ حضرت محی الدین کاشانیؒ اس نیت سے اسے دھوتے ہی نہ تھے کہ کہیں خوشبو نہ نکل جائے۔ چادر کافی گندی ہو گئی تھی آخر ایک دن اس کو دھو لیا۔ جب چادر سوکھ گئی تو اس میں سے پہلے سے بھی زیادہ خوشبو آنے لگی آپ حیران رہ گئے۔ آپ نے یہ بات حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بتائی۔ آپ نے فرمایا کہ "بوئے دوست ہے دھونے سے نہیں جاتی۔" مرشد کے تحفے سے بھی مرشد کی طرح محبت رکھنی چاہئے۔

www.ksars.org

آداب محفل:

شیخ کی محبت میں اس طرح رہنا چاہئے جیسا کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔

قرآن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے کے آداب اس طرح بتائے گئے ہیں۔

ترجمہ:"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آگے نہ بڑھو (یعنی جس قدر تم کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اس سے تجاوز نہ کرو۔"

ایک جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ:"تم اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو۔"

ایک جگہ آتا ہے:

"ترجمہ:"تم رسول کو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔"

شیوخ کی خدمت وہ شخص کرے جو سب سے زیادہ نیت میں سچا اور قوی دل ہو کیونکہ خدمت، مشیخت (پیری) کا دوسرا درجہ ہے۔ طالب جب شیخ کی محفل میں حاضر ہو تو نہایت ادب سے داخل ہو۔ شیخ کے سامنے دوڑ کر نہ چلے نہ بہت زیادہ آہستہ چلے۔ اپنے دل کو شیخ کی طرف متوجہ رکھے اور دنیا میں نہ الجھا رہے۔ جب شیخ کی خدمت سے واپس ہو تو شیخ کی طرف پشت نہ کرے اور جس طرح کہ دل شیخ کی طرف متوجہ ہے چہرہ بھی متوجہ رہے۔ شیخ کے سامنے جب بیٹھے تو ادھر اُدھر نہ تکتا رہے نہ بار بار اٹھے بیٹھے۔ ہاں جب شیخ اٹھیں تو ان کی موافقت کرے اور جب وہ محفل میں تشریف لائیں تب بھی کھڑا ہو جائے۔ شیخ کے سامنے بیٹھ کر نہ اونگے اگر نیند غلبہ کرے تو محفل سے اٹھ جانا ہی بہتر ہے۔ شیخ کے سامنے نہ وظیفہ پڑھے نہ ورد کرے نہ تلاوت کرے، نہ شیخ کو تنہا چھوڑ کر نفل پڑھنے چلا جائے۔ شیخ کے سامنے سگریٹ، پان بھی نہ کھائے مگر جبکہ شیخ خود حکم دیں۔

www.ksars.org

شیخ کی مجلس میں اگر داخل ہو گیا ہے تو پھر بغیر کسی کام کے باہر نہ جائے اور جب شیخ اس کی طرف دیکھیں تو اپنی نظر نیچی کرے اور شیخ کی آنکھوں سے ہر گز آنکھیں نہ ملائے۔

شیخ کی مجلس کو مرید مجلس حق تصور کرے اور سمجھے کہ شیخ کے حق میں صدق ہے۔ شیخ کے سامنے زیادہ آمد و رفت اچھی نہیں ہوتی۔ محفل میں خاموشی سے شیخ کی باتیں غور سے سنے اور ان کو اپنی زندگی اپنی ذات پر لاگو کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ شیخ اگر کوئی بات مذاق کی بھی کرے تو اس کے پیچھے محفل میں کسی نہ کسی کے لئے کوئی پیغام یا حکمت ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے شیخ کی باتوں میں حکمت تلاش کرے اور ان پر تفکر کرے۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو وہم نہ کرے اور اسے چھوڑ دے کیونکہ شیخ ان علوم سے واقف ہے جن کی اسے خبر بھی نہیں ہے۔ شیخ کے سامنے ذکر و مراقبہ میں مشغول نہ ہو بلکہ شیخ کی حضوری میں رہے اور اپنی توجہ شیخ کی باتوں پر دے۔ شیخ کو حالت خواب میں بھی بیدار جانے اور خوب سمجھ لے کہ شیخ سے غافل ہونا محرومی ہے۔ طالب کو یہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ ہر شخص اپنے کام میں ماہر و استاد ہوتا ہے شیخ کامل، حق کے راستہ کی رہنمائی میں استاد اور ماہر ہے۔ جس جگہ سالک سو سال کے مجاہدہ سے نہیں پہنچ سکتا شیخ ایک بات میں وہاں پہنچا سکتا ہے کیونکہ شیخ راستہ کی دوری و نزدیکی اور نشیب و فراز سے خوب واقف ہے اس لئے جو کچھ آپ فرمائیں اس پر بلا چوں چرا عمل کرنا چاہئے۔

اگر شیخ کسی اپنے خاص کام کا حکم دیں اسے بڑی رحمت تصور کرنا چاہئے۔ اگر شیخ نے کسی کام کا حکم دیا تو وہ کام شیخ کے دوبارہ پوچھنے سے پہلے سرانجام دینا چاہئے۔ مرشد کے دوستوں اور ہم نشینوں کو کسی قسم کا رنج دینا اپنے آپ کو خراب کرنے والی بات ہے۔

شیخ اگر اپنا پہنا ہوا کپڑا یا کوئی تحفہ مرید کو عنایت کریں تو اسے بہت احتیاط سے محفوظ رکھے اور کبھی کبھی خاص موقعوں پر اسے پہنے۔ شیخ اگر موجود نہ بھی ہوں تب بھی ان کی نشست کی طرف پشت نہ کرے اور الٹے پیروں واپس ہو اور سمجھے کہ جیسے شیخ وہاں تشریف فرما ہیں، اگرچہ شیخ انتقال ہی فرما چکے ہوں کیونکہ یہ وہ ارواح ہیں جو ایک ہی وقت میں قبر میں ہیں اور مجلس میں بھی اور خدا کی حضوری میں بھی ہیں۔

www.ksars.org

مرید جب اپنے شیخ کے سامنے حاضر ہو تو اس کی دو صورت ہونی چاہئے یا تو وہ شیخ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھے جیسے عاشق محبوب کو دیکھتا ہے یا اپنے قدم یا سینہ کی طرف نظر رکھے۔ جس طرح باطن میں مرید شیخ کی طرف متوجہ رہتا ہے اسی طرح ظاہر میں بھی متوجہ رہنا ضروری ہے۔ مرید کو چاہئے کہ شیخ کے سامنے پشت نہ کرے مگر خدمت گار یا ملازم کے لئے جس کو دن میں کئی مرتبہ حاضر ہونا پڑتا ہے اور بہت سا کام جلد انجام دینا ضروری ہو یہ پابندی نہیں ہے کیونکہ اس طرح شیخ کے کام کا نقصان ہو گا لیکن پھر بھی اتنا خیال رکھنا چاہئے کہ پہلا قدم اٹھاتے ہی پیر کی طرف پشت نہ کر دے بلکہ ایک دو قدم پیچھے ہٹ کر مڑے۔

شیخ کے سامنے بیٹھ کر کچھ کھانا نہیں چاہئے جب تک کہ شیخ خود عطا نہ کریں یا اجازت نہ دیں۔ شیخ کے سامنے اونچی آواز سے بولنا ہمیں چاہئے اور نہ ہی کسی کو بلند آواز سے پکارنا چاہئے۔ شیخ کے سامنے اگر کھانا کھائے تو چھوٹا چھوٹا لقمہ منہ میں ڈالے۔ ہتھیلی اور انگلیوں کو کھانے سے نہ بھرے۔

شیخ کے سامنے مراقبہ اور ذکر میں مشغول نہیں ہونا چاہئے کیونکہ سارا مراقبہ اور ذکر اس کی حضوری ہے۔ شیخ اگر سو رہے ہیں تو طالب یہ نہ سمجھے کہ وہ واقعی سو رہے ہیں اور اگر جاگ رہے ہیں تو یہ نہ سمجھے کہ وہ نیند سے اٹھ گئے یا بیدار ہو گئے ہیں کیونکہ شیخ کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں شعور اور لاشعور دونوں حالتوں پر قدرت رکھتا ہے۔ شیخ سے غافل ہونا حرماں نصیبی ہے۔ شیخ کی ایک بات بعض اوقات سالک یا طالب کو اس جگہ پہنچا دیتی ہے جہاں وہ سو سال تک خدا کی سچائی کے ساتھ عبادت کرنے پر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

شیخ کے سامنے ہمیشہ باوضو اور پاک صاف ہو کر جانا چاہئے۔ شیخ سے اگر کوئی تحفہ یا تبرک ملتا ہے تو اسی کو متبرک جاننا چاہئے۔ شیخ اگر کوئی بات کہے تو اس کی تحقیقات فقہا سے نہیں کرنی چاہئے۔ اس کی تحقیق اور تفہیم بھی پیر ہی سے کرنی چاہئے۔

قرآن پاک میں ہے:

اہل ذکر سے دریافت کرو اگر تم نہیں جانتے۔"

www.ksars.org

اس جگہ اہل ذکر سے مراد اہل مشاہدہ اور اہل معنی ہیں چونکہ شیخ ان صفات کا حامل ہوتا ہے اس لئے شیخ سے وضاحت عرض کرنی چاہئے۔

آداب گفتگو:

بعض اولیاء کا فرمان ہے کہ علم تصوف پر وہی بات کر سکتا ہے جو اپنے وجدان کی تعبیر کر سکے اور اپنے تجربے اور مشاہدہ کی بناپر گفتگو کر سکے۔ مرید کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مرشد کے کلام کا مقصد نصیحت و ارشاد اور طلب نجات ہوتا ہے اور وہ ایسی بات کہتا ہے جس کا نفع سب کو پہنچتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ

"ہم جماعت انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔"

بعض اولیاء کرام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی مسئلے کے متعلق اس وقت تک گفتگو نہیں کرتے جب تک اس کے متعلق ان سے پوچھا نہ جائے اور جب پوچھا جائے تو وہ سوال کرنے والے کی ذہنی صلاحیت کے متعلق جواب دیتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ سے جب ایک سائل نے کسی مسئلے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسے ایک جواب دیا لیکن جب دوسرے شخص نے وہی سوال پوچھا تو آپ نے اسے علیحدہ جواب دیا۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ جواب سائل کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔

سوال کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے مقام کا اندازہ کر کے سوال کرے اور ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرے جن کی اسے ضرورت نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں نہیں پوچھنی چاہئیں جو کہ قبل از وقت ہوں کیونکہ اولیاء کے نزدیک آداب علم میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کسی علم میں اس کے وقت سے پہلے گفتگو نہیں کرتے کیونکہ اس سے بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور علم کے فوائد منقطع ہو جاتے ہیں۔

www.ksars.org

علم سے جاہ و مرتبہ اور دنیاوی مال کو حاصل کرنے سے بچنا چاہئے کیونکہ خدا ایسے شخص کو علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو غیر منفعت بخش ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ علماء میں امتیاز پیدا کرے اور ادنی لوگوں پر فوقیت حاصل کرے یا یہ کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانا پڑے گا۔''

مرید پر یہ بات فرض ہے ہ جس بات یا جس علم کو اس نے سن لیا اس پر عمل کرے ایسا کرنے سے یہ اسی کے قلب میں حکمت پہنچاتا ہے اور اس سے دوسرے سننے والے نفع حاصل کرتے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو وہ اس کے لئے قصہ کہانی ہو جائے گا۔ جس کو وہ چند دنوں تک یاد رکھے گا اور پھر بھول جائے گا۔ کلام جب دل سے نکلے تو دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اگر محض زبان سے نکلے تو وہ کانوں سے تجاوز نہیں کرتا۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ کوئی اس شخص کی حرمت کا خیال نہ رکھے جس سے اس نے ادب سیکھا ہے تو وہ ادب کی برکت سے محروم رہے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو اپنے استاد سے ''کیوں'' کہہ کر سوال کرے گا تو وہ بھی فلاح حاصل نہیں کرے گا۔ اولیاء کرام کے سامنے لوگوں کے عیوب بیان نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ کہا گیا ہے کہ جس نے لوگوں کے عیوب بیان کئے اس نے اپنے عیوب کی گواہی دی کیونکہ وہ ان کا ذکر اس مقدار سے کرتا ہے جو خود اس میں موجود ہیں۔

شیخ سے تب تک کوئی علمی گفتگو نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ وہ خود اس پر تفکر مکمل نہ کر لے اگر پھر بھی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنے اہل بیعت کی محفل میں سوال اٹھائے۔ اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو شیخ سے عرض کرے۔ بلاوجہ اور بغیر سوچے سمجھے سوال کرنا ہر گز مناسب نہیں ہوتا۔

مرید کو چاہئے کہ وہ مرشد کے سامنے بہت زیادہ باتیں نہ کرے خاص طور پر جو اس کے دین اور دنیا کے لئے مفید نہ ہوں۔ مرشد کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرے اور نہ کسی کی شکایت کرے۔ مرشد کے سامنے ہر گز اس طرح کی بات نہ کرے جس سے اس کو غم ہو یا غصہ آئے۔

www.ksars.org

مرشد سے محبت:

عقل گوید دنیاو عقبیٰ بجو

عشق میگوید بجز مولیٰ مجو

ترجمہ: عقل کہتی ہے کہ دنیاو آخرت کی تلاش کر۔ عشق کہتا ہے کہ خدا کے سوااور کسی کی تلاش نہ کر۔

عقل میگوید کہ خودراپیش کن

عشق میگوید کہ ترک خویش کن

ترجمہ: عقل کہتی ہے کہ اپنے آپ کو پیش کر۔ عشق کہتا ہے کہ اپنے آپ کی نفی کر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ تیری بارگاہ میں میرا کون سا فعل پسند ہے تاکہ میں اس کو زیادہ کروں۔ حکم ہوا کہ تمہارا یہ فعل ہم کو بہت پسند آیا کہ زمانہ طفلی میں جب تمہاری ماں مارا کرتی تھی تو تم مار کھا کر بھی اسی طرف دوڑتے تھے پس طالب خدا کو بھی یہی لازم ہے کہ گو کیسی ہی مصیبت و سختی ذلت وخواری پیش آئے لیکن بہر حال خدا کی طرف متوجہ رہے۔ پس سالک کو بھی مرشد سے ایسی ہی محبت ہونی چاہئے کہ گو کیسی ہی مصیبت و سختی، ذلت وخواری پیش آئے لیکن ہر حال میں مرشد کی طرف متوجہ رہے۔

حضور قلندر باباولیاءؒ فرماتے ہیں کہ مرید اور مرشد کا رشتہ استاد شاگرد، اولاد باپ کا ہے۔ مرید مرشد کو محبوب ہوتا ہے۔ مرشد مرید کی افتاد طبیعت کے مطابق تربیت دیتا ہے۔ اس کی چھوٹی بڑی غلطیوں پر پردہ ڈالتا

www.ksars.org

ہے۔ نشیب و فراز اور سفر کی صعوبتوں سے گزار کر اسے اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں پر سکون زندگی اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔

جس وقت بابا فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مخدوم علی احمد صابر اپنے ہمشیرہ زادہ کو تعلیم کیا تو ان پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ حضرت کا طواف کرتے تھے اور یہ شعور ورد زبان تھا:

کعبہ خوانم یا پیمبر مصحف ست ایں یا خدا

اصلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام

ترجمہ: بلند (آواز سے) پڑھوں کہ یہ پیر مصحف ہے یا خدا! اصلاح کا شوق بہت ہے اور میں دیوانہ ہوں۔

ایک روز حضرت جنیدؒ کو بادشاہ نے کسی مسئلہ کی تحقیق کے واسطے طلب فرمایا ان کے ہمراہ حضرت شبلیؒ بھی گئے۔ بادشاہ نے حضرت جنیدؒ سے سخت کلامی کی چونکہ حضرت شبلیؒ جوان آدمی تھے اور نئی فقیری کا جوش تھا۔ آپؒ کو غصہ آگیا قالین کو تھپکا وہ شیر مجسم بن کر اٹھنے لگا۔ حضرت جنیدؒ نے اس پر نظر کی تو پھر اصلی حالت پر آگیا۔ دوبارہ بادشاہ نے پھر بے ادبانہ کلام کیا۔ حضرت شبلیؒ نے پھر قالین پر ہاتھ پھیرا غرض تین بار یہی معاملہ پیش آیا۔ آخری دفعہ بادشاہ نے بھی شیر کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو خوف کے مارے بدحواس ہو گیا فوراً تخت سے اترا حضرت جنیدؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ اس لڑکے کی بات کا کچھ خیال نہ فرمائیں۔ یہ بچہ ہے آپ کو وہی بات زیب دیتی ہے اور ہم کو یہی بات لازم ہے یعنی "اطاعت کرو تم اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اور حاکم متشرح کی۔" الغرض بادشاہ نے اپنا قصور معاف کرایا اور عزت کے ساتھ ان کو رخصت کیا پس وجہ تسمیہ حضرت شبلیؒ کی یہ ہے کہ شبل شیر کے بچے کو کہتے ہیں جب سے یہ ماجرا گزرا تو ان کا لقب شبلی یعنی شیر والا ہو گیا ورنہ اصل نام ان کا ابو بکر تھا اور حضرت جنیدؒ کے مرید بھی تھے اور ہمشیرہ زادہ بھی۔

www.ksars.org

جب کسی مرید کو شیخ سے کامل محبت ہو جاتی ہے تو شیخ کی طرز فکر میں کام کرنے والی روشنیاں مرید کے اندر منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب محبت کامل اور دائمی ہوتی ہے تو شیخ کے کمالات متواتر اس میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اسے عروج نصیب ہوتا رہتا ہے۔ مرید کو چاہئے کہ اپنا احتساب کرتا رہے کہ وہ شیخ سے محبت میں کس حال پر ہے۔

اگر مرید کو شیخ سے اس کی ولایت، عہدہ، مقام یا ربط کی وجہ سے محبت ہو تو اس کو اس محبت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جب تک کہ یہ محبت بغیر کسی غرض کے ذات شیخ سے نہ ہو جس طرح بچوں کو ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس قسم کی محبت مرید اور مراد کے درمیان ہونی چاہئے تاکہ یہ محبت مرید کو اغراض کی طرف نہ لے جائے کہ اغراض کے آنے سے شیطانی وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں جس سے کبھی تو محبت منقطع ہو جاتی ہے اور کبھی رک جاتی ہے۔ محبت صادق اسی صورت میں ہوتی ہے جب وہ محض شیخ کی ذات سے ہو نہ کہ اس کے اسرار کی خاطر محبت کرے۔ ذات کی محبت سے مراد یہ ہے کہ محبت خالص اللہ کے لئے ہو۔

مرید جب روحانی طور پر مراد سے محبت کرتا ہے تو مراد روحانی طور پر اسے نوازتا ہے لیکن اگر مرید کی ذات شیخ کی ذات کے اسرار سے محبت رکھتی ہو اور یہ محبت ذات کو چھوڑ کر اس کے اسرار و معارف کے ساتھ ہو جائے تب یہ فیض رک جاتا ہے لہٰذا مرید کو چاہئے کہ ہر قسم کے منافع سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنی پوری کوشش شیخ کی محبت میں صرف کر دے اور شیخ سے بے لوث و بے غرض محبت کرے۔

بعض لوگ مرشد کو محض ایک استاد یا معلم سمجھتے ہیں جب کہ مرید اور مراد کا رشتہ عاشق اور معشوق کا رشتہ ہے۔ غرض یہ کہ شیخ سے ایسی محبت ہونی چاہئے کہ اپنے زن و فرزند اور جان و مال سب سے زیادہ اسے عزیز جانے۔ اگر مرتے وقت شیخ ہی کی یاد میں دم نکلے تو یہ ایک بڑی سعادت ہے۔ شیخ خدا کا سفیر اور اس کے خزانے کا امین ہے۔ طالب کو جو کچھ ملتا ہے صرف اسی کے ہاتھ سے ملتا ہے۔ مرشد کو ساقی سمجھو، معرفت کی شراب اسی کے ہاتھ سے ملے گی لازم ہے کہ مرید اپنے شیخ کو اپنے جسم کی جان بلکہ جانِ جان تصور کرے۔

www.ksars.org

خواجہ محبوب عالم قدس سرہٗ نقشبندی اپنی کتاب محبوب السلوک میں لکھتے ہیں:

"مرید مرشد کے آئینے میں خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور مرشد کامل مرید کے آئینے میں اپنے آپ کو یعنی مخلص مرید کا دل جب مرشد کی تمام صفات سے رنگین ہو جائے تو مرشد اس معنی سے مرید کے دل میں اپنے آپ کو دیکھتے ہیں اور مرشد چونکہ تمام مظہر ذات باری تعالیٰ ہیں مرید ان کے آئینہ دل میں ذات احدیت کا معائنہ کرتا ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"کبھی کوئی مرید کامل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ پیشوا کے غصہ ورنج اور لطف و محبت کا مزا نہ چکھ لے۔ اس واسطے پیشوائے کامل کا غصہ رحمت الٰہی ہے بشرطیکہ ایسی حالت میں مرید کو خدا تعالیٰ توفیق انانیت کے ذائل کرنے اور اپنے دل میں عجز وانکساری بڑھانے کی عطا فرمائے سو ایسے وقت میں اس کی کوشش کیا کرو۔"

حضرت عنایت شاہ قادریؒ، حضرت بابا بلھے شاہؒ کے مرشد تھے۔ ایک دن حضرت شاہ عنایتؒ اپنے صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ادھر قصور میں حضرت بابا بلھے شاہؒ نے اپنے مرشد کریم کے بارے میں کچھ الفاظ کہے جن سے گستاخی اور بے ادبی کا پہلو نکلتا تھا۔ ابھی الفاظ حضرت بابا بلھے شاہؒ کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ ادھر لاہور میں کھانا کھاتے کھاتے اچانک حضرت عنایتؒ کے صاحبزادے محمد زمان نے اپنے والد محترم سے کہا: اباجی! آپ نے دیکھا بلھا کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت شاہ عنایتؒ نے بیٹے کی بات سنی تو آپ نے منہ سے بوٹی کی ہڈی نکال کر دور پھینکتے ہوئے کہا۔ "اے بلھے! تو نے کچھ حاصل کیا تھا تجھ سے چھین لیا گیا ہے۔" اور ہوا بھی یہی حضرت بابا بلھے شاہؒ نے جو کچھ روحانیت کی دولت حاصل کی وہ ان سے جاتی رہی۔ مرشد کا ہاتھ پشت سے اٹھ گیا تو آپ دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔

آخر دھکے کھاتے ایک روز ایسے گھر پہنچے جہاں رہنے والی عورت ایک طوائف تھی۔ آپ نے اس عورت سے کہا کہ میں تمہاری چلم میں تمبا کو بھر دیا کروں گا کوئی تنخواہ نہیں لوں گا۔ اللہ نے چاہا تو میرا معاوضہ ایک دن مجھے خود بخود مل جائے گا۔ وہ عورت اور گھر والے خوش ہوئے کہ ایک خوبصورت نوجوان مفت میں ملازم مل گیا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے بارہ سال طوائف کے گھر میں گزارے اور بیگار کاٹتے رہے۔ بارہ سال بعد حضرت شاہ عنایتؒ ایک دن قصور کے

www.ksars.org

ایک بازار میں سے گزر رہے تھے۔ حسب معمول آپ نے اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک جگہ مجرا ہو رہا ہے اور وہاں بلھے شاہؒ بھی کھڑے ہیں۔ حضرت بابا بلھے شاہؒ نے بھی مرشد کو آتے ہوئے دیکھ لیا اور طوائف کو ناچنے سے روک دیا اور فرمایا۔ ''تم پرے ہٹ جاؤ، اب میرا معاوضہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ مجھے ناچ کر اپنے دوست کو راضی کر لینے دو۔'' پھر شاہ عنایتؒ کو دیکھ کر حضرت بابا بلھے شاہؒ اتنا ناچے کہ ناچتے ناچتے آپ کی ہڈیاں چٹخنے لگیں۔ پھر بے ہوش ہو کر گرنے لگے تو شاہ عنایتؒ آگے بڑھے اور آپ کو تھام لیا اور فرمایا۔ ''کیا تم بلھے ہو؟ عرض کی۔ ''نہیں سرکار میں بلھا نہیں بھولا ہوا ہوں۔'' یہ سن کر شاہ عنایتؒ کو آپ پر رحم آگیا اور انہوں نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ کی ولایت بحال کر کے سب کچھ عطا فرما دیا۔ بعد میں حضرت بابا بلھےؒ شاہ دنیائے تصوف و ولایت کے بہت بڑے بزرگ ثابت ہوئے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ ایک دن صبح کے وقت باغ میں سیر کر رہے تھے۔ درخت پر ایک بلبل نغمہ خوانی کر رہی تھی۔ خواجہ صاحب نے ایک مرید سے پوچھا بلبل کی آواز کس جگہ سے آرہی ہے اس نے عرض کیا۔ بیر کے درخت پر بلبل بیٹھی ہے شاید یہاں کوئی تازہ غنچہ نظر آیا ہو۔ آپ نے فرمایا عاشق صادق کے لئے ہر جگہ پھول ہی پھول ہوتے ہیں۔ یعنی جب عاشق فنافی الحبیب ہو جاتا ہے تو وہ ہر جگہ اپنے معشوق کا حسن و جمال ہی دیکھتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں ''عشق کی گرمی کی وجہ سے امیر خسرو کی قمیض دل والی جگہ سے جلی رہتی تھی۔'' کسی نے پوچھا کہ اس قسم کا عشق کس طرح ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ''اشغال و اذکار کی برکت سے نفسانی خطرے اور شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں لیکن دولت عشق محض اللہ کی عطا ہے۔''

حضرت سید پیر جماعت علی شاہؒ کو اپنے مرشد بابا فقیر محمدؒ صاحب سے بڑی محبت تھی۔ آپ جب بھی ان سے ملنے چورہ شریف پہنچتے تو اسٹیشن سے خانقاہ تک ننگے پاؤں جاتے اور ننگے پاؤں خانقاہ سے اسٹیشن لوٹتے۔ چورہ شریف میں قیام کے دوران بھی بغیر جوتوں کے پھرتے تھے۔ اسی طرح جب آپ کے مرشد علی پور سیداں آتے تو آپ اسٹیشن سے گھر تک ان کو لینے جاتے اور ان کے پیچھے ننگے پاؤں چلتے۔ ان کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے پکواتے اور جب وہ

www.ksars.org

کھانا کھا رہے ہوتے تو آپ ہاتھ باندھے غلاموں کی طرح کھڑے رہتے۔ بابا فقیر محمد صاحبؒ کے ہمراہ آئے ہوئے درویشوں کی بھی بہت خدمت کرتے تھے۔ان کے ہاتھ خود دھلواتے تھے اور ان کے سامنے بیٹھنا بھی گستاخی خیال کرتے تھے۔اپنے مرشد عالم کے وصال کے بعد ان کی اولاد میں سے جب بھی کوئی علی پور سیداں آتا تو آپ ان کے استقبال کے لئے ننگے پاؤں آبادی سے باہر نکل آتے، پھر ان کو سواری پر بٹھاتے اور خود ساتھ ساتھ پیدل چلتے تھے۔ پھر گھر آکر ان کو مسند پر بٹھاتے اور خود ان کے قدموں میں بیٹھ جاتے۔ یہ تو آپ کی امتیازیت اپنے پیر صاحب اور ان کی اولاد کے لئے تھی۔ اس کے علاوہ اگر چورہ شریف کا کوئی عام آدمی بھی علی پور سیداں آجاتا تو آپ اس کی بھی ایسی ہی خدمت کرتے جیسے اپنے پیروں کی کرتے تھے اور واپسی پر ان کو مالامال کر کے بھیجا کرتے۔

محبت ایثار محبوب کا نام ہے یعنی اپنے محبوب پر خود کو قربان کر دینا۔ دوست پر اپنی تمام خواہشات کو قربان کر دینا محبت ہے۔ محبت میں کمترین مقام موافقت ہے۔اولیائے کرام سے محبت کے ذریعے خدائی تعلق پیدا ہو جاتا ہے جبکہ دوسرے لوگوں سے محبت کے ساتھ صرف طبعی تعلق قائم ہوتا ہے۔

حضرت مادھولال حسینؒ کو اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ حسینؒ صاحب سے بڑی محبت تھی۔ لمحہ بھر کی جدائی بھی انہیں شاک گزرتی تھی۔ایک دفعہ حضرت نے مادھو کو امتحان و آزمائش میں ڈال دیا۔آپ نے مادھو کو حکم دیا کہ وہ راجہ مان سنگھ جو اکبری عہد کا امیر تھا کی ملازمت کریں اور اس کے ساتھ دکن کی مہم پر جائیں مادھو کو اگرچہ اپنے مرشد کی مفارقت گوارہ نہ تھی لیکن وہ ارشاد مرشدی سرتابی بھی نہ کر سکتے تھے۔ ناچار دل پر پتھر رکھ کر وہ دکن روانہ ہوئے مہم جوئی میں کامیابی کے بعد راجہ کی ملازمت میں مادھولال حسینؒ نے تقریباً بارہ سال گزارے اور ایک طویل عرصے کے بعد لاہور واپس آئے۔

اللہ والے ہر آنے والے معاملات سے باخبر ہوتے ہیں۔ شاہ حسینؒ جانتے تھے کہ وہ اور مادھو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں محبت بھی ایسی جس میں جدائی برداشت کرنے کا تصور بھی سوہان روح ہے۔اس کے ساتھ ہی شاہ حسینؒ کو خدا نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ جلد ہی وفات پانے والے ہیں اس لئے انہوں نے سوچا کہ میری وفات کے بعد

www.ksars.org

دائمی جدائی مادھو کے لئے ناقابل برداشت ہو گی۔ان رموز کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے مادھو کو راجہ مان سنگھ کی ملازمت اختیار کرنے اور کسی مہم پر جانے کا حکم دیا۔آپ کی واپسی پر جب آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ حسینؒ وفات پا گئے تو ایک لمبی جدائی اور طویل فراق کے عادی ہونے کے باوجود آپ مرشد کی وفات کی خبر سن کر اپنے حواس کھو بیٹھے۔آپ کا قول ہے"ایمان محبت کامل کا نام ہے۔"

حضرت طاہر بندگیؒ کو اپنے مرشد حضرت شاہ قلندر قادریؒ سے بے حد لگاؤ تھا۔ایک دفعہ حضرت لاہور تشریف لائے اور حضرت طاہر بندگیؒ کے مکان پر پہنچے اس وقت آپ بالائی منزل پر تھے۔مرشد کو دیکھتے ہی بے اختیار چھلانگ لگا کر قدم بوسی کا ارادہ کیا۔مرشد کو آپ کی قلبی کیفیت معلوم ہو گئی اس لئے فوراً بلند آواز سے فرمایا۔ "طاہر! حوصلے سے کام لو اور سیڑھی کے ذریعے نیچے آؤ۔"

علامہ اقبالؒ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں کہ عاشق لوگ اپنے محبوب سے محض لمحہ بھر کی دوری بھی قبول نہیں کرتے لہٰذا ہر وقت دل کا جھکاؤ اپنے دوست کی طرف رکھنا ہی بہتر ہے۔بیکار انسان کا ذہن آوارگی کے باعث شیطان کی غلامی میں آجاتا ہے اور وہ اسے ہمیشہ برائی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔علماء کا خیال ہے کہ سالک جس حال میں بھی ہو، ہمہ وقت تصورات کی دنیا میں اپنے شیخ کے سامنے رہے کیونکہ محبت کے ساتھ شیخ کی رفاقت (بدنی رفاقت ہو، قلبی رفاقت ہو یا ذہنی رفاقت ہو) میں رہنے سے محبت اور فیضان میں اضافہ ہوتا ہے اور اسی طرح کرنے سے انسان اللہ کے ساتھ قرب میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

فقر کی شان میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی

کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ

www.ksars.org

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسرار الٰہی

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔"

اولیائے کرام چونکہ انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں اس لئے مرید کو اپنے شیخ سے محبت کا ہونا ضروری ہے۔

سائیں توکل شاہ انبالویؒ فرماتے ہیں کہ اپنے سلسلے کے بزرگوں کے بعد مرید کے دل میں سب سے زیادہ محبت اپنے شیخ کے لئے ہو۔ اگر مرید کی غیر موجودگی میں شیخ اس کا سارا مال اس کے گھر سے لے جائے تو بھی برا نہ محسوس کرے۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کو اپنے پیر و مرشد کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا۔ ان کی شاعری میں بھی اس محبت کا رنگ نظر آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "میرا محبوب اپنی شان و جمال کے ساتھ خراماں چلتا ہے تو زمین سے بھی بسم اللہ کی صدائیں اٹھتی ہیں اور جس جس جگہ پر میرے پیارے کے قدم پڑتے ہیں وہاں کی مٹی اس کے قدموں کو بوسہ دیتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے چاروں طرف حوریں ادب سے کھڑی ہوں۔"

شاہ صاحب عاشق کے کردار کی الفت، محبت جیسے دیئے گئے درد، فراق کی لذت اور دردمندوں سے الفت اور ایسی دیگر کیفیات کو بڑی نفاست اور دلکشی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ محبوب کی باتیں سننا ضروری نہیں ہوتیں بلکہ محبوب کا سکوت ہی سلام اور پیار بھرا انداز گفتگو ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ بازار جا رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک بچہ چیز خرید رہا تھا۔ بچے کو دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیاءؒ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ امیر خسرو قریب کھڑے دیکھ کر بھانپ گئے کہ سرکار کی یہ

www.ksars.org

کیفیت بچے کی وجہ سے ہے چنانچہ امیر خسرو نے یہ سوچا کہ کہیں بچے کے جانے کی صورت میں سرکار کی یہ کیفیت ٹوٹ نہ جائے۔ کپڑے پھاڑ کر گریبان چاک کر کے پگڑی اتار کر کمر پر باندھ کر ناچنا شروع کر دیا بالکل یہ نہ سوچا کہ میں درباری ہوں اور میری عزت میں فرق آئے گا۔ کافی دیر تک ناچتے رہے۔ بہت سے لوگ اور وہ بچہ بھی کھڑا رہا۔ آخر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی یہ کیفیت ختم ہوئی اور آپ نے امیر خسرو کو حکم دیا کہ بس کرو آجاؤ۔

مرید کو مرشد کی ایک ایک چیز حتیٰ کہ کیفیت بھی کبھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جس خیال میں مرے گا اسی خیال میں قیامت کے روز اٹھے گا۔

تو یہ خیال کرتا ہے کہ عاشق کے دل سے ہر گز تیری محبت نکل جائے گی۔ جب وہ مرے گا تو مبتلا مرے گا اور جب وہ اٹھے گا تو مبتلا اٹھے گا۔

میرے مرنے کے بعد جب تو میری قبر پر گھاس اگا ہوا دیکھے گا تو ہر پتے پر اس جاناں کا نام لکھا ہوا پائے گا جو میری قبر پر اگے گا۔

ایک بہروپیا تھا ہمیشہ نیا بہروپ بنا کر بادشاہ کے روبرو جاتا کہ دھوکہ دے کر انعام لے لیکن بادشاہ کبھی اس کے داؤ میں نہ آتا۔ ناچار ہو کر بہروپیا ایک جوگی کے پاس گیا اور کپالی چڑھانی سیکھی یعنی حبس دم۔ پھر جوگی بن کر اپنے شہر کے سواد میں آن کر ٹھہرا اور ایک مختصر گنبد بنایا اور چند چیلے جمع کئے اور حسب معمول جوگیہ حبس دم کر کے بیٹھ گیا۔ گنبد کا دروازہ تیغا کرا دیا۔ اس خیال سے بادشاہ وقت یہ خبر سن کر کہ ایک فقیر اتنی مدت سے مکان میں بند ہے یہاں آئے گا اور مکان کھلوائے گا تو پھر زندہ ہو جاؤں گا اور اس سے انعام لوں گا۔ خدا کی قدرت چند روز میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوا اور نہ وہ بادشاہ رہا، نہ وہ سلطنت۔ شہر بھی تاراج و برباد ہو گیا۔ جوگی کے چیلے بھی بھاگ گئے اور گنبد ویسا ہی در بند پڑا رہا۔ دو صدی کے بعد جب اس شہر میں پھر رونق اور آبادی ہوئی تو کسی شخص نے اس گنبد کو مسمار کر دیا۔ دیکھا کہ ایک آدمی صحیح و سالم مراقب بیٹھا ہے۔ لوگوں کا ہجوم ہو گیا اتنے میں ایک جوگی آ گیا اور اس نے پہچان لیا اور اپنے قاعدہ کے موافق اس کا علاج کیا۔ روح نے بدن میں سرایت کی ہوش و حواس درست ہو گئے، اٹھ بیٹھا اور بولا کہ لاؤ میرا گھوڑا اور

www.ksars.org

جوڑا۔لوگ متحیر ہوئے کہ الٰہی اس شخص کو یہ ہذیان ہے یا خفقان خدا جانے کیا بکتا ہے۔اس سے کیفیت دریافت کی تو تمام ماجرا اپنا بیان کیا کہ صرف گھوڑے جوڑے کی غرض سے میں نے یہ عمل فلاں بادشاہ کے عہد میں کیا تھا۔اب بیدار و ہوشیار ہوا تو وہی خیال رہا کہ بادشاہ نے مجھ کو اٹھایا ہے۔غرض یہ کہ جو اعمال وافعال درود و وظائف یا ریاضت و محنت طالب و سالک کرتا ہے اس کا اثر بے شک مرتب ہوتا ہے لیکن جب تک تصفیہ ماسوااللہ نہیں سب بے سود ہیں کیونکہ ان آثار و اطوار میں بھی وہی سوجھے گا جو دل میں بسا ہوا ہے۔گناہوں کے خوف زدہ نجات طلب کریں گے اور ثواب کے امیدوار بہشت کا دم بھریں گے۔غرض جو جس کا خیال ہے وہی رہے گا۔

عاشق مرد کو کوئی علت نہیں ہوتی نہ تو عاشقوں کا کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ کوئی ملت۔عشق کا مذہب تمام دینوں سے جدا ہے،عاشقوں کا مذہب اور ملت خدا ہے۔

انسان کو جس چیز میں کمال ہوتا ہے اسی میں مرتا ہے چنانچہ وہنتر بید کو سانپ کے پکڑنے میں کمال تھا۔اس کو سانپ نے کاٹا اور وہ مر گیا اور ارسطو سل کی بیماری میں مرا اور افلاطون فالج میں۔لقمان سرسام میں اور جالینوس دستون کے مرض میں حالانکہ انہی بیماریوں کے علاج میں کمال رکھتے تھے اور جس کو جس کی محبت ہوتی ہے اسی کے خیال میں جان دیتا ہے۔چنانچہ قارون مال کی محبت میں مرا اور مجنوں لیلیٰ کی محبت میں۔ایسے ہی طالب خدا کو خدا طلبی کی بیماری ہے وہ اسی میں فنا ہو جاتا ہے۔بیماری سے خالی کوئی نہیں ہر شخص کو کچھ نہ کچھ علت ضرور ہوتی ہے۔

سچی محبت کی علامات:

پر خلوص محبت کی دو علامات ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ مرید کی راحت،مرید کا سکون،مرید کا سکھ چین سب کچھ ذات شیخ میں ہو کہ اسی کی فکر ہو،اسی کے لئے زندہ ہو،اسی پر فریفتہ ہو،اسی سے خوشی ہو اور اسی کا غم ہو حتیٰ کہ ظاہر و باطن میں موجودگی اور عدم

www.ksars.org

موجودگی میں اس کی تمام حرکات و سکنات ذات شیخ اور اس کے متعلقات کی خاطر ہوں یہاں تک کہ وہ اپنی ذات کی بھی پرواہ نہ کرے۔

دوسری علامت شیخ کا ادب و تعظیم کرنا ہے یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ شیخ کنویں میں ہے اور مرید پہاڑ کی چوٹی پر تو اس کے دل پر شیخ کی تعظیم کے کثرت غلبہ کی وجہ سے اسے یوں معلوم ہو کہ وہ خود کنویں میں ہے اور شیخ پہاڑ کی چوٹی پر۔

پاک اور خالص محبت کی علامت یہ ہے کہ مرید شیخ کو پرکھنا چھوڑ دے تاکہ مرید کی نگاہ میں شیخ کے تمام افعال و اقوال درست اور ٹھیک ہوں اگر اسے ان افعال و اقوال کی وجہ سمجھ میں نہ آئے ان کا کوئی راز کوئی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو اسے اللہ کے سپرد کر دے لیکن ساتھ ہی اسے یقین ہو کہ شیخ جو کچھ کر رہا ہے، ٹھیک کر رہا ہے۔

شیخ مرید سے نہ کوئی ظاہری خدمت چاہتا ہے اور نہ روپیہ پیسہ کہ مرید اس پر خرچ کرے اور نہ ہی کوئی بدنی عبادت چاہتا ہے۔ اگر چاہتا ہے تو صرف اتنا کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کا شیخ کامل اور موفق من اللہ ہے۔ اسے معرفت بصیرت اور اللہ کا قرب حاصل ہے اور اس اعتقاد پر خواہ دن گزریں مہینے گزریں، سال پہ سال گزریں قائم رہے۔ اگر مرید میں یہ اعتقاد پایا گیا تو مرید کو اس سے اور ہر قسم کی خدمت سے فائدہ ہو گا اور اگر اس میں یہ اعتقاد نہ ہو گا اور اگر ہو بھی تو پائیدار نہ ہو پس اراس میں وسوسے پیدا ہونے لگیں تو مرید نے کچھ بھی حاصل نہ کیا۔ اسرار خداوندی کا وہی شخص متحمل ہو سکتا ہے جو پختہ عقیدہ کا مالک ہو اور شیخ کے سوا کسی کی بات پر کان نہ لگائے۔

www.ksars.org

کشف و کرامت کی جستجو:

طالب کو اس جستجو میں نہیں رہنا چاہئے کہ اسے خرق عادت اور کشف و کرامت جیسی کیفیتں حاصل ہو جائیں۔ عام طور پر لوگ پس پردہ چیزوں کو اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ پیغمبروں پر وہ اس لئے ایمان لاتے ہیں کہ ان کی نبوت کی صداقت کا اندازہ خرق عادت سے ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے کرامات اولیاء کے متعلق کتابیں تالیف کی ہیں اگرچہ انہوں نے لوگوں کو اولیاء کی پہچان بتانے کے لئے بہت مفید کام کیا ہے مگر اس سے لوگوں کے ذہنوں میں ایک بہت غلط بات بیٹھ گئی ہے کہ اولیاء کا کام صرف کرامت دکھانا ہوتا ہے۔ ایک شخص دور دراز علاقہ میں کسی ولی کے متعلق سنتا ہے اور اپنے دل میں اس کی ایسی تصویر بنالیتا ہے جو ان کرامات کے متعلق ہو جنہیں لوگ نقل کرتے ہیں لیکن جب وہ ان سے ملتا ہے اور انہیں اپنی ذہنی تصویر کے متعلق نہیں پاتا تو اسے شک گزرتا ہے کہ آیا یہی ولی ہے یا کوئی اور۔

بعض اولیاء سے لاشعوری طور پر کرامت در کرامت، تصرف در تصرف اور کشف ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے اولیاء سے جب کوئی شخص ملتا ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ ولی سے جس چیز کا بھی مطالبہ کیا جائے وہ اسے پورا کرنے سے عاجز نہیں ہوتا اور اس سے کوئی بھی مخالف شرع بات خواہ بظاہر ہی کیوں نہ ہو واقع نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ جہالت میں پڑ جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کے بندے خدا نہیں ہوتے

مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے

بے شک ولی اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہے اس کے اندر اللہ کے اوصاف کا عکس نظر آتا ہے۔ مگر ذات الٰہی برحق ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے:

www.ksars.org

ترجمہ: ''اے محمد ﷺ تمہارا اس میں کچھ اختیار نہیں کہ خدا انہیں معاف کر دے یا عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔''

پھر ایک جگہ آتا ہے:

ترجمہ: ''آپ ﷺ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے مگر اللہ جسے چاہے ہدایت کرے۔''

آج لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر دیکھیں کہ کسی ولی کی دعا قبول نہیں ہوئی یا دیکھیں کہ اس کا لڑکا کسی اور طریق پر ہے یا متقی نہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ولی نہیں۔ یہ بات ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے کہ ظاہر سے کبھی بھی باطن نہیں پہچاننا چاہئے۔ اولیاء کرام اللہ کے منتخب لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ جس کا چاہے انتخاب کرے لہٰذا اس کے لئے ذہن میں کوئی ضابطہ مقرر نہیں کرنا چاہئے کہ ولی کو ایسا ہونا چاہئے یا ولی کو ایسا کرنا چاہئے، ایسا سوچنے والے جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو جہالت میں اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ وہ ولایت سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔

محض کرامات کے ظہور سے کاملین کی درجہ بندی نہیں کرنی چاہئے۔ تمام اولیاء ہدایت اور حق پر ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہوتی ہے پھر بھی جو شخص مقامات اور احوال میں ان میں فرق پیدا کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ:

''پھول مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں اور کھجور کے درخت ایک ہی جڑ سے نکلے ہوتے ہیں اور بعض الگ الگ جڑوں سے۔ یہ سیراب تو ایک ہی پانی سے ہوتے ہیں مگر ذائقہ میں ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ ان میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔''

{سورہ رعد ۴}

شیخ پر مرید کا اعتقاد ایسا مستحکم ہونا چاہئے کہ کسی کرامت کے دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ شیخ کرامت دکھانے کا مکمل اختیار رکھتا ہے مگر اس کو ظاہر نہیں کرتا اس لئے کہ وہ شہرت حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ دوسری بات

www.ksars.org

یہ ہے کہ کرامت دیکھنے سے جو شخص معتقد ہو اس کا اعتقاد کامل نہیں ہوتا۔ پختہ اعتقاد اسی مرید کا ہوتا ہے جو بغیر کرامت کے شیخ پر یقین کامل رکھے۔

اگر مرید اپنے شیخ کی حیات میں یا ان کی وفات کے بعد کسی دوسرے بزرگ سے ملاقات کرے اور ان کے کشف و کرامات دیکھے تو اپنے شیخ سے بدعقیدہ نہ ہو۔ کیا خبر کہ اس کے شیخ زیادہ کشف و کرامات رکھتے ہوں اور اسے ظاہر نہ کریں۔

مرید کو اپنے مرشد سے اصول سلوک سے غیر متعلق علم کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی مرید کو مرشد سے خارق عادت دیکھنے کا منتظر رہنا چاہئے کیونکہ اس میں کئی احتمالات ہیں مثلاً مرشد خارق رکھتا ہو لیکن اس خرق عادت کے ظاہر کرنے کی اس کو اجازت نہ ہو یا وہ خود نہیں ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ اس سے راز فاش ہو جائے گا اور لوگ اس کا وقت برباد کریں گے۔ ہر وقت مجمع لگا رہے گا یا مرشد خود امتحان لینا چاہتا ہو کہ اس کے مریدوں کو سچا اعتقاد ہے یا محض وہم اور تخیلی ہے کیونکہ جو لوگ خرق عادت دیکھنے کے بعد معتقد ہوتے ہیں وہ متوہم اور متخیل ہیں۔ ان کے اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں البتہ جس کو مرشد کے کشف کا یقین ہو معتقد شمار کئے جانے کے لائق ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اصل بزرگ وہ ہے جو مرید کو اللہ سے ملا دے۔ ان لوگوں کی کرامات پر نظر نہ رکھو بلکہ ان سے بندگی کے آداب سیکھنا زیادہ اہم چیز ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک دیگ کھانے کی پکائی صلاء عام دیا کہ جس کو جو کھانا مرغوب و مطلوب ہو اس میں سے نکالے اور کھائے۔ چنانچہ تمام شہری اور مسافر لوگ ٹوٹ پڑے اور کھانے لگے لیکن دیگ تمام نہ ہوتی تھی اتفاقاً اسی روز ایک مسافر سرائے میں وارد ہوا۔ حضرت نے مرید کو بھیج کر اس کی دعوت کی ہر چند اصرار کیا مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا۔ یہاں تک کہ حضرت خود تشریف لے گئے اور کھانے کی دعوت دی۔ اس نے کہا۔ اچھا میں تو آدمی کا گوشت کھاؤں گا۔ یہ بات سن کر حضرت بایزیدؒ چکرائے اور فرمایا خیر میرا گوشت جہاں سے چاہے کوٹ لو اور نوش کرو۔ مسافر بولا کہ واہ آپ بھی آدمی بن گئے ذرا اپنی جانب غور تو کیجئے۔ انہوں نے بنظر بطون

www.ksars.org

اپنی شکل کو ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ بصورت طاؤس ہیں اس وقت مسافر نے کہا کہ ابھی تو خدا خدا کر کے مور کی صورت بنے ہو۔ جب آدمی کی صورت نصیب ہو گی اس وقت دعویٰ کرنا بھلا ابھی سے کس برتے پر مخلوق خدا کو کھانا کھلاتے ہو۔ یہ بات کہہ کر غائب ہو گیا۔ حضرت بایزیدؒ روئے اور فوراً دیگ توڑ پھوڑ کر پھینک دی۔ غرض مردان خدا کے نزدیک کرامت بھی غایت کمال نہیں ہے۔

حضرت محی الدینؒ کا قول ہے کہ الکشف حیض الرجال والکرامت نفاس الرجال یعنی کشف و کرامت مردوں کا حیض و نفاس ہے اس کے معنی لوگوں نے یہ لگائے کہ کشف و کرامات نکمی چیز ہے بلکہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کشف و کرامات اولیاء اللہ سے لازماً سرزد ہوتی ہیں۔ بعض مرتبہ کسی کو تعلیم کرنے کے لئے اولیاء اللہ ارادتاً کرامت کا اظہار کرتے ہیں اور بعض دفعہ غیر ارادی طور پر کرامات سرزد ہوتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے بزرگ اپنی طاقت کا اظہار کرتے ہیں۔ روحانیت میں کشف و کرامات ثانوی چیزیں ہیں اور بزرگ اس کو بھان متی کہتے ہیں۔

حضرت غوث علی شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے دوست مولوی محبوب علی صاحب جب زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہو کر واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ ہم بمبئی سے چل کر ایک بستی میں آئے وہاں چند روز رہنے کا اتفاق ہوا۔ شب کو نماز تہجد کے لئے مسجد میں گئے تو دیکھا کہ مؤذن ذکر میں مشغول ہے۔ جب دل کھینچتا ہے تو غائب ہو جاتا ہے اور الا اللہ کہتا ہے تو موجود یہ دیکھ کر مجھ کو حیرت ہوئی۔ بعد نماز فجر مسجد سے باہر نکلا تو دیکھا کہ قریب مسجد کے ایک کنجنی کا مکان ہے اور اس کے دروازہ پر ایک فقیر لنگوٹ بند بیٹھا ہے مجھ کو دیکھتے ہی بولا کہ مولوی صاحب آپ کو تو بڑا ہی تعجب ہوا خیر کل ہم بھی تماشا دکھائیں گے۔ دوسرے دن میں بوقت تہجد مسجد میں آیا تو وہ فقیر بھی آموجود ہوا غسل کیا اور میری چادر باندھ لی پھر نفی اثبات کرنے لگا۔ جب لا کو کھینچتا تو اس وقت میں اور وہ فقیر اور مسجد سب نفی ہو جاتی تھی بلکہ میرا علم بھی مفقود ہو جاتا تھا اسی طرح دس بارہ ضربیں لگائیں پھر لنگوٹ باندھی اور کہا کہ مولوی صاحب اس کو فقیری نہیں کہتے۔ یہ تو ایک شعبدہ ہے۔ فقیری اور ہی چیز ہے جو زبان پر نہیں آسکتی۔

www.ksars.org

ایک روز کسی شخص نے حکیم محمد حسین پانی پتی سے استفسار کیا کہ تم کو جناب مولوی غوث علی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے عرصہ گزرا بھلا ان کی کوئی کشف و کرامت بھی دیکھی۔ حکیم صاحب نے کہا کہ نہ اس غرض سے جاتے ہیں اور نہ ہم نے کبھی یہ خیال کیا۔ مگر اس وقت سے یہ خیال ہو گیا کہ حضرت سے ہم نے کوئی بات نہیں دیکھی۔ دوسرے دن جب حسب عادت آئے تو حضرت نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور مزاج پوچھا۔ اس کے بعد اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ آج ہمیں ایک نقل یاد آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو بکر واسطی جو بڑے عالم تھے حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سال بھر تک ساکت خاموش وہاں کی صحبت کا رنگ ڈھنگ دیکھتے رہے۔ جب کوئی کشف و کرامت حضرت جنیدؒ کی جو پابند شرع تھے نہ دیکھی تو دلبرداشتہ ہو کر حضرت سے رخصت چاہی۔ آپؒ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا بھلا مولوی صاحب آپ برس دن تک رہے نہ اپنی کہی نہ ہماری سنی۔ یہ بات ہے تو کیا ہے۔ اس وقت مواقع پا کر ابو بکر واسطی نے عرض کیا کہ حقیقت میں بات تو یہ ہے کہ میں بیعت کے ارادہ سے حاضر ہوا تھا۔ سال بھر رہ کر دیکھتا رہا مگر آپ سے کوئی کشف و کرامت ظاہر نہیں ہوئی۔ وہی عالموں کا سا طور و طریق ہے۔ نماز روزہ تہجد و اشراق چاشت درس و تدریس جب آپ میں اور عالموں سے کوئی فوقیت نہیں پائی ناچار اجازت چاہی۔ حضرت نے یہ سن کر فرمایا کہ بھلا اس سال بھر میں جنید سے کوئی امر خلاف سنت رسول اللہ ﷺ بھی سرزد ہوا؟ ابو بکر نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس وقت حضرت نے ہاتھ جھٹک کر فرمایا کہ جا جنید کی ہی کرامت ہے۔ ہاتھ جھٹک کر یہ کہنا تھا کہ ابو بکر نے کپڑے پھاڑ کر جنگل کی راہ لی اور بعد چھ مہینے کے پھر آئے تو حضرت نے مثل سابق وہی ارشاد فرمایا اور جواب پا کر پھر ہاتھ جھٹکا۔ ابو بکر نے نعرہ مارا اور بیابان کا رستہ لیا۔ غرض جب تیسری دفعہ چھ مہینے کے بعد آئے تو حضرت نے ہاتھ پکڑ کر وہی ارشاد کیا تو ابو بکر نے کہا کہ میں آپ میں کوئی امر خلاف سنت رسول اللہ ﷺ نہیں پاتا مگر یہ کہنا تھا کہ حضرت نے چھاتی سے لگا لیا اور اس حاضر جوابی سے خوش ہو کر خرقہ خلافت عطا فرما کر رخصت کیا۔ حکیم صاحب کہتے ہیں کہ میں اس نقل کو سن کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور بہت منفعل ہوا اور پھر بھول کر بھی ایسا خیال دل میں نہیں لایا۔

www.ksars.org

ذکر و فکر:

ذکر کے لغوی معنی یاد کرنے کے ہیں، تذکرہ کرنے کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ تذکرہ کرنا کسی کو یاد کرنے کا اظہار ہے۔ انسان جب کسی کا نام لیتا ہے واس کی صفت بیان کرتا ہے تو یہ عمل اس کے ذہنی تعلق مذکور کے ساتھ قائم کرتا ہے۔ یاد کرنا اور زبان سے تذکرہ کرنا ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ اگر ایک شخص کسی سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے تو اس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف زبان سے تذکرہ کرتا ہے بلکہ دل پر بھی اسی کا خیال غالب رہتا ہے۔

بعض صوفیاء کرام کے نزدیک جب معاملات قلوب تک پہنچ جاتے ہیں تو اعضاء کو آرام مل جاتا ہے اور مرید اس وقت عمارت باطن کی طرف مشغول ہو جاتا ہے اور احوال کو برتنا اور اسرار کی نگہداشت اور انفاس کا شمار اس کا مشغلہ ہو جاتا ہے۔ دین کی تعلیمات کا مدار اللہ کی ذات ہے اور دین کا مدعا یہ ہے کہ آدمی کا قلبی رشتہ اللہ کی ذات اقدس سے قائم ہو جائے اور یہ رشتہ اتنا مستحکم ہو جائے کہ قلب اللہ کی تجلی کا دیدار کرے۔ لہٰذا تمام اعمال و افعال چاہے وہ جسمانی ہوں یا فکری ان کا رخ اللہ کی طرف موڑ دینا چاہئے۔

مرید کو اس بات سے اچھی طرح ڈرتے رہنا چاہئے کہ وہ اپنی ابتداء کو لوگوں کی تعریف و توصیف سے خراب نہ کرے بلکہ اسے اپنے نفس کی معرفت کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ مرید کے لئے واجب ہے کہ اس کا ظاہر اوراد سے خالی نہ رہے اور اس کا باطن ارادت (شوق و محبت) سے، یہاں تک کہ اس پر واردات (تجلیات) کا نزول ہونے لگے۔ اس وقت اسے واردات کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئے نہ کہ اوراد سے۔ بعض مشائخ نے ایک شخص کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو اس سے پوچھا کہ اس سے تم کیا کرتے ہو تو اس نے کہا کہ میں تسبیحات کو اس سے گنتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ تمہیں چاہئے کہ اپنی برائیوں کو گنو۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ شیخ اسے ذکر و فکر کی جو ہدایات دیں انہیں پورا کرے اور شیخ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اعمال اذکار یا وظائف نہ کرے۔ بہتر ہے کہ شیخ سے اس کی اجازت طلب کر لی جائے تاکہ شیخ اس کی سکت اور ضرورت کے مطابق اسے پڑھنے کو بتائے۔

www.ksars.org

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ حرکات قلب کا عمل حرکت اعضاء کے عمل سے زیادہ اشرف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر ابو بکرؓ کے ایمان کو تمام دنیا کے لوگوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابو بکر کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ کو نماز اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے فوقیت نہیں ہے بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے دل میں گھر کی ہوئی ہے چنانچہ اس کا ظہور اس وقت ہوا جب کہ آپ ﷺ نے وفات پائی اور جو بات حضرت ابو بکرؓ سے ظاہر ہوئی وہ دوسروں سے ظاہر نہ ہوئی وہ اس موقع پر منبر پہ چڑھے اور خدا کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

"جو لوگ تم میں سے حضرت محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے وہ سن لیں کہ حضرت محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں اور جو لوگ حضرت محمد ﷺ کے خدا کی پرستش کرتے تھے وہ جان لیں کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔"

خلوص نیت اور یقین کامل:

مرید کو یہ جاننا واجب ہے کہ اس کے لئے کوئی مقام اور حال اور عبادت مفید نہیں ہو سکتی اگر وہ اخلاص کے ساتھ نہ ہو۔

جب مرید کو یقین کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو شیطان اس کے قریب نہیں آ سکتا۔ شیطان اس وقت تک قریب آتا ہے جب شک اور بے یقینی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ شیطان خون کی طرح انسان کی رگوں میں پھرتا ہے لہٰذا جب وہ دیکھتا ہے کہ یقین چلا گیا تو وہ وسوسے ڈالنے شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے ہاتھ سے نیکی نکل جاتی ہے۔ یقین کی مثال شہر کی مضبوط فصیل کی ہے چنانچہ جب تک شہر کی فصیل موجود ہے دشمن کو اس کے اندر داخل ہونے کی امید

www.ksars.org

نہیں ہوتی۔ لیکن جب اس میں دراڑیں پڑ جائیں تو دشمن فوراً اندر آ جاتا ہے لہٰذا سالک کو چاہئے کہ اپنی ذات کی فصیل کو مضبوط بنائے۔

اولیائے کرام جن کی ذات عرفان الٰہی سے سرشار ہو کا کسی بھی مذہب پر پابند رہنا ضروری نہیں۔ ان کے نزدیک تمام مجتہدین کے مذاہب ایک جیسے ہوتے ہیں اور وہ اپنی وسعت نظر کے باعث ان میں کوئی فرق نہیں پاتے اس لئے کہ ان کی نظر میں وہ سرچشمہ ہوتا ہے جس سے تمام مجتہدین نے فیض حاصل کیا لہٰذا کسی اہل حق کو ایک خاص مذہب کا مقید نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تمام مذاہب تو ان کے باطن میں پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات مرید کے دل میں یہ بات آ جاتی ہے کہ شیخ نے فلاں بات مذہب کے خلاف کی اگر ایسی بات ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرشد شریعت کو ٹھیک طریقے سے سمجھ نہیں سکا۔ مرید ایسی بات صرف کم علمی اور جہالت کے باعث کرتا ہے ایسے شخص کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی جہالت کو دور کرنے کی طرف توجہ دے اور اپنے باطل اعتقاد کو دور کرنے میں مشغول ہو۔

طالب اگر شیخ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے شیخ پر واضح یقین اور پختہ اعتقاد ہو۔ اس اعتقاد سے اسے اپنے اصل مقصد میں فائدہ حاصل ہو گا، اللہ کے حضور اسے قبولیت حاصل ہو گی اور جو کچھ وہ شیخ کی خدمت انجام دے رہا ہے اس سے فائدہ پائے گا۔ جو لوگ اولیائے کرام کے پاس جاتے ہیں، اولیاء ان کی نیتوں کے مطابق رنگ بدلتے رہتے ہیں چنانچہ جس طالب کی نیت خلوص اور یقین پر قائم وہ وہ ولی کو عین کمال میں دیکھے گا اور جس کی نیت شک اور وسوسوں پر قائم ہو گی اس کا حال اس کے برعکس ہو گا۔ درحقیقت ہر شخص کو وہی نظر آتا ہے جو اس کے اپنے باطن میں ہو۔ ولی کی مثال ایک آئینہ کی ہے جس میں اچھی اور بری سب صورتیں دکھائی دیتی ہیں لہٰذا جس شخص کو ولی کا کمال اور اللہ کی طرف رہنمائی دکھائی دے اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جسے کچھ اور دکھائی دے اسے اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتے ہیں کہ فلاں لوگ بدبخت ہوں اور وہ ولی سے فائدہ حاصل نہ کر سکیں تو اللہ تعالیٰ انہیں جس برائی اور مخالفت میں وہ پڑے ہوئے ہیں پختہ کر دیتا ہے لہٰذا وہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ولی بھی انہی کی طرح کا آدمی ہے حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ ولی کے متعلق شک اور وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

www.ksars.org

ولی اپنے پاس آنے والے لوگوں کے ظاہر پر نہیں جاتا بلکہ وہ ان کے باطن کو دیکھتا ہے۔ان لوگوں کا باطن ولی کے لئے کھلی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ولی کے نزدیک ان کا باطن کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔اولیاء کرام کے پاس آنے والے چار طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔پہلی قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو ظاہر اور باطن میں ولی پر کامل اعتقاد رکھتے ہیں۔یہ سب سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا ظاہر و باطن ولی پر تنقید کے لحاظ سے ایک جیسا ہوتا ہے۔تیسری قسم وہ ہے جو ظاہر میں تو معتقد ہوتے ہیں مگر باطن میں معترض یہ لوگ ولی کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔اس لئے کہ جب ولی ان کے ظاہر کو دیکھ کر انہیں فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو ان کا باطن انہیں اس بات سے روک دیتا ہے اور اگر ان کے باطن کو دیکھ کر ان سے دور رہنا چاہے تو ظاہر ان کی طرف راغب کرتا ہے۔چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جو باطن میں تو معتقد ہوتے ہیں مگر ظاہر میں معترض۔ان کا سبب محض حسد ہوتا ہے۔ولی جس طرح ظاہر کو دیکھتا ہے اسی طرح باطن کا حال بھی خوب جانتا ہے۔

ولی کامل ہر لمحہ مشاہدہ حق میں مستغرق رہتا ہے مگر ان کا ظاہر مخلوقات کے ساتھ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو آنے والے کی قسمت کے مطابق ان کی طرف لگا دیتا ہے چنانچہ جس کی قسمت میں رحمت لکھی ہو اللہ تعالیٰ ولی کے ظاہر کو اس کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور اس کی زبان سے علوم نکلنے لگتے ہیں اور اس سے وہ نیکیاں ظہور میں آتی ہیں جن کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اور جس کی قسمت میں اس کے ہاتھوں ملنا نہیں لکھا ہوتا تو خدا ولی کو مصارف بیان کرنے سے روک لیتا ہے۔ولی کی مثال آنے والوں کے لئے بنی اسرائیل کے پتھر کی طرح ہے جب وہ پتھر اولیاء اللہ کے سامنے ہوا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور دشمنوں کے سامنے آیا تو اس سے ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔جو کوئی شخص ولی کو کوئی ایسا کام کرتے دیکھے جس کام کے مرتکب ہونے کی وجہ اسے معلوم نہیں ہوتی تو وہ فوراً ولی پر اعتراض کرنا شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس ولی کی برکت سے محروم رہ جاتا ہے۔

اولیاء اللہ پر ہر وقت غیب اور محویت کا عالم طاری ہوتا ہے۔لہٰذا اگر انہیں ہنسنے یا بیہودہ باتیں کرتے دیکھے تو ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔اگر شیخ کی نسبت خواب میں کوئی غیر شرح بات دیکھو تو بد اعتقاد نہ ہو جاؤ کیونکہ اللہ

www.ksars.org

اپنے دوستوں سے مختلف قسم کے معاملات رکھتا ہے جس طرح دنیاوی دوست اپنے دوست کو سخت و نرم الفاظ کہتا ہے مگر پھر اس کے برابر کسی اور سے تعلق نہیں رکھتا۔

جو لوگ اپنے مال و دولت کے ذریعے سے خدا کی راہ حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں راہ نہیں ملتی۔ اولیاء اللہ، اللہ کا نام نہیں بیچتے۔ ہاں اگر ذوق و شوق ہو طلب اور لگن سچی ہو تو بزرگ بھی بندہ کی ذہنی سکت کے مطابق تعلیم ضرور کرتے ہیں۔ اگر طلب اور لگن نہ ہو اور بندہ چاہے کہ دولت خرچ کرنے سے سب کچھ مل جائے تو ایسا کبھی نہیں ہو گا۔

کسی مقام میں ایک درخت پیپل کا تھا اکثر لوگ اس کی پرستش کیا کرتے تھے ایک مرد متقی کو برا معلوم ہوا۔ رات کے وقت کلہاڑا لے کر کاٹنے کو چل پڑا۔ اس نے ایک دو ہاتھ مارے تھے کہ ایک خوبصورت عورت نظر آئی اور کہا کہ تو یہ خیال چھوڑ دے اور ایک اشرفی روز لے لیا کر۔ وہ متقی دام طمع میں پھنس گیا اور ایک اشرفی گرہ میں باندھ کر وہاں سے چل دیا۔ دوسرے دن اشرفی لینے آیا تو وہاں کچھ نہ پایا پھر کلہاڑا سنبھالا اور کاٹنے کا ارادہ کیا تو آواز آئی کہ خبردار تیری گردن توڑ دی جائے گی اگر پتہ بھی توڑا۔ پوچھا۔ کیوں؟ کہا کہ جب تو پہلے آیا تو تیری نیت خالصتاً اللہ تھی اور اب اشرفی کے لالچ سے تو نے یہ ارادہ کیا ہے جا اپنی راہ لے۔

سالک راہ رو کو کہتے ہیں اور سلوک یہ ہے کہ جو کچھ مقسوم میں ہے بزرگوں کی تعلیم و تلقین سے آہستہ آہستہ حاصل ہو جاتا ہے جیسے راہ رو چلتا چلتا اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ہے بعض طالب جو اس امر کے خواہاں رہتے ہیں کہ دفعتاً مل جائے۔ یہ بات ہر شخص کے لئے نہیں ہو سکتی، لاکھوں کروڑوں میں خدا نے کسی ایک کے لئے یہ بات مقرر کر دی تو ہوئی ورنہ سالک کا یہی کام ہے کہ بزرگوں سے جو کچھ ان کو پہنچا ہے طالب کو بتلا دیا خدا کو جب کسی پر رحمت منظور ہوتی ہے تو جس طور سے چاہتا ہے کر دیتا ہے چنانچہ ایک شخص تھا اس کے خیال میں یہ سمائی کہ ایسے پیر کا مرید ہوں گا جو ذات کا شریف، صورت کا اچھا، عالم با عمل و صاحب کمال ہو اور جملہ اوصاف حمیدہ سے موصوف ہو پس ایسے شخص کا ملنا دشوار تھا کافی مدت تک تلاش میں رہا جب کوئی نہ ملا تو ایک دن ناچار دل میں ٹھانی کہ آج صبح کو جو راہ میں مل جائے اسی کو

www.ksars.org

پیر بنانا چاہئے۔ اتفاقاً ایک چور ملا اس نے ارادت ظاہر کی اس نے کہا بھائی میں تو نہ پیری سے واقف نہ مریدی سے آگاہ۔ جتنا اس کو انکار تھا اتنا اس کو اصرار تھا غرض یہ بے پیر ایسا دامن گیر ہوا کہ چور غریب کو پیچھا چھڑوانا مشکل ہو گیا۔ دیکھا کہ کسی طرح سے باز نہیں آتا تو کہا کہ فلاں پہاڑ پر جا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھ جب دوسری رکعت کے سجدہ کی نوبت آئے تو جب تک تجھ کو الہام نہ ہو سر نہ اٹھانا اس نے ایسا ہی کیا آخر بحکم خداوندی خضر علیہ السلام آئے اور کہا سر اٹھائے پوچھا۔ کون ہے جواب دیا کہ میں خضر ہوں اور تیری تعلیم کے لئے آیا ہوں تو نے جس کو پیر بنایا وہ تو ایک چور تھا۔ طالب نے جواب دیا کہ حضور پہلے تو آپ کبھی تشریف نہ لائے جب وہ چور پیر ملا تو آپ بھی ملے ہیں۔ آپ کا کہنا ہر گز نہ مانوں گا تب خضر کو جناب باری سے حکم ہوا کہ جاؤ اول اس چور کو تعلیم دو۔ خضر جا پہنچے اور اس کو سرکاری سبق پڑھا دیا۔

تب اس پیر کو خیال آیا کہ ایک شخص ہمارا مرید تھا۔ دیکھیں اس کا کیا حال ہے آئے اور اس کو تعلیم دی۔ اگر مرید میں خلوص نیت اور کامل یقین نہ ہوتا تو اس درجہ تک نہ پہنچتا۔

خود سپردگی: (بلا چوں چرا عمل)

بیعت کے بعد مرید پر لازم ہے کہ وہ شیخ کی کسی بات پر بھی چوں چرا نہ کرے۔ جب تک مرید اپنے آپ کو پیر و مرشد کے سپرد نہ کرے گا کچھ حاصل نہ کر پائے گا۔ یاد رکھیں کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ خود سپردگی کے لئے ضروری ہے کہ مرید اپنی عبادات و عادات میں شیخ کی اتباع کرے اور اپنی مرادوں کو شیخ کی مرادوں کے تابع کر دے اور تمام امور میں اپنے آپ کو اس طرح شیخ کے سپرد کر دے جیسا کہ مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

ایک شخص عرب کا باشندہ تھا اور صالحین سے ملنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا تا کہ کسی فرد کامل کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ اس تلاش و جستجو میں مصر میں ان کی ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ایک امانت دے کر فرمایا کہ جو شخص تم سے یہ امانت مانگے بس اس شخص سے تمہارا مطلب حاصل ہو گا۔ چنانچہ جتنے صالحین کو وہ جانتا تھا ایک ایک کر کے سب کے پاس گیا۔ بالآخر اپنے شہر میں آ کر گھر پہنچ گیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد اس کا پڑوسی اسے ملا اور کہا کہ

www.ksars.org

فلاں شخص نے جو امانت مصر میں تجھے دی تھی وہ کہاں ہے؟ اس وقت اسے معلوم ہوا کہ اس کا ہمسایہ ہی صاحب وقت ہے۔ اس لئے ان کے پاؤں گر پڑا اور ان سے بیعت کی درخواست کی۔ شیخ نے کہا کہ اس کی تم میں طاقت نہیں ہے۔ اس کے اصرار پر شیخ نے کہا کہ اگر تم اس کے اہل ہو تو ایک چھوٹی سی شرط پوری کر دو۔ وہ یہ کہ تم اپنی لمبی داڑھی کو منڈوا ڈالو۔ اس نے کہا، حضرت بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے اسی کی وجہ سے تو لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میری تعظیم کرتے ہیں۔ لہٰذا میں یہ نہیں کر سکتا۔ شیخ کے مرنے پر جب اس نے دیکھا کہ میں کس قدر بڑی چیز کھو بیٹھا ہوں تو اسے ندامت ہوئی اور کہنے لگا کہ جیسے مجھے آج عقل آئی ہے اسی طرح شیخ کی زندگی میں آتی تو جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس پر عمل کرتا بلکہ اس سے بھی زیادہ کرتا۔

طالب کو چاہئے کہ شیخ جو کچھ حکم دے اسے بجالائے۔ اگر اس سے اس بارے میں کوتاہی ہو تو شیخ کو اس سے آگاہ کر دے تاکہ وہ اس سلسلہ میں شاگرد کے حق میں توفیق عمل کی دعا فرمائیں۔

کہا جاتا ہے کہ المرید لا یرید یعنی مرید وہ ہے جو خود کچھ نہیں چاہتا ایسا طالب خدا کی رضا کو اپنی رضا سمجھتا ہے اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرتا ہے۔

طریقت میں پہلے عمل ہوتا ہے پھر علم ملتا ہے۔ اس لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ آج کا دن کام کرنے کا دن ہے۔ کام کے وقت میں اجر کے انتظار میں بیٹھنا حقیقت میں اپنے آپ کو اجر سے باز رکھنا ہے اور خدمات کی ادائیگی میں لذتوں کے پابند نہ رہیں۔ اگر لذت ملے تو نعمت ہے اگر نہ ملے تو بندگی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بندگی سے مقصود نفس کی معرفت اور خواہشات کی مخالفت ہے نہ کہ عیش و راحت۔ جو لذت اور راحت بندگی سے ملتی ہے اس میں نفس اور خواہش کو ہرگز کوئی فعل نہیں ہوتا۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ جب کوئی بچہ کسی اسکول میں داخل ہوتا ہے تو وہ استاد کے کہنے پر الف ب پڑھنا شروع کر دیتا ہے، یہ جانے بغیر کہ الف کیا ہے، ب کیا ہے، الف، ب کیوں نہیں یا ب الف کیوں نہیں۔ اس کے شعور میں ایک بار بھی یہ سوال نہیں اٹھتے۔ استاد جو کہتا ہے وہ مانتا ہے

www.ksars.org

گویا استاد کے حکم کی تعمیل ہی اسے علم کی منازل طے کراتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص جب کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کرلیتا ہے تو دنیاوی طور پر چاہے اس نے Ph.D ہی کیوں نہ کی ہو اس کی حیثیت روحانیت میں ایک بچہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

روحانی استاد کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد کی ذہنی صلاحیتوں اور شعوری سکت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو قدم بقدم چلاتا ہے۔ مرید کی انا، خاندانی طرز فکر، شعوری واردات و کیفیات، ماحول سے ملی پابندیاں روایتی ربط و ضبط وغیرہ رکاوٹ بنتے ہیں۔ جب تک راستے کی ان رکاوٹوں کو دور کر کے ایک شخص تین سالہ بچے کا ذہن حاصل نہیں کرلیتا جو کہ بلا چوں چرا الف کو الف اور ب کو ب بولتا ہے تب تک وہ روحانیت کی سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتا۔ اس لئے مراد کا ہر حکم متقاضی ہے کہ اس کو بلا حیل و حجت تسلیم کرلیا جائے۔ اگر اس کے بتائے ہوئے احکامات پر شعوری دلائل کو اہمیت دی جائے گی تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا، ذہنی صلاحیت بھی ضائع ہوگی اور ذہن آگے کے سفر پر ہر گز تیار نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔

حضرت کے ایک خاص مرید تھے، انہیں جب بھی موقع ملتا درخواست کرتے "حضور! بہت سے لوگوں نے آپ سے فیض پایا ہے لیکن صاحبزادے (شیخ کے بیٹے) ابھی تک محروم ہیں..... انہیں بھی نواز دیجئے۔"

وہ ایک عرصے سے درخواست کرتے رہے لیکن شیخ ان کی بات کو ٹالتے رہے ایک روز انہوں نے ایسے وقت درخواست کی جب شیخ عالم استغراق میں تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شیخ راضی نظر آتے ہیں تو دوڑ کر صاحبزادے کو بلایا اور کہا "خاموشی سے بیٹھ کر ابا جی کے پیر دباؤ۔"

بیٹے نے ایک طرف بیٹھ کر پیر دبانا شروع کیے۔ اس دوران حضرت شیخ نے اپنا ایک پیر ان کے سینے پر پھیرنا شروع کر دیا۔ صاحبزادے کسمسائے اور کہا ابا جی! اس سینے میں علم شریعت ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا بیٹے! اسی کو مٹا رہا ہوں اور مسلسل اپنا پیر ان کے سینے پر پھیرتے رہے۔ صاحبزادے نے دوبارہ عرض کیا۔ ابا جی! اس میں قرآن ہے (وہ حافظ قرآن بھی تھے) حضرت شیخ نے کہا۔ "ہاں بیٹے! اس کو بھی مٹا رہا ہوں۔"

www.ksars.org

مولانا رومؒ لکھتے ہیں:

گفتگو کو چھوڑ اور عمل کرنے والا بن، ایک کامل مرد (پیر کامل) کے سامنے بے وقعت ہو جا۔

حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے جگنو سے پوچھا۔"تم صرف رات کو چمکتے ہو دن کو کیوں نہیں چمکتے؟"

اس پر جگنو نے جواب دیا۔"میں تو دن رات چمکتا ہوں مگر سورج کی روشنی کی وجہ سے دن میں نظر نہیں آتا۔"

یہ حال تمام عالم کا ہے کہ خدا کہ ہستی کے مقام میں ان کا وجود اہل خانہ کو نظر نہیں آتا۔ بعض جگہ تو وحدت الوجود اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا ہے کہ یہ دنیا ظاہری طور پر دھوئیں کی مانند ہے جس کا وجود آگ کی وجہ سے ہے، خود اس کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ عام حقیقت کا کھوج لگانے اور وحدت کو سمجھنے کیلئے عقل اور ایل و قال سے دست بردار ہونے کی ضرورت ہے۔ چوں وچرا کو ترک کر کے اور خود سے بے خود ہو کر ہی انسان حقیقت کا جلوہ دیکھ سکتا ہے۔ قیل و قال عقل کے موافق ہوتی ہے لیکن حقیقت عقل سے بالا ہے۔

مولانا رومؒ بیان کرتے ہیں ہوئے کہتے ہیں کہ دو باز ہیں جو کہ ایک بلند پہاڑی پر موجود ایک مقام پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں کے پاؤں ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ دونوں اپنی اپنی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح منزل پر پہنچ جائیں تو وہ دونوں اپنے پر ایک دوسرے سے الجھنے کی صورت میں زمین پر گر پڑتے ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح سے وہ اپنی الگ الگ جتنی چاہیں کوشش کر لیں وہ منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ ایک باز کے ذہن میں ترکیب آتی ہے وہ دوسرے باز سے کہتا ہے کہ تو میرے پاؤں سے بے جان ہو کر مردے کی طرح لپٹ جا میں اکیلا اڑوں گا تو اس طرح تو بھی آسانی سے مقصد حاصل کر لے گا۔ دوسرا باز اس کی حکمت بھری بات کو مان کر بے جان ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے دونوں اپنی منزل پر کامیابی سے پہنچ جاتے ہیں۔

www.ksars.org

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ دونوں باز مرید اور مرشد کی طرح ہیں۔ اگر مرشد اپنی کوشش کرے اور مرید الگ سے کوشش شروع کر دے تو مرید تو اپنا وقت ضائع کرتا ہی ہے مرشد کو بھی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا روحانی طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنی ذات کو مرشد کی ذات کے سپرد کر دے جہاں مرشد چاہے گا مرید کو لے جائے گا۔

بعض شیوخ ن ے کہا کہ جو اپنے شیوخ کے احکام و تادیب سے متادب (تربیت یافتہ) نہ ہو تو وہ کتاب و سنت سے بھی متادب نہیں ہو سکتا۔ سچے مرید کی علامت یہ ہے کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری کرے نہ کہ مرشد سے دلیل محبت طلب کرے اور طبیب کے معالجہ پر صبر کو ترک کر دے۔

ایک گرو تھا اور ایک چیلہ، شہد بیداد نگری میں پہنچے وہاں تمام اشیاء خوردنی کا بھوئی ٹکے سیر تھا۔ گرو نے چیلہ سے کہا کہ میاں یہاں سے بھاگو کیونکہ یہاں حفظ مراتب کا کچھ لحاظ نہیں۔ چیلہ بولا حضور یہاں تو سب چیزیں ارزاں ہیں بڑے چین سے زندگی بسر ہو گی۔ گرو نے کہا خیر تمہاری خوشی ہمارا کام تو رہنمائی ہے۔

چیلے کو جو ٹکے سیر حلوہ پوری ملا چند روز میں کھا پی کے خوب موٹا تازہ ہو گیا۔ اتفاق سے اس شہر میں ایک مجرم بجرم قتل ماخوذ ہوا۔ راجہ نے حکم دیا کہ اس کو سولی دے دو۔ وزیر بولا کہ مہاراج یہ تو دبلا ہے راجہ نے بھی ملاحظہ کیا اور کہا کی فی الحقیقت یہ بہت ضعیف اور ناتواں ہے۔ اچھا کسی اور موٹے تازہ آدمی کو پکڑ لاؤ اور اس کے عوض میں سولی چڑھا دو چونکہ چیلہ ان دنوں خوب ہٹا کٹا اور چکنا چپڑا بنا ہوا تھا۔ راجہ کے سپاہی گرفتار کر کے لے گئے۔ راجہ نے بھی پسند کیا اور کہا ہاں یہ شخص پھانسی کے قابل ہے۔ چیلے نے دہائی دی کہ صاحب میرا قصور کیا ہے۔ راجہ نے کہا کہ قصور تو کچھ بھی نہیں لیکن تو خوب موٹا ہے اس وقت گرو پہنچے اور چیلے سے آہستہ سے کہا کہ اور کھاؤ ٹکے سیر کا حلوہ پوری، تجھ سے کہا نہ تھا کہ یہ شہر بیداد نگری ہے یہاں سے بھاگ تو نہ مانا اب اپنے کئے کو بھگت۔ چیلہ نے عاجزی کی کہ بس اب میری توجہ ہے آئندہ کبھی خلاف ورزی نہ کروں گا۔

گرو نے فرمایا کہ خیر اب میں کہوں گا کہ پہلے مجھ کو پھانسی دے دو تو کہنا کہ نہیں پہلے مجھ کو دو۔ دونوں نے یہ مشورہ کر کے راجہ کے روبرو اپنا اشتیاق پھانسی کے لئے ظاہر کیا۔ راجہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ لوگ تو

www.ksars.org

پھانسی کے نام سے ڈرتے ہیں یہ کیا بات ہے کہ تم اس کی تمنا کرتے ہو۔ گروجی نے کہا کہ خوش قسمتی سے آج وہ ساعت آئی ہے کہ اس میں جو کوئی پھانسی پائے گا سیدھا بیکنٹھ کو چلا جاوے گا۔ راجہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پہلے ہم کو ہی پھانسی دے دو چنانچہ راجہ کو پھانسی لگی اور وہ دونوں بھاگ نکلے۔ غرض کہ حفظ مراتب کا چھوڑنا اور نفسی خواہشوں کو تروتازہ کرنا موجب ہلاکت ہے۔ پس ہمیشہ مرشد کامل کی ہدایت ورہنمائی کے موافق کاربند ہونا چاہئے۔

اس واقعہ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جو کچھ مرشد کامل بتلادے اس پر عمل کرے۔ اگر مرشد کسی امر سے منع فرمائے تو وہ نہ کرے ورنہ نقصان ہوتا ہے۔ جو مرشد کہے وہ بات مانے۔ اگر آدمی مرشد کا کہنا نہیں مانتا تو آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت غوث علی شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ کی خدمت میں دو شخص باارادہ بیعت حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک سے آپؒ نے فرمایا کہ کہو لاالہ الااللہ شبلی رسول اللہ۔ اس نے کہا اجی لاحول ولا قوۃ الا باللہ آپؒ نے بھی یہی کلمہ پڑھا۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے لاحول کیوں پڑھی آپ نے استفسار کیا کہ تم نے کیوں پڑھی۔ بولا کہ میں نے تو اس واسطے پڑھی کہ ایسے بے شرع کے پاس مرید ہونے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو واسطے پڑھی کہ ایسے جاہل کے سامنے راز کی بات کہہ دی۔

اس کے بعد دوسرے شخص کو بلایا اور فرمایا کہ کہو لاالہ الااللہ شبلی رسول اللہ۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت میں تو آپ کو کچھ اور ہی سمجھ کر آیا تھا۔ آپ نے تو رسالت پر ہی قناعت کی۔ آپؒ نے ہنس کر فرمایا۔ اچھا تم کو تعلیم کریں گے۔ پس ہر شخص کا فہم و حوصلہ جدا ہوتا ہے ورنہ بات ایک ہی تھی جو ایک کے دل میں نہ سمائی اور انکار پیدا کیا۔ دوسرے کا حوصلہ اس بات سے بھی اعلیٰ تھا۔ حضرت شبلیؒ کا مطلب یہ نہ تھا جو شخص ظاہرین نے سمجھا۔ بات یہ تھی کہ جو شخص تعلیم و تلقین اور ہدایت وارشاد کرتا ہے، طالب کے لئے وہی رسول ہے اور رسالت الٰہی کا کام انجام دیتا ہے۔

خواجہ محبوب عالم قدس سرہ اپنی کتاب محبوب السلوک میں لکھتے ہیں کہ ''جو شخص چاہے کہ پیشوا مجھ سے راضی ہوں اس کو واجب ہے کہ اپنے تمام ارادے اپنی تمام امیدیں اور آرزوئیں تمام خواہشیں ایک اسی کی ذات

www.ksars.org

میں فانی کر دے اور آپ مثل مردے کے جو غسائل کے ہاتھ میں ہوتا ہے اسی ایک ذات مرشد کے ہاتھ میں ہو جائے۔ اس عمل سے وہ بہت جلدی راضی ہو جائیں گے اور جب وہ راضی ہو گئے تو خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ بھی اس سے راضی ہو گئے۔ ایک کا مقبول تمام جہان کے مقبول ہو جانے کا یہ طریقہ ہے۔ ایک کا مردود تمام جہان کا مردود ان کی نافرمانی اور ان سے کینہ وعداوت رکھنے کے طفیل ہوتا ہے۔

چوں تو کردی ذات مرشد را قبول

ہم خدا آمد و ہم ذات رسول

ترجمہ: کر لیا جب دل سے مرشد کو قبول آ گیا اللہ بھی اور اس کا رسول۔

انا عند ظن عبدی بی

"میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں اس کے گمان کے موافق۔"

مرید کیلئے لازم ہے کہ راہ سلوک میں پیر و مرشد کی ذات کے ساتھ ہمیشہ وہر دم نیک گمان رکھے اور اپنی عقل اور ناقص سمجھ کے موافق اس کی ذات کے ساتھ غلط گمان نہ قائم کرے۔

شیخ اگر کوئی ایسا کام کہہ دے جو ذہن قبول نہ کرتا ہو تو اس کے کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ شیخ ان علوم سے واقف ہے جس کو سالک نہیں جانتا۔ راہ سلوک میں طالب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کو ہر وقت ذہن میں رکھتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو مار ڈالا اس سے بڑھ کر بڑا گناہ اور کیا ہو گا مگر آپ کے الفاظ:

وما فعلة عن امری

(میں نے یہ کام نہیں کیا)

www.ksars.org

بتاتا ہے کہ کیا معاملات ہوتے ہیں اور شیخ کیا کرتے ہیں اور جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ خضر علیہ السلام کا کہنا ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے یہ کام نہیں کیا بلکہ خدا کی مرضی سے کیا۔

مرشد کامل راہ حق کی رہبری میں استادی اور مہارت کاملہ رکھتا ہے وہ طویل اور مختصر راستے سے واقف ہوتا ہے۔ منزل کو خوب جانتا ہے اور پہچانتا ہے۔ زندگی کی اونچ نیچ، دکھوں، مصیبتوں، پریشانیوں، تکلیفوں میں سے وہ راستہ نکال لیتا ہے جہاں سو سال میں بھی سالک خود نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے وہ جو کچھ حکم دیں تو اس کی بجاآوری ضروری ہے۔ اگر وہ کوئی ایسا حکم دیں جو بظاہر اس سے متعلق معلوم ہو تو اس کو اپنے بارے میں عظیم رحمت سمجھے اور ہمیشہ اس پر کاربند رہے۔ مرشد کے حکم سے جو روگردانی کرتا ہے وہ نیک بخت نہیں۔ مرشد چونکہ اللہ کا سفیر اور اس کے خزانے کا امین ہوتا ہے اس لئے بیعت کے بعد سالک کو جو کچھ بھی ملتا ہے انہی کے ہاتھ سے ملتا ہے۔

سید غوث علی شاہ صاحبؒ تذکرہ غوثیہ میں لکھتے ہیں سید احمد حسن عرف سید احمد علی اپنا وطن چھوڑ کر موضع جھٹلی جا کر آباد ہو گئے۔ ایک دن گاؤں کے آدمی مجتمع ہو کر آپ کی خدمت میں آئے اور بیان کیا کہ حضرت گاؤں کو گنگا کاٹتی چلی آتی ہے۔ اگر یہی حال رہا تو ہماری بستی دریا برد ہو جائے گی۔ ایسی ہمت فرمایئے کہ دریا ہٹ جائے۔ فرمایا کہ تم سب لوگ پھاوڑے اور کدال لے کر آجاؤ۔ وہ آگئے تو آپ نے بھی کدال سنبھالا اور سب کو حکم دیا کہ کڑاڑہ کو کاٹ کر دریا میں ڈالو کہ دریا ہٹ جائے۔ وہ نادان اس رمز کو کیا سمجھتے بولے کہ صاحب اس میں تو اور ہمارا ہی نقصان ہے۔ فرمایا کہ بھائی ہم نے اسی طرح دریا ہٹتے سنے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ ارے چلو بھئی یہ تو خبطی سا معلوم ہوتا ہے وہ تو چل دیئے اور آپ بذات واحد دن بھر مٹی کاٹ کر دریا میں ڈالتے رہے۔ شام کو گھر تشریف لائے۔ صبح کو لوگوں نے جا کر دیکھا تو دریا تین کوس پرے ہٹ گیا تھا۔ سب متعجب ہوئے اور حاضر خدمت ہو کر اپنے قصور کی معافی چاہی اور پوچھا کہ حضرت یہ کیا بھید تھا۔ فرمایا کہ میاں جدھر رب اُدھر سب بھلا اس کی مرضی کے خلاف ہم کیا کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو کڑاڑہ کا گرانا منظور تھا ہم بھی گرانے لگے۔ جب ہم نے خدا کی مرضی پر کام کیا تو خدا نے ہمارا مدعا پورا کر دیا۔

www.ksars.org

حضرت ذوالنون بصریؒ کے ایک مرید نے بے حاصلی کا گلہ کیا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ پڑھتے ہو سب چھوڑ دو۔ اس نے سب درود وظائف ترک کئے لیکن عشاء کی نماز کے صرف چار فرض پڑھ کر سو رہا۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا کہ گھبراؤ مت اور اپنے پیر قطاع الطریق سے کہہ دو کہ تم لوگوں کو گمراہ کرتے ہو یا ہدایت۔ صبح دم کیفیت معاملہ حضرت ذوالنونؒ سے گزارش کی بولے کہ شاید تم نے فرض پڑھے تھے۔ ارے کمبخت اگر فرض بھی نہ پڑھتا تو خود سرکار تشریف لاتے۔ خیر اب ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ زبردست کا واسطہ درمیان ہے تم جانو اور وہ جانیں۔

ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں طلب کیمیا کے واسطے جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ بزرگ بولے کہ ہم تجھ کو کچھ دیں گے چونکہ وہ دنیادار تھا سمجھا کہ شاید کیمیا بتلادیں گے۔ فقیر صاحب اس کو غسل کرا کے کپڑے پہنا کر جنگل میں لے گئے اور ایک جگہ بٹھا کر کہا تو بیٹھا رہ، ہم آتے ہیں۔ یہ کہہ کر چل دیئے اور ایک مہینے تک نہ آئے۔ وہ ان کو صادق الوعد سمجھ کر وہیں بیٹھا رہا بعد مہینے بھر کے آئے اور کہا کہ اب تو ذرا کھڑا رہ ہم آکر اکسیر دیں گے۔ سات روز تک اسی مقام پر کھڑا رہا پھر آئے اور کہا کہ اچھا بیٹھ جا اس سے بمشکل بیٹھا گیا اس کے بعد تعلیم و تلقین فرمائی اور وہ شخص نہایت صاحب کمال ہو گیا۔

خلیفہ بغداد حضرت شبلیؒ کا مرید تھا اور از راہ حسن ارادت اپنے ملازمین کو حکم دیا تھا کہ اگر کسی مجرم کی نسبت ہزار بار حکم قتل صادر ہو اور حضرت پیر و مرشد اس کی رہائی کے لئے ایما فرمادیں تو بلا اطلاع سلطانی فوراً رہا کر دو۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ تذکرہ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ جب مجنوں عاشق ہوا اور عشق مشتہر ہوا تو امتحان کے لئے لیلیٰ نے ایک آدمی بھیجا کہ مجنوں سے ایک پارۂ گوشت مانگ لاؤ۔ اس نے مجنوں کو یہ پیغام سنایا۔ پوچھا کہ کہاں کا گوشت طلب کیا ہے۔ اس نے لیلیٰ سے پوچھا کہا کہ ابھی کچا ہے مرتبہ ناسوتی میں ہے۔ چند مدت کے بعد پھر ایک آدمی گوشت کی طلب میں پہنچا تو مجنوں نے جواب دیا کاٹ کر لے جاؤ اس نے آکر لیلیٰ سے بیان کیا کہا کہ ہاں اب عشق میں آیا ہے اور یہ مرتبہ ملکوتی ہے۔ جس طرح شاہ منصور نے انا الحق کہا تھا یہ مرتبہ جبروتی اور فنافی العشق ہے۔ چند روز کے بعد

www.ksars.org

صرف لیلیٰ لیلیٰ کہنا شروع کیا۔ مرتبہ لاہوت و توحید ہے۔ بعد اس کے گم گشتگی پیدا ہوئی نہ لیلیٰ یاد رہی نہ مجنوں یہ مرتبہ ہاہوت ہے۔ نہ خود نہ خودی نہ خدا کچھ باقی نہ رہا نہ ذکر نہ مذکور۔

عشق حقیقی ہو یا مجازی آثار و اطوار عشق بہر صورت یکساں ظہور کرتے ہیں۔ شاہ منصور کو بھی غلبہ عشق تھا اور مجنوں کو بھی لیکن ان کو تو مرتبہ انا الحق میں عشق کے زور شور نے مار رکھا مگر جنوں کوئے لیلیٰ سے گزر گیا۔ شاہ منصور کی حالت اس شعر کے مطابق تھی:

بعد از فنا بھی لے نہ گئے کوئے یار میں

کیا بار تھا صبا مری مشت غبار میں

اور مجنوں صحرا نورد و خانماں برباد کی کیفیت اس شعور کے موافق تھی:

آوارگان عشق کا پوچھا جو میں نے نشاں

مشت غبار لے کے صبا نے اڑا دیا

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب راجہ جنگ کے دل میں درد طلب پیدا ہوتا تو تمام فقراء کو جمع کیا اور کہا کہ کوئی ایسا ہے جو مجھے تعلیم کرے لیکن شرط یہ ہے کہ اسی وقت گیان ہو جاوے۔ سب نے انکار کیا اور کہا کہ یہ قدرت ہم میں نہیں البتہ جو طریقہ سلوک کا ہے وہ ہم تعلیم کر سکتے ہیں۔ یہ حال اشٹا بکر منی (ہندو فقیر کا نام ہے اور اس کے جسم میں آٹھ خم تھے اس واسطے نام اس کا اٹ بکر ہوا۔ شٹ کہتے ہیں آٹھ کو) نے سنا اور راجہ سے کہا کہ میں تم کو تعلیم کروں گا بشرطیکہ جو چیز میں تم سے طلب کروں مجھ کو دے دو۔ راجہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اول اشٹا بکر نے کہا کہ جتنا تمہارا راج پاٹ ہے سب مجھ کو دے دو، راجہ نے کہا۔ میں نے دیا۔ پھر کہا جس قدر تمہارا مال و اسباب اور گھر بار ہے۔ سب میرے حوالہ کرو۔ راجہ بولا کہ یہ بھی لو۔ پھر اشٹا بکر نے کہا کہ اچھا اپنی جورو بچے بھی میری نذر کرو، راجہ نے کہا بہت خوب حاضر ہیں۔ پھر اشٹا بکر نے کہا کہ اپنا جسم اور اپنی جان بھی ہم کو دے دو۔ راجہ نے کہا یہ بھی لے لیجئے پھر اشٹا بکر

www.ksars.org

نے کہا کہ اے راجہ جنگ جب تمہاری کوئی چیز نہ رہے یہاں تک کہ جسم و جان بھی تو سوچو کہ اب تم کون ہو اور تمہارا کیا ہے۔راجہ نے غور کیا اور سمجھا کہ در حقیقت میرا تو نہ کچھ پہلے تھا نہ اب ہے صرف جھوٹا دعویٰ تھا۔

مرشد کی اطلاع مرید پر لازم ہے۔ مرشد کے حکم کی تعمیل میں فرق اور امتیاز کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ مرشد خدا کا نمائندہ ہے۔ مرشد کی اطاعت نہ ہونے سے روح کمزور ہو جاتی ہے۔ مرشد کے سامنے مرید موم کی گڑیا ہے تاکہ وہ جدھر چاہے اسے موڑ دے۔ بولنا، لکھنا، پڑھنا، چپ رہنا، کوئی کام کرنا یا نہ کرنا سب مرشد کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ مرید کو مرشد کے ہاتھوں میں ایسا ہونا چاہئے جیسے بوڑھے اور ضعیف آدمی کے ہاتھ میں لاٹھی۔ ایک بے جان مادی چیز۔ جس کو جہاں مرشد چاہے اٹھا کر رکھ دے۔ کہا جاتا ہے کہ مرشد اگر مرید کو حکم دے کہ کنوئیں میں کود جا۔ مرید تعمیل حکم میں کنوئیں میں کود گیا مگر اسے یہ خیال آ گیا کہ مرشد خود ہی بچا لے گا تو یہ مرشد کی نظر میں حکم کی تعمیل نہیں ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک دوست تھا مگر نادان، اس نے حضرت سے درخواست کی کہ مجھ کو اسم اعظم سکھا دیجئے، بہت انکار کیا اور سمجھایا کہ تو اس قابل نہیں ہے۔ اس نے نہ مانا اور نہایت اصرار کیا۔ مجبوراً بتلایا اور امتحان بھی کرا دیا لیکن منع فرمایا کہ آئندہ تو اس کو کام میں نہ لانا ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ یہ فرما کر چل دیئے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ بھلا اب تو دیکھوں اسم اعظم تاثیر کرتا ہے یا نہیں۔ کچھ ہڈیاں نظر آئیں ان پر اسم پڑھا فوراً ایک شیر خونخوار زندہ ہو کر غرایا اور اس کو پھاڑ کھایا۔ جب حضرت اس راہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ وہ مرا ہوا پڑا ہے۔ اور شیر کھا رہا ہے۔ شیر سے پوچھا تو نے اسے کیوں مارا۔ جواب دیا کہ یہ شخص میرا خالق تو بنا تھا مگر رزق کی فکر نہ کی اس لئے میں نے اس کو کھا لیا۔

ایک شخص کسی فقیر کے پاس مرید ہونے گیا۔ انہوں نے چار ٹکے دیئے اور فرمایا کہ آج کسی کسبی کے پاس رہو پھر آؤ گے تو مرید کر لیں گے۔ وہ شخص متشرع تھا لاحول پڑھ کر چلا گیا کہ اچھے پیر ملے اور خوب ہدایت کی۔ اتفاق سے اسی شب کو بیوی کے پاس گیا نطفہ نے قرار پایا اور لڑکی پیدا ہوئی۔ جب سن بلوغت کو پہنچی تو فاحشہ ہو گئی اور بازار میں جا بیٹھی۔ اس شخص کی ایسی بدنامی ہوئی کہ منہ دکھانے کو جگہ نہ رہی پھر اسی فقیر کی خدمت میں پہنچا اور اپنا درد دل بیان

www.ksars.org

کیا۔انہوں نے فرمایا کہ اس روز کے چار ٹکے تو اسی لئے تھے کہ یہ بلا تمہارے گلے نہ پڑے، رنڈیوں میں پیدا ہوتی اور رنڈی بنتی تمہارا نام بدنام نہ ہوتا لیکن تم نے نہ مانا اب اپنے کئے کو بھگتو۔

ایک مرید نے اپنے پیر سے پوچھا کہ پیر کا حق مرید پر کیا ہے اور مرید کا حق پیر پر کیا ہے۔اس بزرگ نے جواب دیا کہ اچھا بتادیں گے۔چند روز کے بعد جس وقت وہ مرید راسخ الاعتقاد حاضر ہوا پہلے اس سے کہ وہ بیٹھے پیر نے حکم دیا کہ چلے جاؤ وہ مرید فوراً ایک طرف کو چل دیا۔ساتویں روز ایک شہر کے قریب پہنچا وہاں ایک امیر اسی بزرگ کا مرید تھا۔اس کو اس مرید مسافر کا حال منکشف ہوا اس نے اپنے پاس بلایا اور پوچھا تم کہاں جاتے ہو۔اس نے کیفیت بیان کی اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاتا ہوں۔تب اس نے کہا کہ تم کو میرے ہی پاس بھیجا ہے آؤ ٹھہرو۔ چند روز کے بعد ایک ہزار دے کر رخصت کیا اور کہہ دیا کہ بس واپس چلے جاؤ۔وہ چلا تو اثنائے راہ میں ایک شہر میں داخل ہوا۔اتفاقاً ایک بازاری عورت جو حسن و جمال میں بے مثال تھی۔فریفتہ ہو گیا اور وہ ہزار روپیہ دے کر اس سے ملاقات ہوئی۔جب ارادہ فاسد کیا تو غیب سے ایک طمانچہ لگا تین بار یہی معاملہ گزرا۔عورت نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔اس نے تمام سرگزشت بیان کی وہ بولی کہ معلوم ہوا تمہارا شیخ مرد کامل ہے۔اس خیال باطل کو چھوڑو اور ہم تم دونوں ان کی خدمت میں چلیں اور یہ لو اپنا روپیہ۔آخر دونوں پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔عورت نے افعال سابقہ سے توبہ کی اور اس شخص سے نکاح کر لیا۔چند روز کے بعد اس مرید نے پھر وہی سوال کیا تو شیخ نے جواب دیا کہ پیر کا حق وہ تھا جو تو نے ادا کیا یعنی بغیر چوں چرا ہمارے حکم کی تعمیل کی اور مرید کا حق وہ تھا جو تجھ پر گزرا۔

اس واقعہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مرید اپنے مرشد کی ہر بات پر بلا چوں چرا عمل کرے تو تب ہی اسے علم حاصل ہو سکتا ہے۔مرید جب مرشد کی بات پر عمل کرتا ہے تو مرشد بھی اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ہر مشکل گھڑی میں اس کو باطنی قوت سے نکالتے ہیں۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں کہ روحانی استاد جو علم حاصل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے ایسا ربط اور تعلق قائم ہو جائے کہ بندہ بہترین غذا کھائے، بہترین لباس پہنے، بہترین

www.ksars.org

گھر میں رہے، بہترین خوشبو لگائے، بہترین باغ درختوں کے سائے میں تیور میں آوازیں سنے، ہوا سے جھومتے درختوں کے ساز سنے لیکن ذہن اللہ سے اِدھر اُدھر نہ ہو۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے وفات سے پہلے امیر خسرو کو نصیحت کی تھی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو تم شہر کی فلاں حد سے آگے نہ آنا و گرنہ کوئی خلاف مشیئت کام ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے سچے اور حقیقی عاشق نے آپ کے حکم کی تابعداری میں شہر کی وہ حد پار نہ کی۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے پاس آپ کی بہن آپ کے بھانجے صابر پاکؒ کو لے کر آئی کہ اسے بھی علم سے نوازیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے خانقاہ میں چھوڑ جاؤ۔ صابر پاکؒ کو خانقاہ میں چھوڑ دیا گیا اور آپ کی ڈیوٹی روٹیوں کے اوپر لگا دی گئی اور حکم دیا کہ خانقاہ میں روٹیاں تقسیم کیا کرو۔ کچھ عرصے بعد آپ کی بہن دوبارہ آئی تو دیکھا کہ بیٹا صابر تو پہلے سے بھی زیادہ دبلا ہو گیا ہے۔ آپ نے بابا فرید سے اس سلسلے میں بات کی تو بابا فرید نے بلا کر پوچھا کہ کیا تم روٹی نہیں کھاتے تو حضرت صابر پاکؒ نے فرمایا کہ حضور آپ نے صرف تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا، کھانے کا نہیں۔

تذکرہ اولیاءؒ میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک بزرگ کے دو بھائی مرید تھے۔ بزرگ دونوں بھائیوں میں سے ایک بھائی کے ساتھ بہت سلوک پیار محبت اور دوستی کا کرتے جبکہ دوسرے کو یہ التفات نصیب نہ تھے۔ اس نے اس بات کو کئی دفعہ محسوس کیا لیکن ادب کی خاطر کچھ نہ کہتا تھا۔ آخر ایک دن صبر نہ ہو سکا۔ ہلکے سے لہجے میں مرشد کریم سے اس بات کی شکایت کی۔ بزرگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اونٹ کا ایک بچہ لاؤ۔ اونٹ کا بچہ لایا گیا۔ آپ نے اس بھائی کو جس نے شکایت کی تھی کہا کہ میں اس کو چھت پر پہنچاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تو کافی بڑا ہے مجھ سے اٹھا کر سیڑھیاں چڑھکر اوپر نہیں پہنچایا جائے گا۔ پھر آپ نے اس کے دوسرے بھائی سے کہا جس سے بڑی محبت تھی کہ اس کو اوپر پہنچاؤ۔ اس نے اپنا سر اونٹ کے بچے کے نیچے دیا اور لگا زور لگانے مگر اونٹ کا بچہ تو بہت بڑا تھا۔ حقیقت میں تو وہ کبھی بھی اٹھایا نہ جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ پسینے میں شرابور ہو گیا اور تھک ہار کر واپس آ گیا اور مرشد کریم سے کہا کہ حضور میں نے اپنی پوری کوشش صرف کی لیکن یہ نہیں اٹھایا گیا۔ مرشد کریم نے اس کے بھائی سے

www.ksars.org

مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں اور اس میں یہی فرق ہے کہ تم نے حکم نہ مانا اور چوں چرا کی لیکن باوجود اس کے کہ اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ نہ اٹھایا جائے گا پھر بھی اس نے حکم کی تعمیل میں کوشش کی اور اس کی اسی بات نے اس کو تم سے افضل کیا ہے۔

حضرت سید علی بن دقاقؒ فرماتے تھے کہ مرید پر لازم ہے کہ اپنے تمام وسائل اسباب اور معمولات شیخ کے قدموں پر ڈال دے۔ نہ اپنے علم پر اعتقاد کرے نہ اپنے عمل پر بلکہ یقین کرے کہ تمام بھلائیاں مجھے شیخ ہی کے واسطے سے پہنچیں گی۔

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک دن حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ امام جعفرؒ نے فرمایا۔ ''بایزید! کتاب طاق سے اٹھا کر دو دو۔'' آپ نے پوچھا کون سے طاق سے حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا عرصہ سے تم یہاں آتے ہو اور ابھی تک تمہیں طاق کا پتہ نہیں۔ بایزیدؒ نے دست بدست عرض کی۔ ''حضور مجھے اس سے کیا کام کہ آپ کی موجودگی میں سر اٹھاؤں۔''

مستقل مزاجی:

سالک پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ احوال و واردات کی بندس ہو جاتی ہے ایسے وقت میں پر امید رہنا چاہئے رنجیدہ و مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

جو شخص ایک جگہ تعلق رکھتا ہے وہ ہر جگہ سے فیض حاصل کر لیتا ہے اور جو شخص ہر جگہ تعلق رکھتا ہے وہ کسی جگہ سے بھی فیض یاب نہیں ہوتا۔

حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی توکلیؒ اپنی کتاب محبوب السلوک میں لکھتے ہیں:

''اگر تم سے نسبت باطنی کی کوئی کیفیت مثل انکشاف وغیرہ کے کچھ ظاہر نہ ہو یا انوارات کے رنگ وغیرہ معلوم نہ ہوں تو طریقہ کی تعلیم سے ہمت نہ ہار بیٹھو۔ کیونکہ یہ تمام امور اصل مقصود نہیں۔ مقصود حقیقی اسی راستہ کی

www.ksars.org

رضائے الٰہی جل شانہ ہے۔اس کے واسطے تم اپنے دل میں غور و فکر مت کرو کہ بیعت سے پہلے میرے اندر اس قدر فضائل موجوب ناراضگی حق تعالیٰ موجود تھے اور اب اس عرصہ کے اندر ان میں کس قدر جاتے رہے اور آئندہ کتنی عادتوں سے مجھ کو نفرت ہو چلی ہے۔جب یہ فرق تم کو معلوم ہو جائے تو سمجھو کہ ایک نہ ایک دن ضرور یہ تمام بری خصلتیں میرے اندر سے بطفیل اس مرد کامل کے نیست و نابود ہوں کہ خدائے تعالیٰ کی رضا مجھ پر وارد ہو جائے گی۔بہ نسبت ان توہمات یہ غور و فکر تم کو جلد منزل مقصود پر پہنچادے گا۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپ پر اچانک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ باآواز بلند فرمانے لگے "یہی کہتی رہو، یہی کہتی رہو، یہی کہتی رہو۔"

یہ بات تین مرتبہ دہرانے کے بعد میاں صاحب سجدے میں گر گئے اور زار و قطار رونے لگ گئے۔کافی دیر بعد سجدے سے اٹھے اور دعا فرما کر خدا کا شکر ادا کیا۔آپ کے مرید بہت زیادہ پریشان تھے اور جلد از جلد اس حیرت انگیز کیفیت کی وجہ جاننا چاہتے تھے مگر کسی کو ہمت نہ تھی کہ وہ پوچھنے کی جسارت کرتا۔آخر ایک مرید نے میاں صاحب سے ہمت کر کے آپ کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا۔میاں صاحب قدرے توقف کے بعد فرمانے لگے:

"دراصل ہمارے گھر کی مہترانی وفات پا گئی ہے اور اس وقت قبر میں اس سے جب حساب کتاب ہونے لگا تو وہ کہنے لگی کہ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔میں تو بس میاں شیر محمد کی مہترانی ہوں۔"

میاں صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ میں نے جب قبر میں سے اس کی یہ آواز سنی تو اس کو یہاں سے جواب دیا کہ یہی کہتی رہو، یہی کہتی رہو۔اس کے بعد میں خدا سے سر بسجود ہو کر گڑگڑایا ہوں کہ خداوند کریم اس عورت نے بخشش کے لئے میرا وسیلہ بنایا ہے تو اپنے حبیب کے طفیل میری لاج رکھ لے اور اس کو بخش دے اور جب تک مجھے یقین نہیں دلایا گیا کہ اس کی بخشش ہو گئی ہے میں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔

بیعت کے بعد مرید کا مستقل مزاجی کے ساتھ ٹھہرا رہنا نہایت ضروری ہے۔ہر کام میں وقت لازمی درکار ہوتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ سب کچھ فوراً ہی حاصل ہو جائے۔سولہ سال کا کورس آٹھ ماہ میں مکمل ہو جائے۔آٹھ

www.ksars.org

ماہ کی مدت میں بچہ الف ب لکھنا بھی نہیں سیکھتا۔ کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کا اختیار خود انسان کے ذوق و شوق پر منحصر ہے۔ایک شخص تیس سال کی عمر میں کسی سلسلے میں داخل ہوتا ہے۔ گذشتہ تیس سال کے عرصے میں وہ اپنے اندر شکوک و شبہات، حرص وہوس کی کثافتیں جمع کرتا ہے۔اب ہونا تو یہ چاہئے کہ تیس سال ہی کثافت کی صفائی میں لگیں۔ اگر تیس سال صفائی میں لگیں تو عمر ساٹھ سال ہوگئی۔ ساٹھ سالہ شخص وہ سب کچھ نہیں کر سکتا جو تیس سالہ شخص عبادت وریاضت کر سکتا ہے۔ ساٹھ سال کی عمر تک اعصاب بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اگر محض تین ماہ کسی سلسلے میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص کہے کہ کچھ حاصل نہیں ہوا تو کچھ مناسب نہیں کیونکہ اتنے عرصہ میں تو ABC نہیں سیکھی جاسکتی۔ اگر تین مہینوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سلسلے کی طرف سے ملنے والے اسباق پابندی سے نہیں کئے گئے ناغہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ناغہ کرنے پر تو ملازمت سے بھی برطرف کر دیا جاتا ہے۔

خواجہ محبوب عالم قدس سرہ اپنی کتاب محبوب السلوک میں لکھتے ہیں:

"جب تم نے اس راستے کو اختیار کر لیا تو واجب ہے کہ ہمت عالی رکھو۔ پست ہمتی اور کم ظرفی نہ اختیار کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اور مرشد کامل تم کو تمہاری اعلیٰ ہمتی کے طفیل اعلیٰ مدارج سے فیض یاب کرے۔"

مرید کے لئے لازم ہے کہ مرشد کی خدمت میں صبر کرتا رہے۔ سچے مرید کی علامت یہ ہے کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری کرے نہ کہ مرشد سے دلیل محبت طلب کرے اور صبر کو ترک کر دے۔ شیخ کی خدمت بجالانا اور صبر کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرنا اور اس کی مخالفت کو ظاہر اور باطن میں ترک کرنا واجب ہے۔

طالب کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس کی شہرت ہو یا وہ پوشیدہ رہے کیونکہ شہرت کا طالب کافر ہے اور جو شہرت کے خوف سے عبادت ترک کرے وہ منافق ہے۔ مرید کو چاہئے کہ ہر حال میں خوش رہے اور صبر سے کام لے۔ اگر مرشد عزت دے تو عزت اختیار کرے اور اگر ذلت دے تو صبر کرلے۔ اگر مرید مشہور ہو جائے تو یہ نہ سمجھے کہ میں کچھ بن گیا ہوں۔ شہرت کو اپنے اعمال کا نتیجہ نہ جانے بلکہ ایک امتحان سمجھے۔ اگر اس کا نفس شہرت کے ساتھ مطمئن ہو گیا تو وہ آئندہ ترقی سے محروم رہا۔ شہرت کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ مطلوب کی طرف سے کہیں یہ جواب

www.ksars.org

نہ مل جائے کہ تونے اگر ہمارے واسطے محنت ومشقت اٹھائی تو کیا ہوا ہم نے بھی اپنے بندوں کو تیری طرف متوجہ کر دیا تھا جو تیری تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جو لوگ سلاسل میں خدمت کرتے ہیں ان کے لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ غیر ارادی طور پر ان میں بعض اوقات شہرت کی طلب پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذمہ داریوں کو شیخ کا احسان سمجھیں اور جب بھی شیخ کے پاس آئیں تو یہ تصور کریں کہ میں پہلے دن شیخ کے پاس جا رہا ہوں۔ اس سے گذشتہ خدمت کا خیال جاتا رہے گا اور اپنے اندر عجز وانکساری پیدا کرے۔

جب انسان اندر سے پاکیزہ ہو جاتا ہے اور شہرت اور عزت کی طلب اس میں سے ختم ہو جاتی ہے اور بندہ خدا سے محبت کی وجہ سے اس کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس بندے سے محبت کرتا ہے اور مخلوق کو اس کی طرف جھکا دیتا ہے۔ محبت کا پہلا امتحان یہی ہے کہ مخلوق اس کی طرف مائل ہو۔ لہٰذا راحت اور مرتبہ و منزلت کی انا نہیں کرنی چاہئے، اہل دنیا کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ طالب کو چاہئے کہ امیر و غریب کا امتیاز اپنے اندر سے ختم کرے اگر کوئی امیر اور عزت دار ملے تو مخلوق خدا ہونے کے ناطے اس کی عزت کرے نہ کہ اس کے رتبہ کے باعث۔

میر پنجہ کش صاحب دہلوی بہت بڑے خطاط تھے۔ میر صاحب کا دستور تھا کہ جب کوئی لڑکا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اول روز اس کے ہاتھ سے ایک تختی لکھواتے اور اپنے پاس رکھ لیتے۔ جب کوئی شاگرد شکایت کرتا کہ حضرت اتنی مدت گزری لیکن میرا خط درست نہیں ہوا تو اس کی پہلی لکھی ہوئی تختی نکال کر سامنے رکھ دیتے کہ اس سے مقابلہ کرو کتنا فرق ہوا ہے۔ جب پہلی تحریر دیکھتا تو فرق معلوم ہوتا اور شاگرد کی تسکین ہو جاتی۔ ایسا ہی حال طالبان طریق کا ہے کہ جب تعلیم بتدریج حاصل ہوتی ہے تو امتیاز معلوم نہیں ہوتا اور طالب کو تشنگی طلب بدستور رہتی ہے اور خیال کرتا ہے کہ ابھی کچھ حاصل نہیں ہوا حالانکہ مرد کامل کی صحبت اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

جب بیجو باورہ فن موسیقی میں مشہور ہوا تو اکبر بادشاہ نے اپنی مجلس میں اس کو طلب کیا۔ اس نے بہ تعمیل حکم شاہی اپنا راگ شروع کیا چونکہ اہل محفل کی طبائع اس کی متحمل نہ ہو سکیں ایسی حالت ہوئی کہ کچھ خط و لطف اور حسن و قبح راگ کا محسوس نہ ہوا اور کسی نے اس کے کمال کی تعریف و توصیف نہ کی جبکہ اسی طور سے ایک ہفتہ تک اس کا

www.ksars.org

راگ سنتے رہے تو سامعین کو ان کے نغمات کی برداشت ہو گئی اسی وقت سب نے کیفیت سماع اٹھائی اور کہا کہ اب خوب گاتا ہے۔ یہی حال دربار قلندری کا ہے کہ جب طبیعت متحمل ہو جائے تو کیفیت منکشف ہو جاتی ہے مگر اس کے لئے صبر و استقامت اول شرط ہے۔

حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ ایک کامل کا قول ہے کہ بولنے اور تقریر کرنے کے لئے بہت عقل اور حکمت درکار ہے لیکن چپ رہنے کے لئے اس سے بھی زیادہ عقل درکار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان انتہائی درجہ کمال پر پہنچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں سمجھا اور اسی بنا پر چپ ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت اس کے اہل علم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ انسان کی تکمیل اس میں نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں کمکل ہو گیا بلکہ وہ اپنے اندر عجز وانکساری پیدا کرنے اور مکمل ہونے کی جستجو کر لینے یا مکمل ہو جانے کا دعویٰ تکبر اور سرکشی کو ظاہر کرتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ کو تکبر اور سرکشی بالکل پسند نہیں ہے اور انکساری و عجز وہ منازل ہیں جن کو سر کر لینا انسان کو اوج کمال تک پہنچا دیتا ہے۔ آپ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا راستہ عاجزی ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے تھے کہ اگر شیخ بغیر کسی ظاہری وجہ کے اپنے مرید پر سختی کرے تو بھی مرید صبر کرے اگر پختہ ارادہ اور عاجزی لے کر آئے گا تو قبولیت پائے گا۔

ایک جوہری تھا جب مرنے لگا تو اپنے فرزند کو وصیت کی کہ میں تیرے واسطے ایک صندوق چھوڑتا ہوں اس میں ایک تو جوہر بیش بہا ہے اور ایک پتھر ہے تو کسی جوہر شناس کو دکھا لینا وہ بتلا دے گا۔ جب باپ کا انتقال ہو گیا تو جوہری بچہ ایک جوہری کے پاس اپنا جوہر اور پتھر لے گیا اور شناخت کی درخواست کی اس نے کہا کہ تو پانچ برس تک میری ملازمت اختیار کر تب بتلاؤں گا۔ وہ راضی ہو گیا اور پانچ سال تک جوہری کی دکان پر کام کرتا رہا اس عرصہ میں اقسام وانواع کے جواہرات اس کی نظر سے گزرے یہاں تک کہ اس کو ایک بصیرت اور ملکہ شناخت جواہرات کا حاصل ہو گیا۔ بعد مدت موعود کے سوال کیا کہ صاحب اب وعدہ پورا کیجئے۔ اس نے کہا کہ اب اپنے جواہر لاؤ لایا تو پوچھا کہ اب تو خود بتلا کہ ان میں جوہر کون سا ہے۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ اس وقت جوہری نے کہا کہ میری غرض اس تامل سے یہی تھی کہ تو خود

www.ksars.org

عارف جوہر ہو جائے۔ اگر اول روز میں بتلا دیتا تو نہیں معلوم تجھ کو یقین آتا یا نہ آتا اور تو کس قیمت پر اس کو دے ڈالتا۔ اب کہ تجھ کو عرفان حاصل ہو گیا اور تو خود واقف وشناسا ہو گیا اختیار ہے جو چاہے سو کر کسی کا دھوکہ نہیں کھا سکتا۔

اکثر مریدین کا تو یہ حال ہے کہ آج مرید ہوئے وظیفہ پوچھ گئے۔ دوسرے دن شکایت کرتے ہیں کہ کچھ اثر نہیں ہوا۔ یہ نہیں سوچتے کہ عمر بھر کی کثافت کو ایک دن کا وظیفہ کیا دور کر سکتا ہے اور مرشد کو ایسی کیا غرض پڑی ہے کہ اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر دوسروں کے حال پر متوجہ ہو بالفرض ایسا بھی کرے تو مرید کا تمام عمر کا علم مٹانا اور اس کی بجائے اپنے علم کو جمانا کوئی ہتھیلی کی سرسوں نہیں ہے۔ ہاں رفتہ رفتہ عرصہ دراز کی صحبت میں اصلاح حال خوب ہوتی ہے۔

لوہار لوہے کو گرم کرتا ہے پھر چوٹ لگا کر بڑھاتا ہے یا سنار آہستہ آہستہ کُوٹ پیٹ کر تار کو بار بار جنتری میں نکالتے ہیں تب وہ تیار ہوتا ہے۔ اگر بے ڈھنگے طور پر زور آور ہوں تو کیا ہو گا فوراً چیز ٹوٹ پھوٹ کر خراب ہو ضائع ہو جائے گی۔ پس ہر کام میں صبر ضرور ہے۔

☆ بزرگوں کا یہ فرمان ہے کہ اگر مال دینے سے جان بچے تو مال کو فدا کر دو اور مال و جان کے دینے سے عزت قائم رہے تو جان و مال کو فدا کر دینا چاہئے اور اگر مال و جان و عزت تینوں کے قربان کرنے سے دین ہاتھ آوے تو ان سب کو دین پر قربان کر دینا چاہئے اور اگر سب کے عوض میں خدا ہاتھ آوے تو دین کو نثار کر دینا واجب ہے۔ مال و جان و عزت و دین سب دے دے مگر خدا کو حاصل کرے۔

ذوق وشوق:

بالِ جبریل میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

گاہ سجیلہ می بروگاہ بروزمی کشہ

www.ksars.org

عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب

عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق

وصل میں مرگِ آرزو، ہجر میں لذتِ طلب

☆☆☆☆☆

عینِ وصال میں مجھے، حوصلہ نظر نہ تھا

گرچہ بہانہ جو رہی، میری نگاہِ بے ادب

گرمیِ آرزو فراق، شورشِ ہائے و ہُو فراق

موج کی جستجو فراق قطرہ کی آبرو فراق

آپؒ کہتے ہیں کہ اہلِ عشق کو کسی کام کی تکمیل میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ یہی جذبہ ذوق و شوق اور سوز و اضطراب اسے کشاں کشاں اپنی منزل تک کسی حیلے بہانے کے ساتھ یا کشش ذوق کے باعث کھینچ کر لے جاتا ہے۔ گرمی آرزو ہمیشہ فراق میں ہی پائی جاتی ہے اور ہائے وہُو میں موجود یہ گرانمایہ سوزش بھی فراق ہی کی بدولت ہوتی ہے۔ موج بھی فراق کے باعث محو جستجو رہتی ہے اور قطرے کی آبرو بھی فراق میں ہی پائی جاتی ہے کیونکہ جب قطرہ سمندر میں مل جاتا ہے تو اپنی انفرادی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے گو سمندر کے ساتھ اس کا وصال اس کی موت کا باعث بنتا ہے۔

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت معین الدین چشتیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ اور دوسرے بہت سے بزرگ اس لئے اعلیٰ ہیں کہ ان میں ایسی صلاحیتیں موجود تھیں جو ہم میں

www.ksars.org

نہیں۔ ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ ایک ان پڑھ شخص بھی کوشش کرے تو وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کے بعد اپنے اندر چھپی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکتا ہے مگر اس کے لئے ذوق و طلب، تمنا، جستجو اور پر امید لگن کا پایا جانا ضروری ہے۔ علامہ اقبالؒ کا قول ہے کہ:

"انسان اپنی تکمیل کے لئے خارج کا محتاج نہیں۔"

وہ خود اپنا مرکز اور محور ہے اور اس دنیائے رنگ و بو کی معنویت اس کے وجود سے وابستہ ہے اور یہی اشارہ قرآن سے بھی ملتا ہے:

وفی انفسکم افلا تبصرون

"تمہارے اندر وہ سب نشانیاں موجود ہیں تم غور کیوں نہیں کرتے۔"

اپنی حالت شیخ پر ظاہر کرنا:

سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حالت یا کیفیات اپنے شیخ پر ظاہر کرتا رہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ شخص عقلمند نہیں ہے جو اپنی حالت کا اظہار طبیب پر نہ کرے۔ حضرت شیخ محمد بن سلمہؒ سے روایت ہے کہ ہر وہ مرید جو دن اور رات میں اپنے حالات و واردات کے متعلق سوال نہ کرے تو وہ طریق تصوف کا سالک نہیں ہے۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ استاد کے احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہو جو کچھ راہ سلوک میں ہو اس کے متعلق شیخ سے رجوع کرے اس کی تعظیم و حرمت کا خیال رکھے اور اعلانیہ اور پوشیدہ اس پر اعتراض کرنے سے باز آئے۔

www.ksars.org

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے احوال کو اس قابل نہیں جانتے کہ شیخ سے عرض کریں۔ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس معاملہ میں کسر نفسی سے کام نہ لیں کیونکہ احوال کا لکھنا غائبانہ توجہ کا باعث بنتا ہے اور گفتگو کا راستہ کھولتا ہے۔

طالب کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ہر بات شیخ سے عرض کرے بشرطیکہ شیخ کو اتنی فرصت بھی ہو۔اپنے دل کو شیخ کے سپرد کر دے۔دل کی خیریت شیخ سے چاہے۔شیخ کے ہاتھ میں مرید مثل بچہ کے ہے کہ اگر شیخ سے جدا ہو گا تو ہلاک ہو جائے گا۔لہٰذا شیخ جانتا ہے کہ کب بچہ کو کس طرح سنبھالنا ہے۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی اپنی کتاب آداب المریدین میں لکھتے ہیں کہ "سالک کو چاہئے کہ اپنی حالت شیخ پر ظاہر کرتا رہے اور ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ کہاں زیادتی ہوئی ہے اور کہاں نقصان ہے۔ "

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :

"جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو اس کو دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی برائی کرے گا تو اس کو بھی دیکھے گا۔"

وہ شخص عقل مند نہیں ہے جو اپنی حالت کا اظہار طبیب پر نہ کرے۔

ایک جماعت مریدوں کی حضرت شبلیؒ کے پاس حاضر ہوئی ان کو آپ نے غافل پایا کیونکہ انہوں نے کسی مسئلہ کے متعلق نہیں پوچھا۔اس پر آپ نے یہ شعر پڑھا:

کفی حذنا بالوالہ العیب ان یریٰ

منازل بن بھومی معطلقہ قفراً

)عاشق دیگر کے لئے یہ غم بہت ہے کہ وہ اپنے معشوق کے منازل کو خالی اور ویران دیکھے(

www.ksars.org

سالکین کے لئے ضروری ہے کہ اپنے معاملات کو شیخ کے سامنے ظاہر کریں۔ شیخ اس کی توجیہہ یا تعبیر بیان کرے یا نہ کرے۔ یہ شیخ پر منحصر ہے۔ شیخ سے کوئی راز کی بات جاننے پر اصرار نہ کرے اور جو مخصوص وقت شیخ کے ساتھ گزرا ہے ہر شخص سے اس بارے میں گفتگو نہ کرے۔ خواب میں اولیاء اور انبیاء کو دیکھنے کے بعد بھی وہ فضیلت اور خوشی نہ محسوس کرے جو اپنے شیخ کو دیکھنے کے بعد محسوس کرتا ہے۔ تمام بزرگان دین اور مشائخ کو صحیح راستے اور حق پر سمجھے لیکن اپنے شیخ کی راہ کو زیادہ قریب اور مفید سمجھے۔

خواجہ محبوب عالم نقشبندی توکلیؒ اپنی کتاب محبوب السلوک میں لکھتے ہیں کہ زمانہ سلوک میں اپنے تمام دل و جذبات خوابات و انکشافات کو کسی شخص پر بجز مرشد کامل کے ظاہر نہ کرو۔ اگر وہ نزدیک نہ ہوں تو بہتر تو یہی ہے کہ خط لکھ دو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اگلے مقام والے پیر بھائی سے بشرطیکہ اس پر یقین ہو کہ وہ امین ہے اس پر ظاہر کر دو مگر غیر سے ہر گز ظاہر نہ کرو اس میں نقصان ہے۔

بلا اجازت عمل:

مشہور بادشاہ علاؤالدین خلجی کو بو علی شاہ قلندرؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے ازراہ عقیدت کچھ تحائف آپ کی خدمت میں بھیجنا چاہے لیکن وہ آپ کی ناراضگی اور جاہ و جلال سے خوف زدہ تھا۔ امراء سے مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ تحائف امیر خسرو کے ذریعے بھجوائے جائیں۔

امیر خسرو کو فوراً طلب کیا گیا اور بادشاہ نے اپنی پریشانی بتائی اور کہا کہ تم یہ تحائف حضرت بو علی قلندرؒ کی خدمت میں لے جاؤ۔ امیر خسرو نے کہا:

"جناب آپ کا ارشاد بجا مگر میں بو علی قلندرؒ کے پاس اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک مجھے میرے مرشد عالی حضرت نظام الدین اولیاءؒ اجازت نہ فرما دیں۔ سلطان نے فوراً بات مان لی اور حضرت محبوب الٰہی کی

www.ksars.org

خدمت میں اپنا آدمی روانہ کیااور حضرت بو علی قلندرؒ کے پاس امیر خسرو کے جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فوراًاور بلاتامل اجازت مرحمت فرمادی۔

اس واقعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مریدین اپنے مرشد کی اجازت کے بغیر کوئی بھی عملی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔آج بھی اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کسی بھی کام کے سلسلے میں پیر و مرشد کی اجازت ضرور لینی چاہئے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ ایک دفعہ سیال شریف سے تونسہ مقدسہ زیارت کے لئے جا رہے تھے۔راستہ میں ایک جنگل سے گزر ہوا۔وہاں ایک نورانی شکل بزرگ سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے فرمایا کہ درود کبرت احمر پڑھا کرو۔آپ نے جواب دیا کہ میرے لئے پیر کا فرمان کافی ہے۔تونسہ شریف حاضر ہوئے تو مرشد کریم نے فرمایا کہ راستہ میں تمہیں ایک آدمی ملا تھا اس نے جو وظیفہ بتایا ہے وہ پڑھا کرو۔وہ صاحب حضرت پیران پیر دستگیر حضرت غوث الاعظمؒ تھے۔یہ درود پاک (اکبریت احمر) اس سے پہلے طریقہ چشتیہ کے ادوار میں شامل نہ تھا۔حضرت پیر سیال کے ذریعے یہ نعمتِ عظمیٰ چشتیہ سلسلہ کو نصیب ہوئی۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ اپنی کتاب تذکرہ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ زمانہ طفلی میں ہم کو ایک سنیاسی نے جڑتازی کپالی تعلیم کی (کپالی یعنی حبس دم) اس شغل میں حواس ظاہری مفقود ہو جاتے ہیں اور روح دماغ میں آ جاتی ہے جس خیال میں انسان بیٹھتا ہے اسی میں رہتا ہے جب ہم کو مشق ہو گئی تو ایک دن خیال آیا کہ دیکھیں تو دوسرے پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ہم نے اپنے بھائی کو کپالی چڑھائی اور وہ بالکل بیہوش ہو کر بشکل مردہ گر پڑے اتارنا ہم کو آتا نہ تھا نہایت حیرانی دامن گیر ہوئی کہ اب کیا علاج کریں۔والدہ صاحبہ کو خبر ہوئی مضطرب ہو کر تشریف لائیں اور فرمایا ایک تو گیا ہے دوسرا بھی چلا۔لوگ گمان کریں گے کہ اس نے بھائی کو مار ڈالا ہے۔ایک پیالہ دہی کا لا کر اس کے سامنے گرادیا جو آن کر پوچھتا اس سے فرماتیں نہیں معلوم کیا ہوا دہی کھا کر قے کی ہے۔میں گھبرا کر اس سنیاسی فقیر کے پاس گیا اور سارا حال بیان کیا انہوں نے بہت ملامت کی اور کہا کہ کیا تم کو اس واسطے یہ عمل سکھایا تھا کہ لوگوں کا تماشہ دیکھو۔ہم نے تو اس

www.ksars.org

لئے سکھلایا تھا کہ یادالٰہی میں مشغول رہو گے یہ کہہ کر ہمارے گھر آئے اور بھائی کے سر پر مشکیں چڑھوائیں جب تیسری مشک کی نوبت پہنچی تو اٹھ بیٹھے۔ پھر ہم نے بھائی سے بیہوشی کی کیفیت دریافت کی کہا میں زندہ تھا اور تم سب کو پکار پکار کر کہتا تھا کہ میں زندہ ہوں تم گھبراؤ مت لیکن تم سنتے نہ تھے اور مجھے کسی طرح کی تکلیف بھی نہ تھی۔ اس دن سے ہم نے توبہ کرلی کہ بلااجازت پھر ایسا کام ہر گز نہ کریں گے۔

روحانی لوگوں کو بے جا تنگ کرنا:

تذکرہ غوثیہ میں حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ سید احمد حسن عرف سید احمد علی چار ٹکے لے کر حال کھیلا کرتے تھے۔ کوئی ہنسی کرے یا برا کہے اس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ اکثر شادیوں میں ان کے حال کا تماشا بھی مروج ہو معمول ہو گیا تھا۔ ایک دن کسی امیر لڑکی کی شادی تھی۔ حضرت کو چار ٹکے دے کر بلایا۔ حسب عادت مجلس قوالی میں حال آیا، تماشائی تمسخر سے پیش آئے اتفاقاً نوشاہ نے بھی دست گستاخی دراز کیا اور شکم مبارک میں انگلی ماری وہ اور لوگوں سے تو یوں خطاب کرتے تھے۔ ''ابے کیوں چھیڑتا ہے، کیا کرتا ہے'' لیکن نوشاہ کو کہا۔ ابے کیوں لونڈیوں کے سے کام کرتا ہے یہ کہنا تھا کہ تمام آثار عورتوں کے نمودار ہو گئے۔

لڑکا گھبرا کر اپنی ماں کے پاس گیا اور حقیقت حال سنائی وہ بھی حرت زدہ ہو گئی۔ فوراً اس کے باپ کو خبر کی، امیر اور اس کے صلاح کار و مشیر آپ کے بڑے بھائی صاحب کی خدمت میں آئے۔ کیفیت واقعہ عرض کی وہ بھی متعجب ہوئے کہ ہم تو ان کو ایسا نہیں جانتے تھے۔ پھر مع ان سب آدمیوں کے ان کے پاس گئے، دیکھ کر بولے کہ بھائی صاحب خیر ہے یہ مجمع کیسا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی یہ سب تمہاری خوبیاں ہیں۔ آج تم نے کیا کہہ دیا بولے کہ حضرت اس وقت نہ تو زبان میری ہوتی ہے نہ میرے اختیار میں ہوتی ہے۔ پوچھا کہ اب کیا علاج، جواب دیا کہ خیر قہر درویش پر جان درویش یہ لوگ پھر مجلس منعقد کروائیں اور یاروں کے چار ٹکے دلوائیں اگر اس وقت حال وارد ہو اور لڑکا

www.ksars.org

پھر اس طرح چھیڑے تو دیکھئے زبان سے کیا نکالتا ہے۔ الحاصل پھر وہی سامان کیا گیا۔ حال وارد ہوا اور لڑنے نے چھیڑنا شروع کیا تو آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ اے لونڈے کیا کرتا ہے یہ کہنا ہی تھا کہ وہ اصلی حالت پر آ گیا۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب ہم پٹیالہ میں فضل امام صاحب سے پڑھتے تھے تب بھی فقیروں کی تلاش و طلب رہتی تھی اور ہمارا ایک اہم سبق بھی اس مرض میں مبتلا تھا۔ سنا کہ راجہ کے فیض خانے میں ایک سالک مجذوب رہتے ہیں جعفر شاہ ان کا نام ہے۔ ہم جس وقت سبق سے فراغت پاتے ان کی خدمت میں جاتے یونہی کئی دن گزر گئے۔ ایک دن ہمارے ہم سبق نے ان سے کہا کہ آج تو سلطان الاذکار کی اجازت دے دیجئے۔ اس وقت جذب کی حالت تھی تین بار ران پر ہاتھ مارا اور کہا کہ جاؤ اجازت ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس طالب علم کے بدن میں اثر ظاہر ہونے لگا پہلے تو کچھ لرزہ سا محسوس ہوا پھر وہ نفخہ صور کی طرح بڑھتا گیا۔ تمام جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم سے کہا کہ دیکھو مولوی صاحب کو اس بات کی خبر نہ ہونے پائے۔ اثنائے راہ میں منہ سے خون ٹپکنے لگا بمشکل اس کو مکان پر لائے۔ مولوی صاحب کو خبر ہوئی حکیم صاحب کو بلوایا کہا۔ اس کے قلب پر صدمہ پہنچا ہے اور حرارت شدید ہے۔ قرابہ کے قرابہ گلاب و کیوڑے پلا دیئے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔

ہر رگ و پے سے ایک آواز نکلنے لگی گھنٹے بھر کے بعد دونوں کی شہ رگیں پھٹ گئیں اور وہ جاں بحق ہوئے مگر خون اور آواز و لرزہ بند نہ ہوا۔ مولوی صاحب نے ہم سے پوچھا کہ اصل ماجرا کیا ہے۔ ہم نے سارا حال کہہ سنایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میاں پہلے سے کیوں نہ کہا خیر اب کیا ہوتا ہے منظور خدا یہی تھا۔ نہلا دھلا کر کفن پہنا جنازہ جعفر شاہ کے سامنے لے گئے اور مولوی صاحب نے کہا میاں صاحب یہ کیا کیا۔ بولے میں کیا کروں۔ تمہارے یہ دو منڈے روز آن کر مجھ کو ستاتے تھے۔ آج میری زبان سے بھی ایک بات نکل گئی۔ اب لے جاؤ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت یہ خون کا بہنا اور بدن کا ہلنا تو بند ہو جائے۔ فرمایا کہ یہ تو قیامت تک یونہی رہے گا ایسے شہیدوں کا کہیں خون بند ہوتا ہے۔ آخر لے جا کر دفن کر دیا۔ مولوی صاحب پھر جعفر صاحب کے پاس آئے اور ہماری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس لڑکے کو کہیں نہ مار ڈالنا۔ بولے میں کیا کروں یہ روز آن کر چھیڑتے ہیں۔ ان کو منع کرو۔ گو یہ واقعہ روبرو گزرا اور مولوی صاحب نے بھی منع فرمایا مگر ہم نے بھی ان کے پاس جانا نہ چھوڑا۔ وہ بھی ہمیشہ التفات فرماتے رہے۔ ایک بار حضرت قبلہ غلام علی

www.ksars.org

شاہ صاحب کے خلیفہ آ گئے۔ ہم نے پوچھا کہ یہاں کوئی کامل فقیر بھی ہے۔ ہم نے کہا کہ ہاں چلئے ہم ان کو جعفر شاہ صاحب کے پاس لے گئے اور کہا لو حضرت آج ایک اور شکار لایا ہوں۔ فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ باتیں ہونے لگیں۔ خلیفہ صاحب بولے کہ حضرت میرے لطائف جاری نہیں ہوتے۔ آپ نے کہا کہ نہیں ہوتے یہ کہہ کر اپنے ہاتھ کو چکر دینا شروع کیا اور کہنے لگے چل بے چل بے چل یہ کہنا تھا کہ خلیفی جی قلب کو پکڑ کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ ہم نے کہا کہیں ان کو بھی مار ڈالو گے۔ بولے کہ خوب ہوا جو تم نے یاد دلا دیا۔ خیر آئندہ یوں مناسب ہے کہ ہمیشہ چپ چاپ ہمارے سامنے آ کر بیٹھ جایا کرو۔ خواہ ہم تمہاری جانب متوجہ ہوں یا نہ ہوں۔ غرض ان خلیفہ صاحب کو تعلیم فرما کر رخصت کیا لیکن نقشبندیوں کے کام کے تو وہ رہے نہیں جنگل باشی ہو گئے۔

ان واقعات میں بتایا گیا ہے کہ فقیروں کو تنگ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر وہ حالتِ جذب میں ہوں تو پتہ نہیں کیا کہہ دیں۔ ایسے بندوں کا کہا ہوا قانون بن جاتا ہے اور وہ بات پوری ہوتی ہے۔ اس لئے بندہ فقیروں کے پاس جائے ضرور لیکن ادب واحترام سے ان کے پاس بیٹھے۔ اگر وہ خود دریافت کریں تو جواب دے اور ان سے کوئی ذکر یا فقیری طلب نہیں کرنی چاہئے۔ یہ چیزیں اس طرح نہیں ملتیں کہ فقیری مانگی اور اسی وقت مل گئی۔ روحانیت بھی ایک مکمل کورس ہے بالکل اسی طرح جس طرح دنیاوی تعلیم کا کورس ہوتا ہے اور بندہ مرشد کامل کی رہنمائی میں آہستہ آہستہ ان اسباق کی تکمیل کرتا ہے۔

شیخ کی مخالفت:

روحانی شاگرد یا طالب پر واجب ہے کہ شیخ کی مخالفت نہ کرے اور نہ دل میں اس پر اعتراض کرے۔ ظاہر میں شیخ کی نافرمانی کرنے والا گستاخ اور بے ادب ہے اور باطن میں اس پر معترض ہونے والا خود اپنی تباہی اور ہلاکت کا خواستگار ہے۔ طالب کو چاہئے کہ شیخ طریقت کی طرفداری میں اپنے نفس کو مصروف رکھے اور ظاہر و باطن میں شیخ کی مخالفت سے اپنے نفس کو باز رکھے۔ اگر پیر طریقت سے خلاف شروع کوئی عمل سرزد ہو تو اس کی حکمت تلاش

www.ksars.org

کرے نہ کہ شیخ سے علیحدگی اختیار کرے۔ کسی بھی صورت میں اپنے دل میں کوئی بات نہ لائے اور یقین رکھے کہ شیخ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے۔

شیخ طریقت اگر ناراض ہو جائے یا کسی قسم کی بے اتفاقی ظاہر ہو تو شاگرد اس سے کنارہ کش نہ ہو بلکہ اپنی حالت کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہیں شیخ کے حق میں اس سے کوئی گستاخی اور بے ادبی تو سرزد نہیں ہو گئی یا حق کی ادائیگی میں اس سے کچھ کوتاہی تو نہیں ہوئی۔ اگر حقوق اللہ میں کچھ قصور ہوا ہے تو پہلے اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرے اور دوبارہ اس کا اعادہ نہ کرنے کا عہد کرے۔ پھر اپنے شیخ سے معذرت چاہے اس کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرے اور آئندہ شیخ کے حکم کے خلاف نہ کرنے کا عہد کرے اور شیخ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔ شیخ کے حکم کی ہمیشہ اطاعت کرے اور شیخ کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ اور سبب سمجھے۔ اسے اس مثال سے سمجھنا چاہئے کہ اگر بادشاہ کے حضور میں پہنچنا چاہے اور بادشاہ اسے پہچانتا نہ ہو تو اسے کسی درباری، بادشاہی خدمتگار یا بادشاہ کے مقرب کا وسیلہ ڈھونڈنا ہو گا، تاکہ شاہی آداب اور حضوری کے طور طریقوں سے واقف ہو جائے، پیشی اور خطاب کے آداب معلوم ہو جائیں اور اسے آگاہی ہو جائے کہ کون کون سے تحفے بادشاہ کے حضور پیش کرنے کے قابل ہیں اور کون سی چیزیں بادشاہ کو پسند ہیں۔ اس لئے اس کو سب سے پہلے اسی طریقے کو اختیار کرنا ضروری ہو گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس وسیلہ اور آگاہی کے بغیر داخل ہو جائے اور اسے ذلت و خواری کا منہ دیکھنا پڑے اور بادشاہ سے جو غرض و مطلب واسطہ تھا وہ حاصل نہ ہو سکے۔ ہر نئے داخل ہونے والے پر ایک خوف طاری ہوتا ہے اور اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو آداب کی یاددہانی کراتا رہے اور اسے اس کے مرتبے کے لائق مقام پر کھڑا کرے یا اس کا مناسب مقام اسے بتا دے تاکہ وہ بدتہذیبی اور بیوقوفی کا نشانہ نہ بنے۔

طالب یا سالک کو چاہئے کہ وہ شیخ کی مخالفت کسی بھی حالت میں نہ کرے۔ مشائخ کی مخالفت طالب کے حق میں زہر قاتل ہے۔ اس لئے نہ صراحتاً مخالفت کرے اور نہ ہی کسی تاویل کے ساتھ۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ طالب کو چاہئے کہ اپنے استاد کو رسوا نہ کرے اور نہ غلطی سے بھی اپنے آپ کو اس کے اوپر ترجیح

www.ksars.org

دے۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ اسلام سے ایک رشتے کو توڑ دیتے ہیں۔ طالب کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے سامنے ''کیوں'' کا لفظ بھی استعمال نہ کرے۔ کیونکہ اس لفظ میں اعتراض کی گنجائش ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ شاہ ابوالمعالیؒ بہت حیران پریشان اور رنجیدہ خاطر تھے۔ آپ کو حضرت پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے دیدار کے شوق نے بے کل و بے چین کر رکھا تھا۔ آپ کی اس اضطراری کیفیت سے آپ کے مرشد عالی مقام شیخ داؤدؒ بذریعہ کشف مطلع ہوئے۔ انہوں نے آپ کو فوراً طلب کیا اور فرمایا: ''تم اپنی بے چینی کو ختم کرو وہ مبارک گھڑی عنقریب آجائے گی۔ جب تم اپنے دل کی بات کو اپنے سامنے پاؤ گے۔''

شاہ ابوالمعالیؒ ہر وقت اس نیک ساعت کے منتظر رہنے لگے۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے مرشد شیخ داؤدؒ آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر ایک محفل میں لے گئے۔ وہاں اور بھی بہت سے لوگوں کے علاوہ حضرت غوث الاعظمؒ بھی تشریف فرما ہیں۔ اس وقت حضور غوث اعظمؒ کی دائیں طرف ایک صاحب تشریف فرما تھے۔ ان کا نام بھی ''ابوالمعالی عراقیؒ'' تھا۔ شاہ ابوالمعالیؒ پیران پیرؒ کی بائیں طرف فروکش ہو گئے۔

شاہ ابوالمعالیؒ کے دل میں شاہ ابوالمعالی عراقیؒ کے بارے میں خیال آیا کہ یہ بزرگ شاید شیخ داؤدؒ سے زیادہ مرتبے کے ہیں جو انہیں پیر صاحبؒ کے دربار میں زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ابھی یہ خیال آپ کے دل ہی میں تھا کہ حضرت پیران پیرؒ نے فرمایا۔ ''شاہ ابوالمعالی! تمہارا مرشد تو میرا دل ہے اور دل جسم کے اندر ہوتا ہے۔'' یہ سن کر شاہ ابوالمعالیؒ کی آنکھ کھل گئی۔

حضرت غوث علی شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ آگرہ میں ہماری شاہ ابوابرکات صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ایک دن ہم شاہ صاحب کے ہمراہ باہر سیر کو گئے۔ دور سے ایک گروہ فقیروں کا نظر آیا۔ شاہ صاحب نے بڑی حقارت سے دیکھا اور فرمایا لاحول ولا قوۃ یہ بھی کوئی فقیری ہے۔ یہ لوگ فقیر تو کیا مگر ننگ فقراء ضرور ہیں۔ اتنے میں ایک فقیر اس گروہ سے آگے بڑھ کر ہماری طرف کو متوجہ ہوا۔ اس کا قریب آنا تھا کہ شاہ صاحب کی نسبتیں سلب ہو گئیں پھر اس نے قریب آکر شاہ صاحب سے کہا کہ صاحبزادے آپ نے یہ بھی پڑھا ہے:

www.ksars.org

خاکساراں جہاں رابحقارت مگر

توچہ دانی کہ دریں گرد سواری باشند

نظر سے نہ دیکھ تجھے کیا معلوم

اس گروہ میں کسی کی سواری ہے

اور فرمایا صاحبزادے کیا کریں ہم مسافر ہیں ورنہ چند روز آپ کی خدمت میں رہ کر انسان بنا جائے۔

حضرت عبدالحق مولویؒ تشنگی طلب میں جابجا پھرتے رہے۔ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کا نام سن کر پانی پت میں آئے۔ اس وقت مخدوم صاحب قوالی سن رہے تھے چونکہ حضرت عبدالحقؒ عالم باعمل اور متبع شریعت تھے۔ یہ بدعت دیکھ کر واپس چل دیئے۔ دن بھر قطع مسافت کی شام کو پہنچے تو وہی پانی پت تین روز یہی کیفیت رہی۔ چوتھے دن چلے تو جنگل میں ایک آدمی نظر آیا اس سے پوچھا میاں ہم راہ بھول گئے ہیں ہم کو راہ بتادو۔ وہ بولا کہ صاحب جو راہ تم ڈھونڈتے ہو وہ تو مخدوم جلال الدینؒ کے دروازے پر ہے۔ آخر واپس ہوئے اور مخدوم صاحب کی خدمت میں آکر بیعت کی۔ مخدوم صاحب نے اسی دم خرقہ خلافت عطا کیا اور رخصت فرمایا۔

جب بابا فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خدمت میں باارادہ بیعت حاضر ہوئے تو اس وقت خواجہ صاحب ایک درخت خشک سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ باباصاحب کو خیال آیا کہ تعجب ہے جس درخت کو خواجہ صاحب نے کمر لگائی وہ خشک رہے۔ ایک نظر جو ڈالی تو درخت سرسبز ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے نگاہ کی تو وہ پھر خشک ہو گیا۔ غرض دوبارہ اسی طرح الٹ پلٹ ہوئی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فرید تم فقیری کرنے آئے ہو یا خدا سے لڑنے۔ مرضی الٰہی تو یوں ہے کہ درخت خشک رہے تم اس کو ہرا بھرا کئے چاہتے ہو۔ جاؤ قطب الدین کے پاس وہ ذرا تمہاری خبر لے گا اور وہیں تمہارا حصہ ہے۔ حسب ارشاد پرانی دلی میں آئے اور قطب الدین صاحب کی خدمت میں

www.ksars.org

حاضر ہوئے۔ان کی عمر کم تھی بچوں کے کھیل کود کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ بابا فرید کے دل میں خیال آیا کہ پیر تو ملا مگر لڑکا ہے ان کو یہ ضمیر منکشف ہوئی فوراً حجرہ کے اندر گئے اور بوڑھے بن کر نکل آئے فرمایا کہ لواب میں تمہاری پیری کے قابل ہو گیا۔ باباصاحب فوراًہی بیعت ہوئے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ کفار جب کسی رسول کو نہیں مانتے تو اس میں نقصان رسول کا نہیں بلکہ ان کا اپنا نقصان ہے۔اسی طرح اگر بیمار طبیب کا، شاگرد استاد کا، مرید پیر کا ورد دھوبی سورج کا دشمن بن جائے تو غور کرو نقصان کس کا ہے۔اگر تم بدصورت ہو تو بدعادت نہ بنو۔کوئی حاسد اگر امیر سے حسد کرے تو یہ اس کے لئے اس کی غربت سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔ابو جہل کا نام ابوالحکم تھا مگر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ذلت محسوس کرتا تھا اور ایسا احساس پیدا کرنے کے باعث اور حسد سے ابو جیل بن گیا۔حسد سے بہت سے لوگ نااہل بن جاتے ہیں مگر نیک عادت والا کبھی نقصان میں نہیں رہتا۔

کچھ مریدین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو اپنے شیخ سے جب تک کچھ مفادات حاصل ہوتے رہیں تو ان کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں اور جب کبھی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو گئی یا کوئی مراد پوری نہ ہوئی تو فوراً رابطہ توڑ لیا۔ایسے مریدین خود اپنا نقصان کرتے ہیں۔

حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے شیخ کی صحبت میں آئے اور پھر اس پر اعتراض کرے بلاشبہ اس کی بیعت ٹوٹ گئی۔اس پر واجب ہے کہ تجدید بیعت کرے۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ایک بزرگ تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے کہ حضرت میں تو آپ کی بڑی تعریف سن کر آیا تھا لیکن آپ تو بالکل خالی ہیں۔اس وقت ارشاد ہوا کہ صاحب ہمیں تو اج تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ہم خالی ہیں یا بھرے۔بہت سے فقراء سے ملے اکثر بزرگوں کی خدمت میں گئے۔کسی نے یہ پتہ نہ دیا الحمدللہ آپ کی زبان سے یہ عقدہ حل ہو گیا۔اتنی بات کہہ سن کر وہ بزرگ قلندر صاحب کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے۔وہاں سے روتے پیٹتے ہوئے بھاگے آئے اور جناب و قبلہ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور عذر و معذرت

www.ksars.org

کرنے لگے کہ برائے خدا میرا قصور معاف فرمایئے۔ مجھ کو یہ حال معلوم نہ تھا۔ حضرت نے فرمایا صاحب وہ بھی تمہارا ہی گمان تھا اور یہ بھی تمہارا خیال ہے۔ ہم تو جیسے تب تھے ویسے ہی اب ہیں۔ نہ آپ کے اقرار سے کچھ بیشی ہوئی نہ انکار سے کچھ کمی۔ ہمارا قصور تو آپ نے کچھ کیا ہی نہیں جس کی معافی واجب ہو۔

فقیر کے بارے میں کوئی رائے اپنے ذہن میں اس قسم کی نہیں لانی چاہئے کہ یہ خالی ہیں یا ان کے پاس کچھ نہیں۔ اور نہ ہی ان کی صحبت میں اس نیت سے جانا چاہئے کہ ان کی آزمائش کریں۔ کوئی آدمی اتنی جلدی کسی کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔ کیونکہ بندے کی کثیف روشنیاں فقیر کی صحبت میں آہستہ آہستہ لطیف ہوتی ہیں۔ ایک دم سے اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا اور جلدی میں بندہ یہ سمجھتا ہے کہ فقیر خالی ہے یا اس کے پاس علوم نہیں ہیں۔

حضرت بابا بلھے شاہؒ ایک دن مرشد کی جستجو میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ اونگھ آگئی کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کی پانچویں پشت کے جد امجد سید عبدالحکیم کا تخت نیچے اترا ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟'' آپ نے جواب دیا۔ ''میں سید عبداللہ بن سید درویش محمد ہوں۔'' انہوں نے کہا۔ بیٹا ہمیں پیاس لگی ہے۔ بلھے شاہ نے دودھ کا پیالہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے کچھ خود پیا کچھ بچا کر بلھے شاہ کو عنایت فرمایا اور کہا ''لو بیٹا، پی لو۔'' اس دودھ کا پینا تھا کہ آپ سرمست اور بے خود ہو گئے اور نور معرفت سے ان کا قلب منور ہو گیا۔ اس پر سید عبدالحکیم نے فرمایا۔ ''بیٹا ہمارے پاس یہ تمہاری امانت تھی جو ہم نے تمہیں عنایت کر دی ہے۔ آج سے دس روپیہ تمہارا روزینہ مقرر ہے۔ اب مرشد کی تلاش کرو جو تمہیں علوم معرفت سے آگاہ کرے۔''

اس کے بعد آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ گھر واپس آئے اور اپنے محترم والد کو یہ واقعہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا۔ ''بیٹے تم سے بھول ہو گئی۔ اگر ایسے بزرگ سے ملاقات ہو گئی تھی تو ان سے کہنا تھا کہ آپ کو چھوڑ کر اور کون سا مرشد تلاش کروں۔'' آپ نے والد صاحب سے عرض کی۔ ''اب فرمایئے وہ کہاں مل سکتے ہیں۔'' آپ کے والد صاحب نے مراقبہ کے ذریعے معلوم کر کے بتایا کہ وہ اس وقت ساندہ میں مقیم ہیں۔ حضرت بلھے شاہؒ اسی وقت گھر سے روانہ ہوئے اور ساندہ کی مسجد میں آ کر لیٹ گئے۔ چنانچہ سید عبدالحکیم سے پھر ملاقات ہوئی تو انہوں نے بلھے شاہؒ کو مولوی شاہ عنایت

www.ksars.org

قادریؒ سے رجوع کرنے کو کہا۔ وہاں سے آپ گھر تشریف لائے اور اپنے والد کو حقیقت سے آگاہ کیا اور بیعت کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے اجازت دے دی اور دستار مرشد کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اور کچھ رقم دی اور ساتھ نصیحت بھی کی کہ کہیں تکبر میں نہ آجانا۔ بلکہ نہایت عجز و عقیدت کے ساتھ مرشد کی خدمت میں حاضری دینا اور جو تعلیمات وہ دیں ان کو غور سے سن کر ان پر عمل کرنا۔

والد صاحب سے رخصت ہو کر حضرت بلھے شاہؒ لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انہیں خیال آیا کہ میں تو سید ہوں اور جد امجد کی طرف سے میرا روزینہ بھی مقرر ہے اس لئے شاہ عنایت کو مجھے بیعت میں لینے کے لئے کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے۔

ان دنوں مولوی شاہ عنایت قادریؒ بھاٹی دروازہ میں اونچی مسجد کے پیش امام تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ جب آپ شاہ عنایتؒ کی خدمت میں پہنچے اور اپنا مدعا بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''پہلے ایک کام کرو پھر مرید کریں گے۔ اب دوپہر کا وقت ہے وہ کام کر کے مغرب کی نماز ہمارے ساتھ آکر پڑھنا۔ کام یہ ہے کہ پانچ سو نقد روپیہ، پانچ سو کا گھوڑا، پانچ سو کی ایک پوشاک اور پانچ سو روپے کے طلائی کنگن لے آؤ پھر بیعت کریں گے۔''

آپ وہاں سے نکلے تو بہت پریشان تھے کہ ان شرائط کو کیسے پورا کروں اتنی تو میری اوقات بھی نہیں اور گھر سے کچھ نقد لے کر بھی نہیں آیا ہوں جو دو ہزار روپیہ کی شرائط پوری کر سکوں۔ اسی ادھیڑ بن میں دریائے راوی کے کنارے آکر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے۔ یہاں تک کہ بہت ہی مایوس ہو گئے اور دل میں آیا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ دریا میں ڈوب مروں تاکہ شرمندہ ہونے سے بچ جاؤں۔ اسی وقت کسی نے آواز دی۔ ''لڑکے ذرا میری بات سنو۔''

آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک نقاب پوش سوار گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ اس نے قریب آکر کہا کہ میں نہانا چاہتا ہوں ذرا میرا گھوڑا تھام رکھو اور میرے سامان کی حفاظت کرو۔ اس نقاب پوش نے پہلے آپ کو پانچ سو روپے کی تھیلی پکڑائی۔ پھر ہاتھوں سے طلائی کنگن اتار کر دیئے اور پھر اپنی قیمتی پوشاک جو پانچ سو روپے کی تھی آپ کے حوالے کر کے دریا میں غوطہ زن ہوا اور ایسا غوطہ لگایا کہ پھر نہ ابھر سکا۔ آپ ظہر سے عصر تک وہاں بیٹھے رہے۔

www.ksars.org

بالآخر یہ سوچ کر وہاں سے اٹھ آئے کہ وہ بیچارا تو دریا میں ڈوب گیا ہو گا اور قدرت نے یہ چیزیں مجھے مہیا کر دی ہیں۔ جو مرشد نے مانگی تھیں۔ چنانچہ آپ یہ چیزیں لے کر شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مولوی شاہ عنایتؒ کی پوشاک اور گھوڑے کو پہچان لیا اور مولوی صاحب کے پاس لے گئے۔ مولوی صاحب نے آپ سے سب چیزیں لے لیں اور فرمایا۔ ''برخوردار! بس یہی شیخی تھی کہ ڈوب مرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے تم تو سید ہو اور بڑے خوبرو ہو اور تمہارا دس روپیہ روزینہ بھی مقرر ہے جبکہ میں ایک باغبانی کرنے والا آرائیں ہوں۔ میں تمہیں کیا فیض دے سکتا ہوں۔

آپ نے عرض کی۔ ''جناب! میرا سب کچھ آپ کی نظر اور آپ پر نچھاور ہے۔'' بلھے شاہ کی یہ عقیدت مندی اور خلوص دیکھ کر شاہ عنایتؒ نے آپ کو بیعت کر لیا اور باطنی علوم سے بہرہ ور کیا۔

www.ksars.org

باب چہارم

گناہوں سے توبہ:

الہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اے ایمان والو! تم تمام توبہ کرو اور اللہ کی طرف خلوص کے ساتھ رجوع کرو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ظالم ہیں۔"

بعض مشائخ نے بیان کیا ہے کہ کسی گناہ سے توبہ کرنے میں تمہاری غفلت اس گناہ سے زیادہ بری ہے جس کا تم نے ارتکاب کیا اور اگر کسی شخص کو قبل توبہ موت آ جائے تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے (چاہے بخشے یا عذاب دے)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"تیرا رب مغفرت کرنے والا ہے لوگوں کی باوجود ان کے ظلم کے۔"

توبہ کا وقت اس وقت تک باقی ہے جب تک روح حلقوم تک نہ پہنچ جائے یا یہ کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو اس وقت کسی انسان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا، جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان سے بھلائی نہ حاصل کی ہو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

www.ksars.org

"اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو نوجوان تائب ہو تو وہ اللہ کا دوست ہے اور ان لوگوں میں اس کا شمار ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا۔"

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیعت ہونے کے بعد اپنے پچھلے تمام گناہوں پر سچے دل سے توبہ کرے۔

معاشرتی زندگی:

سالک کو چاہئے کہ ہر نیک و بد کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آئے باطن خواہ اس سے خوش ہو یا ناخوش کسی پر اعتراض کرنے سے پرہیز کرے اور نرم و مناسب بات کرے اور کسی شخص کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے۔

اہل و عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے اور ان کا حق ادا کرنا چاہئے۔ باطنی احوال کو کسی سے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ لوگوں کے عیبوں پر نظر نہیں رکھنی چاہئے اور اپنے آپ کو کسی دوسرے پر فضیلت نہیں دینی چاہئے۔

مرید کو چاہئے کہ کسی پیر بھائی یا غیر کی مرشد سے چغلی یا برائی ہر گز نہ کرے اس فعل کے باعث مرشد کے دل سے اس کی بے وقعتی ہو جاتی ہے جو کہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

www.ksars.org

اگر کسی پیر بھائی پر مرشد اس کی نالائقیوں کی وجہ سے ناراض و غصہ ہوں تو مرید کو احتیاط کرنی چاہئے کہ کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالے جو مرشد کو بھڑکانے یا غصہ میں لانے والی ہو کیونکہ مرید، پیر بھائی اور مرشد کے باطنی تعلق سے بے خبر ہے۔

اگر کسی پیر بھائی پر مرشد خوش ہوں اور ترقی و مدارج فرمائی تو مرید کو حسد نہیں کرنا چاہئے بلکہ خوش ہونا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ میرے روبرو جو یہ اظہار خوشی و ترقی ہو رہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ مرشد چاہتے ہیں کہ میں بھی یہ کام کروں تاکہ مجھ سے بھی مرشد خوش و راضی ہو جائیں۔ حسد کر کے انسان اپنا نقصان خود کرتا ہے۔ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ سالک کو ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی بجائے ایک دوسرے کو اوپر جانے میں مدد دینا چاہئے تاکہ وہ اوپر آ کر آپ کا بھی بازو پکڑے۔ اگر آپ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں لگ جائیں گے تو کوئی بھی منزل تک نہ جا سکے گا۔

مرشد اگر کسی کی نالائقیوں کے باعث اس سے ناراض ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ کسی اپنے یا بیگانے سے اس امر کو ظاہر نہ کرے کیونکہ یہ راز خاص اس کا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے کسی شخص کی اس میں مداخلت نہیں، نہ ہی کوئی دوسرا مرشد کو اس سے راضی کروا دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ عام مرید خود اس ناراضگی کے دفعیہ کی فکر میں گرفتار ہے۔ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے نہایت عجز و انکساری اور بے حد ادب کے ساتھ ملتجی ہو کہ یارب العالمین میں نے جو میرا خاصۂ بشری تھا تیرے مقبول بندے کو اپنے سے ناراض کر لیا۔ اب مجھ میں کسی طرح سے اس کے راضی کرنے کی طاقت نہیں رہی تو ہی ہر شئے پر قادر ہے تو ان کو مجھ مسکین سے راضی کرنے کی طاقت و قدرت رکھتا ہے ورنہ کوئی اور سبیل نہیں ہے۔ اب تو ہی اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ ان کو مجھ سے راضی کر دے۔ جب مرید عجز و انکساری کے ساتھ اس کے عالی دربار میں گر جاتا ہے تو مرشد راضی بہ خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ مرشد کی ناراضگی اہل دنیا کی سی نہیں ہوتی جو مرے بغیر دل سے نہ نکلے بلکہ ان کی ناراضگی محض خدا تعالیٰ کے واسطے ہوتی ہے۔ جب سالک مرشد کے سامنے جا گرا اور اپنی ہمت پست کر دی تو مرشد راضی ہو جاتا ہے کیونکہ مرشد کی اصل رضا ہی یہی ہے کہ مرید اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ بن جائے اور اپنی خواہشوں اور نفس و شیطان سے دور رہے۔

www.ksars.org

کہا گیا ہے کہ بزرگی تین چیزوں میں ہے، بڑوں کی عزت کرنا، ہمسروں کی مدارت کرنا اور کم درجہ شخص سے نفسانیت کو دور کرنا۔

کہا گیا ہے کہ ہم نشین تین ہیں۔ ایک وہ جس سے تم استفادہ کر سکو، اسے ہر گز نہ چھوڑو۔ دوسرا وہ ہے جسے تم فائدہ پہنچا سکو اس کی عزت کرو۔ تیسرا وہ ہے جس سے نہ تم مستفید ہو سکو اور نہ وہ تم سے فائدہ اٹھا سکے اس سے بھاگو۔

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ انسان کے لئے یہ برائی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔

سالک کے لئے ضروری ہے کہ اگر اس کے گھر میں کوئی مہمان آئے تو اس سے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش آئے۔ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ انسان کے لئے یہ بات باعث ہلاکت ہے کہ اس کے بھائیوں میں سے کوئی شخص اس کے پاس آئے اور جو کچھ گھر میں ہے وہ اسے حقیر سمجھ کر پیش نہ کرے اور اس کے پاس آنے والوں کی ہلاکت اس میں ہے کہ جو چیز ان کے سامنے پیش کی جائے اس کو وہ حقیر سمجھیں۔

لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک کی مثال غذا کی ہے کہ ان کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔ ایک دوا کی طرح ہوتے ہیں کہ ان کی بعض اوقات ضرورت ہوتی ہے۔ ایک مثل بیماری کے ہے جس سے بچنا اور دور رہنا ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ سائل کو دوا گرچہ وہ گھوڑے پر ہی بیٹھ کر کیوں نہ آیا ہو۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ سائل کو ہر گز مت جھڑکے۔ کسی طالب کا سائل کو رد کرنا جائز نہیں جس حد تک کسی کی مدد کر سکتا ہو ضرور کرے اگر مدد نہ کر سکے تو محبت کے ساتھ معذرت کرے۔ حضرت مشاد دینوریؒ کے پاس جب غریب لوگ آتے تو وہ بازار میں جاتے اور دکانوں سے جو کچھ ملتا جمع کر کے لاتے اور ان کو دے دیتے اور اس چیز کو وہ سوال نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ نیکی اور پرہیزگاری میں مدد دیتا ہے۔

www.ksars.org

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو نوجوان ہونے کے باوجود عابد ہو اور جو مصیبت زدہ ہو کر صابر ہو اور فقیر ہو کر خوش رہے۔

طالب کو چاہئے کہ اگر اس پر کوئی مصیبت آگئی ہے تو بیقراری کو ترک کرے کسی سے شکایت نہ کرے اور صبر و شکر کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

"صبر کرنے والوں کو اس کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔"

ایسی صورت میں طالب کو شیخ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ان لوگوں پر مصیبت اس وقت آسان ہو جاتی ہے جب وہ اپنے محبوب کو پیش نظر رکھتے ہوں تب وہ اس مصیبت سے لذت یاب ہوتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ جو طالب اپنے دعویٰ میں سچا اور اپنی مصیبت کی حقیقت کو سمجھتا ہو اس کو زمانے کا تغیر متاثر نہیں کر سکتا اور مصیبتوں اور ملامتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا" قوی مومن اللہ کو زیادہ محبوب ہے، ضعیف مومن سے۔ وہ چیز جس سے ہم کو نفع پہنچ سکتا ہے اس پر حرص کرو اور اللہ سے مدد چاہو اور عاجز نہ بنو اور اگر کوئی مصیبت آئے تو کہو کہ اللہ نے اس کو مقدر کیا تھا اور اس نے جو چاہا کیا اور اس بات سے ڈرتے رہو کہ شیطان کے عمل کا کوئی دروازہ تم پر نہ کھلے۔" یعنی شیطان تم کو گمراہ نہ کر دے اور اس کا داؤ تم پر کار گر نہ ہو جائے۔

طالب کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہونی چاہئے اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے پیش آنا چاہئے اور ایک دوسرے کو ایک سا سمجھنا چاہئے کسی کو بڑا یا چھوٹا یا اعلیٰ عرفہ خیال نہیں کرنا چاہئے اور کسی کے پیچھے اس کی غیبت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ طالب حق کے لئے کسی کی برائی کرنا نہایت ہی برا عمل تصور کیا جاتا ہے۔ طالب حق کو چاہئے کہ وہ دوسروں کی پردہ پوشی کرے کسی کے عیب ظاہر نہ کرے۔

www.ksars.org

سالکین حق کو چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ باوضو رہیں کیونکہ اولیاء کرام میں خاص و عام کوئی بھی کسی بھی وقت بغیر وضو کے نہیں رہتے۔ وضو کرنے سے دل کو شفا حاصل ہوتی ہے اور طبیعت کا حلال دور ہوتا ہے۔ ہمیشہ باوضو رہنا چہرہ پر نور پیدا کرتا ہے۔ سالکین کے لئے ضروری ہے کہ نماز میں اللہ کے ساتھ ربط قائم کریں۔

سالکین کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ریاضت اور مجاہدے کو شمار میں نہ لائیں اور یہ سمجھیں کہ میں نے کچھ نہیں کیا جو وقت گزر جائے اسے یاد نہ کرے اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اسے ضائع نہ کرے۔ گزرے ہوئے لمحات پر افسوس کرنے سے بہتر ہے کہ موجود لمحے کو افسوس کی نظر نہ کرے اور بہتر سے بہترین گزارے۔ پیر کا حکم بجا لانے میں بڑی مستعدی سے کام لے اور خفیف باتوں پر توجہ نہ کرے۔ نفس کی خواہش پر ہر گز عمل نہ کرے۔ علم و عقل پر ہر گز فخر نہ کرے۔ طالب کا دو باتوں پر خیال رکھنا ضروری ہے ایک تزکیہ نفس دوسرے نفس کا پاک کرنا اور خدا کی طرف پوری توجہ کرنا۔ انہی دو باتوں کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے اور انہی دو باتوں کی انہوں نے تعلیم دی۔ تزکیہ نفس یہ ہے کہ نفسانی خواہشوں کو روک رکھے اور توجہ یہ ہے کہ اپنے اندر سے شک دور کرے۔

طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ تب تک سفر اختیار نہ کرے جب تک کہ مرشد اس کو اس کی اجازت نہ دے دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر طالب کو کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقف معاف کر دے اس لئے کہ انتقام کا جذبہ اعصاب کی قوت ختم کر دیتا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ غیبت، عیب جوئی و چغلخوری سے پرہیز کرے۔ اگر اس کے پاس نوکر چاکر ہوں تو ان پر کہر و غضب اور مار پیٹ نہ کرے۔ زیادہ سے زیادہ ایسے لوگوں کی محفل میں بیٹھے جو زاہد و نیک ہوں۔ طالب کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نہ جنت کی طلب کرے اور نہ ہی دوزخ کا خوف کھائے کیونکہ جنت دوزخ تو منزل کے پڑاؤ ہیں۔ جس کسی پر اس کا حق ہے اس کو معاف کر دے اور کسی کی دل آزاری نہ کرے۔

اپنا علم یا اپنا کام دوسروں پر جان بوجھ کر ظاہر نہ کرے اگر کوئی بات خود بخود ظاہر ہو جائے تو اس کی طرف توجہ نہ دے۔ نماز مراقبہ ذکر فکر سے فارغ ہو کر حکایات بزرگان پڑھے۔ مرید ایسا ہونا چاہئے کہ جس قدر اس کو دیا

www.ksars.org

جائے اس سے زیادہ طلب کرے نیز سخی ہونا بھی ضروری ہے کہ جان ومال سے دریغ نہ کرے۔ طالب کو چاہئے کہ صلاح و اصلاح کا سبب بنے نہ کہ فساد کا۔ اگر طالب و مرید فساد پیدا کرنے کی باتیں کرے تو وہ طالب و مرید نہیں، طالب نام و نسب پر فخر نہیں کرتا۔

سونے کے آداب:

نیند ایک ایسی چیز ہے جس کو بندہ ختم نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضہ ہے مگر اس کو کم ضرور کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو سولہ سولہ گھنٹے سوتے ہیں مگر ان کی کمر نہیں دکھتی یعنی انہوں نے اپنی نیند بڑھالی اور ایسے لوگ بھی ہیں جو تین گھنٹہ سوتے ہیں اور تین گھنٹہ سونے کے بعد بڑے چاق و چوبند رہتے ہیں اور حاضر دماغ بھی ہوتے ہیں۔

میرے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

"جب میں کالم لکھا کرتا تھا تو عموماً ۹۱ گھنٹہ روز کام کرتا تھا۔ سارے خطوط کے میں خود ہی جواب دیا کرتا تھا۔ ۹۱ گھنٹے میں، میں کبھی نہیں تھکا۔ اس میں ذوق و شوق کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ میرے پیر و مرشد حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اللہ سے دوستی کرنی ہے تو مخلوق سے محبت کرو خدمت کرو۔ تو اس ذوق و شوق میں نیند کا مجھ پر کوئی غلبہ نہ ہوتا تھا۔"

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

اے پیغمبر! رات کو آدھی رات گزر جائے یا آدھی رات سے کم گزر جائے یا تھوڑی زیادہ گزر جائے تو اٹھو اور اٹھ کر قرآن پڑھو۔

www.ksars.org

اگر نیند پر قابو پانا چاہیں تو جس طرح انسان زیادہ سونے سے بیمار ہو جاتا ہے اسی طرح اگر ایک دم نیند کم کر دی جائے تو انسان بیمار پڑ جاتا ہے۔ ایک انسان کی نیند کا وقفہ ۵ گھنٹہ ہے اور وہ کم کر کے ۴ گھنٹے کر دے گا تو بیمار نہیں ہو گا اگر وہ ایک دم کر کے ۲ گھنٹے کر دے تو بیمار ہو جائے گا۔ ۵ گھنٹے کی نیند انسان کے لئے کافی ہے انسان چست بھی رہتا ہے، صحت بھی اچھی رہتی ہے اور بھوک بھی لگتی ہے۔ اگر کسی چیز کو اعتدال میں رہ کر آہستہ آہستہ کیا جائے اور اس کے پیچھے کوئی رہنما بھی ہو استاد بھی ہو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ نیند میں کمی سے بلاشبہ لاشعور بیدار ہوتا ہے۔

علماء اکرام کا کہنا ہے کہ سالک کو اللہ سے غافل ہو کر نہیں سونا چاہئے۔ اسے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی نیند اللہ کے لئے ہو۔ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں عبادت کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا سالکین طریقت کے لئے نہایت مفید عمل ہے۔ سوتے وقت سیدھے پہلو سونا چاہئے اور اللہ کی یاد میں سونا چاہئے اور صبح اٹھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے وقتی موت سے انسان کو پھر زندگی دی۔ کہا گیا ہے کہ دن کلنے کے بعد سونا خلاف عادت ہے اور دن کے درمیان سونا فطری بات ہے اور دن کے آخر میں سونا حماقت ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "نیند موت کا بھائی ہے۔"

طالب حق کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت تک سوئے جب غلبہ نیند کی حالت زیادہ ہو کیونکہ اگر غنودگی اور غفلت میں زیادہ رہے گا تو اس حالت میں اس کا مقصود اس سے کھو جائے گا۔ اور اپنے آپ سے اور اپنے معاملہ میں غافل اور حق تعالیٰ سے دور رہ جائے گا۔

طالب حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ سونے سے پہلے اپنے تمام دن کا احتساب کرے اور اگر کہیں زیادتی ہو گئی ہو تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔ راہ حق میں جب سالک اس درجے پر پہنچ جائے کہ اس کا اپنا اختیار ختم ہو جائے تو وہ نیند یا بیداری جس حالت میں بھی ہو عزیز ہی ہوتا ہے۔ پس طالب حق کی نیند کے لئے شرط ہے کہ اپنی ابتدائی عمر کی نیند کو اپنے آخری دور کی نیند کی طرح سمجھے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرے، ناراض

www.ksars.org

لوگوں کو راضی کرے، اچھی طرح وضو کرے، داہنے پہلو پر قبلہ رخ ہو کر سوئے۔ دنیا میں کئے ہوئے اچھے کاموں اور اسلام کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے اور عہد کرے کہ اگر بیدار ہوا تو گناہوں کا ارتکاب نہ کروں گا۔ پس جس شخص نے بیداری میں یہ کام کر لئے اسے نیند یا موت سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ طالبان حق کے لئے دوسری نیند اچھی تصور نہیں کی جاتی اس لئے صرف ایک بار ہی سونا چاہئے۔ بے کاری اور نیند بندے کے لئے فراموشی پیدا کرتی ہے۔

اہل وعیال سے برتاؤ:

سالکین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیوی بچوں کے ساتھ برتاؤ شفقت و مدارات کے ساتھ رکھے اور انہیں ادب سکھائے اور خدا کی اطاعت پر آمادہ کرے۔

خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ :

ترجمہ: ''بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے۔''

سالک پر لازم ہے کہ اپنے اہل وعیال پر دستور کے مطابق حلال کمائی خرچ کرے۔

اگر طالب اہل وعیال رکھتا ہو اور والدین اس کی زیر پرورش ہوں تو ان کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ مخصوص اوقات میں کوشش کرے ان کے حقوق ادا کرنے میں کسی قسم کی بے توجیہی نہ کرے اور معاش کو صرف اپنے پیٹ بھرنے کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ اس سے لوگوں کی معاونت مقصود ہو۔

www.ksars.org

آداب لباس:

ان کے آداب میں یہ ہے کہ وہ جس وقت جو لباس میسر آئے بغیر تکلیف اور اپنی پسند کے پہنتے ہیں اور اس بات پر قناعت کرتے ہیں کہ سردی اور گرمی سے بچیں۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ پاکی ایمان ہے۔ بے شک فقر اللہ کی طرف سے مگر کپڑوں پر میل نہیں ہونی چاہئے۔ صوفیاء شہرت کے لئے کپڑے پہننے کو مکروہ جانتے تھے۔

کھانے کے آداب:

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ادب سکھایا ہے کہ فقراء کو وہی کھلانا چاہئے جو ہم خود کھاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی کھانا شروع کرے تو بسم اللہ کہے اور پہلے کہنا بھول جائے تو جب کبھی یاد آجائے اول سے آخر تک کبھی بھی کہے۔ نبی کریم ﷺ نے کٹوروں کی طرف اشارہ کرکے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اطراف سے کھاؤ بیچ میں سے نہ کھاؤ کیونکہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ سے بہ صحبت یہ ثابت ہے کہ وہ کل کے لئے کوئی چیز ذخیرہ کرکے نہیں رکھتے تھے اور کھانے کا ذکر زیادہ نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ حرص پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے گلاؤ اور کھا کر نہ سو جاؤ اس سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ برادران دین کے ساتھ کھانا خوش طبعی کے ساتھ ہونا چاہئے اور اجنبیوں کے ساتھ ادب کے ساتھ اور فقراء کے ساتھ ایثار ہے۔ جب ایک جماعت کے ساتھ کھانا کھائے تو کھانے سے ہاتھ اس وقت تک نہ روکے جب تک کہ دوسرے ساتھی بھی کھانا ختم نہ کرلیں۔ کھانا بھوک رکھ کر کھانا چاہئے۔

www.ksars.org

بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ میزبان پر تین چیزیں واجب ہیں یہ کہ مہمان کو حلال چیز کھلائے اور اس کے نماز کے اوقات کا خیال رکھے اور جو کھانا وہ کھلا سکتا ہے اسے مہمان سے نہ روکے۔ لیکن مہمان پر لازم ہے کہ وہاں بیٹھے جہاں میزبان بٹھائے اور جو کچھ اس کے سامنے لایا جائے اس پر راضی رہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ

"جس شخص کی مصروفیت صرف اس چیز میں ہو جو اس کے پیٹ میں داخل ہوتی ہے تو اس کی قیمت صرف وہ ہے جو پیٹ سے نکلتا ہے۔"

راہ حق کے طالب کے لئے زیادہ کھانے سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا:

"جو لوگ کافر ہیں وہ دنیا میں فائدہ حاصل کرتے ہیں اور کھانے میں جس طرح جانور کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔"

کھانا کھانے کو بھی دوسرے اعمال کی طرح اللہ کے ساتھ منسوب کرنا چاہئے اور طالب حق کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ میں نہیں کھا رہا اللہ کھلا رہا ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مجھے حیرت ہے کہ لوگ کھاتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ اتنے لوگ تلوار سے ہلاک نہیں ہوتے جتنے کھانے سے ہلاک ہوئے ہیں یعنی وہ اتنا کھاتے ہیں کہ بیمار ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ انسان اپنی غذا کم بھی کر سکتا ہے اور اعتدال سے ہٹ کر زیادہ سے زیادہ بھی کر سکتا ہے۔

حضرت شاہ دولہ دریائیؒ فرماتے ہیں کہ

"پختہ کار آدمی کو طمع خام کا آرزومند ہونا فائدہ نہیں دیتا۔"

www.ksars.org

آپ کا خیال ہے کہ مشغولی کے لئے جنگل کو جاؤ تو کچھ کھا کر جاؤ یا کھانا ساتھ لے کر جاؤ۔ اس میں دو مصلحتیں ہیں ایک یہ کہ سالک کو بھوک سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں۔ بھوک کے اگرچہ فائدے بھی بہت ہیں لیکن اس کی وجہ سے دل کو بہت قلق اور اضطراب لاحق ہوتا ہے۔ یہ بھوک کے فائدوں پر غالب آ سکتا ہے۔ اس لئے اگر کچھ کھا لیا جائے تو خطرات رفع ہو جاتے ہیں اور دل کو قرار اور اطمینان میسر آ جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ بھی اپنا کھانا غار حرا میں لے جاتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے اور جب آپ ﷺ کے کھانے کا سامان ختم ہو جاتا تو پھر گھر تشریف لے آتے۔ یوں گھر والوں کی خیریت بھی دریافت ہو جاتی اور دوسرے کھانا وغیرہ کا بھی از سر نو بندوبست کر لیتے اور واپس غار حرا میں چلے جاتے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ایک مرید نے آپ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے صوفیائے کرام کو کھانے پینے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ آپ نے فرمایا بھوک اور پیاس کا احساس ختم ہو جانے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ کھانے پینے کے بغیر بھی زندہ رکھ سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ کھانے پینے کی حاجت کا تعلق خاکی وجود سے ہے۔ جب خدا کے بندے بشریت کی منزل سے گزر کر فنا کی حدود میں قدم رکھتے ہیں تو انہیں کھانے پینے کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔

آدابِ اعضاء:

حضرت شاہ بن شجاعؒ نے کہا ہے کہ انسان کے ہر عضو کا ایک ادب ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"بے شک کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی۔"

www.ksars.org

بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ انسان کا حسن ادب یہ ہے کہ انسان کا کوئی عضو بجز رضائے الٰہی کے حرکت نہ کرے۔

گفتگو کے آداب:

اللہ نے زبان کو قلب کا ترجمان اور خیر و شر کی کنجی بنایا ہے۔ زبان کا ادب یہ ہے کہ وہ اللہ کے ذکر سے سرشار رہے اور لوگوں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرے اور انہیں دعا دے۔ چھوٹوں کو وعظ و نصیحت کرے اور ایسی بات نہ کرے جو انہیں ناگوار ہو۔ کسی کی غیبت نہ کرے، نہ چغل خوری کرے اور نہ گالی دے اور نہ ہی بیکار باتوں میں منہمک ہو۔ اگر مرید کسی جماعت میں ہو تو ضرورت کے وقت بولے اور بیکار باتوں میں نہ بولے۔ ہر جگہ وہاں کی حالت کے مطابق گفتگو کرے۔ کہا گیا ہے کہ اگر تم اپنے قلب کی حفاظت چاہتے ہو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ طالب کو چاہئے کہ خاموشی اختیار کرے کیونکہ خاموشی جاہل کے لئے پردہ پوشی اور عقلمند کے لئے زینت ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس چیز کے متعلق میں اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ زبان ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اس آدمی سے زیادہ اچھا گفتگو کے اعتبار سے کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے۔"

اہل طریقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بغیر ضرورت کے ہرگز نہ بولیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"پس خاموشی میں بڑے فائدے اور کامیابیاں ہیں جبکہ بولنے میں بہت مصیبتیں ہیں۔"

www.ksars.org

حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ:

"جو اللہ کو پہچان لیتا ہے اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے کیونکہ مشاہدے میں بیان ایک حجاب ہوتا ہے یعنی جب بندے پر طریقت کی راہ کھل جاتی ہے تو وہ گفتار سے مستغنی ہو جاتا ہے کیونکہ الفاظ تو غیر کی اطلاع کے لئے ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ احوال کی تفسیر سے بے نیاز ہیں۔"

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں لکھتے ہیں:

"تمام کلام دو طرح کے ہوتے ہیں اور تمام سکوت بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک کلام حق ہے اور دوسرا باطل۔ اور ایک سکوت حصول مقصد اور مشاہدہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور دوسرا غفلت کی وجہ سے۔ پس کلام کرنے اور خاموش رہنے کے وقت ہر شخص کو اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہئے کہ اگر اس کا کلام حق کے لئے ہے تو اس کی گفتار اس کی خاموشی سے بہتر ہے اور اگر کلام باطل ہے تو پھر سکوت، کلام سے بہتر ہے۔ اسی طرح سکوت اگر غفلت اور حجاب کی وجہ سے ہے تو پھر گفتار خاموشی سے بہتر ہے۔"

طالب جب گفتگو کرے تو ضروری ہے کہ حق بات کے سوا کچھ بھی نہ کہے۔ کسی کو اس کی زبان سے تکلیف نہ پہنچے۔ مریدین کو چاہئے کہ وہ مرشد کے کلام میں ہر گز دخل نہ دیں نہ ہیر پھیر کریں۔ حق کی تعریف یقین ہے۔ جس بات پر طالب عین الیقین حاصل کر چکا ہو تو اس بات پر بولنا جائز ہے اور جو بات اس کے یقین میں داخل نہیں اس پر طالب کا بولنا جائز نہیں۔

www.ksars.org

کان کاادب:

کان کاادب یہ ہے کہ وہ فحش اور بیہودہ باتوں اور غیبت اور چغل خوری اور ہر قسم کی بری باتوں کو نہ سنے بلکہ ذکر و حکمت کی باتوں کو سنے اور ایسی باتیں سنے جس سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہو اور جو کوئی اس سے گفتگو کرے اس کو توجہ کے ساتھ سنے۔

آنکھ کاادب:

آنکھ کاادب یہ ہے کہ حرام چیزوں کو اور لوگوں کے عیب و منکرات کو دیکھنے سے باز آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور جو سینوں میں چھپی ہوئی باتیں ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ جس شخص کی نظر بازی زیادہ ہو گی اس کی حسرتیں بھی زیادہ ہوں گی۔ طالب کی نگاہ اللہ کی قدرت و عظمت اور اس کی صفت کی خوبصورتی پر استدلال کے لئے ہونی چاہئے اور نفس عمارہ کی خواہشات سے اسے عاری ہونا چاہئے۔

چلنے کے آداب:

چلنے کے آداب یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور عبادت میں کوشش کرے اور خدا کی زمین پر فخر و تکبر کے ساتھ نہ چلے کیونکہ یہ باتیں اللہ کو ناپسند ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

www.ksars.org

"اور خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری کے ساتھ چلتے ہیں۔"

طالب حق کو اپنا ہر قدم زمین پر رکھتے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہ قدم اپنے نفس کے لئے ہے یا خدا تعالیٰ کے لئے۔ اگر اپنی ذات کے لئے ہو تو اس پر استفسار کرے اور اگر حق تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو تو خدا کا شکر ادا کرے تاکہ حق تعالیٰ کی زیادہ خوشنودی حاصل ہو۔ پس سر جھکائے ہوئے چلے اور ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ بالکل سامنے دیکھے اور انکساری کے ساتھ چلے۔

قلب کے آداب:

قلب کے آداب یہ ہیں کہ خراب اور برے خیالات کو دور کیا جائے اور اللہ کی نوازشوں اور نعمتوں اور عجائبات میں غور و فکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور وہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"گھڑی بھر کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

قلب کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ طالب مخلوق خدا کے ساتھ حسن ظن رکھے، کینہ، دھوکہ، حسد، خیانت، شہرت، دولت کی محبت، جھوٹ اور دوسری برائیوں سے دل کو پاک کرے کہ یہ چیزیں قلب کی خیانتوں میں داخل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

www.ksars.org

"دیکھو آدمی کے جسد میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہو گا اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جائے گا اور وہ قلب ہے۔"

دوست احباب کے آداب:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح کئے تو عنقریب خدائے رحمان ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔"

جن لوگوں کا کردار اچھا ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کو دوست بنا لیتے ہیں یا انہیں دوستی کے قابل بنا دیتے ہیں۔اس لئے کہ وہ حقوق پورے کرتے ہیں سالکین کو چاہئے کہ وہ کسی کے ساتھ محبت محض اللہ تعالیٰ کے لئے کریں نہ کہ نفسانی خواہش اور کسی غرض اور کسی مراد کے حصول کے لئے۔

رسول ﷺ کا فرمان ہے:

"ہر شخص اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔"

سالکین کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک لوگوں کے ساتھ میل جول رکھیں اور ان لوگوں کے ساتھ میل جول رکھیں جن کو اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

"کمال تقویٰ یہ ہے کہ تو اسے دین کا علم سکھائے جو کچھ نہیں جانتا۔"

www.ksars.org

انسان وہی دین وراستہ اختیار کرتا ہے جس پر اس کے دوست گامزن ہوتے ہیں۔ اگر نیک لوگوں سے صحبت ہو گی تو خود اگرچہ برا ہی کیوں نہ ہو نیکی کی طرف آئے گا اور ان کی صحبت اسے نیک کر دے گی اور اگر برے لوگوں کے ساتھ صحبت رکھتا ہو تو اگرچہ خود نیک ہو بالآخر خود بھی برا ہو جائے گا۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں کہ انسان جب کسی کوئلے کی دکان پر جا کر بیٹھتا ہے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب وہ وہاں سے واپس آتا ہے تو وہ اپنے کپڑوں پر ان کوئلوں کی سیاہی دیکھے گا۔ اگرچہ کہ اس نے کاروبار نہ ہی کیا ہو اور انسان جب کسی عطر فروش کی دکان پر بیٹھتا ہے اور کچھ دیر کے بعد واپس جاتا ہے تو اس کے کپڑوں سے عطر کی خوشبو آئے گی حالانکہ اس نے عطر کا کاروبار نہیں کیا۔

دوسروں کی صحبت بڑا اثر رکھتی ہے۔ انسان دوسروں سے شعوری اور لاشعوری طور پر متاثر ہوتا ہے۔ اہل طریقت کے نزدیک محبت ایک فریضہ کا درجہ رکھتی ہے۔

دوستوں کے انتخاب میں اس بات کو پیش نظر رکھئے کہ جس سے آپ تعلق بڑھا رہے ہیں اس کے رجحانات اور اس کی سوچ کیسی ہے؟ اس کے خیالات تعمیری اور صحت مند ہیں یا نہیں؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملے میں اس کے اندر کتنا ایثار ہے۔

دوستوں سے ربط وضبط اور تعاون بالخصوص اور دیگر لوگوں سے محبت بالعموم اللہ کی رضا کے لئے رکھئے۔ اس میں منفعت اور غرض کا پہلو ہر گز نہ ڈھونڈیئے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"قیامت میں خدا فرمائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو صرف میرے لئے لوگوں سے محبت کیا کرتے تھے۔ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔"

www.ksars.org

اپنی اور اپنے دوستوں کی مصروفیات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملات کو مرکزی حیثیت دیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں ان لوگوں سے محبت کروں جو لوگ میری خاطر آپس میں محبت اور دوستی کرتے ہیں اور میرا ذکر کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اور میری محبت کے سبب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری خوشنودی چاہنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔"

لوگوں سے میل جول:

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں خصوصاً جاہلوں کے ساتھ صبر حسن خلق کے ساتھ پیش آئے ان کی سختی کو برداشت کرے اور ان کو بنظر رحمت دیکھے۔ مرید کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس پر اللہ کا کس قدر فضل و احسان ہے۔ اگر کوئی ناگوار بات سرزد ہو جائے تو حلم و تحمل سے کام لے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ بڑے عزم کی بات ہو گی۔"

سالک کو چاہئے کہ کم سن اور نوجوان لوگوں کو دین کی طرف راغب کرے اور ادب سکھائے۔ اخوان طریقت کے ساتھ میل جول اس طرح ہو کہ ان کے ساتھ عزت و ادب سے پیش آئے اور ان کی مخالفت کو ترک کیا جائے اور کینہ اور حسد سے پرہیز کیا جائے اور ان باتوں کو اختیار کیا جائے جس میں ایک دوسرے کی سلامتی ہو۔

www.ksars.org

مخلوق خدا کی خدمت:

پانی، ہوا، دھوپ، زمین، چاندنی، درخت وغیرہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی براہ راست تخلیقات ہیں اور اگر یہ انسانی زندگی کو FEED نہ کریں تو زندگی کا وجود ختم ہو جائے۔ ان تخلیقات پر جب تفکر کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کوئی بات سامنے نہیں آتی کہ ان تمام تخلیقات سے اللہ تعالیٰ کا مقصد اور منشاء یہ ہے کہ نوع انسانی کو فائدہ پہنچایا جائے۔ ایسا فائدہ ایسی خدمت جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کوئی غرض، کوئی مقصد، کوئی لین دین، کوئی لالچ اور کوئی کاروبار نہیں رکھتا۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کا دستر خوان ہے جس پر اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو رزق اور زندگی گزارنے کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرز فکر یہ ہے کہ وہ مخلوق کی بغیر صلہ وستائش اور کسی غرض کے خدمت کرتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے اللہ تعالیٰ انہیں بھی دیتا ہے انہیں بھی زندگی اور زندگی گزارنے کے تمام وسائل فراہم کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ انہوں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس مخلوق کو زندہ رکھنے کے لئے اتنے وسائل فراہم کر دیئے کہ فی الواقع اس کا شمار بھی ممکن نہیں۔

تمام انبیاء اور اولیاء کرام کی زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے نوع انسانی کی جو بھی خدمت کی اس خدمت کے پیچھے ان کا اپنا کوئی ذاتی فائدہ نہیں تھا اور اگر کسی بندے کا ذاتی فائدہ ہو تو وہ ہر گز ہر گز اولیاء اللہ کی صف کا بندہ نہیں ہے۔ کوئی شخص اپنی کوشش اپنی ریاضت سے اپنے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار کر کے خرق عادت کا اظہار کر سکتا ہے لیکن اگر اس کی طرز فکر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرز فکر سے ہم آہنگ نہیں ہے تو یہ تصوف نہیں ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی نمازی سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو اس کو لامحالہ نماز پڑھنی پڑے گی اگر کسی شرابی سے دوستی کا کوئی خواہش مند ہے تو اس کو اس کی محفل میں بیٹھنا پڑے گا۔ گویا کسی بھی شخص سے دوستی کرنے کے لئے اس کی طرز فکر کا اپنانا ضروری ہے۔ اسی طرح جب ایک سالک اللہ تعالیٰ کی ذات کے عرفان کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے وا سے اللہ تعالیٰ کی صفات اپنانی

www.ksars.org

ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ مخلوق کی بلاصلہ وستائش خدمت کرتا ہے گویا جب تک کسی بندے کے اندر مخلوق خدا کی خدمت کی خواہش پیدا نہیں ہوتی وہ اللہ تعالیٰ سے قریب نہیں ہو سکتا۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ اگر آپ کسی نمازی سے دوستی کرنا چاہتے ہیں تو وہ تمام مشاغل اپنا لیں جو اللہ والوں کے لئے پسندیدہ اور مرغوب ہیں۔ جس مناسبت سے ان مشاغل کو یا ان عادات کو اختیار کرتے چلے جائیں گے اس مناسبت سے آپ کی طرز فکر بدلتی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرز فکر یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتے ہیں اور اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں چاہتے ہیں۔ بندہ جب اختیاری طور پر اس طرز فکر کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے کام آئے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرز فکر منتقل ہو جاتی ہے اور جب یہ طرز فکر گہری ہوتی ہے تو اس کا ذہن ہر آن اور ہر لمحہ اس طرف متوجہ رہتا ہے کہ میں وہ کام کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے لئے پسندیدہ ہے۔ بار بار اس عادت یا عمل کا اعادہ ہونے سے اس کے مشاہدات میں بے شمار واقعات ایسے آتے ہیں کہ اس کے اندر یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے یا جو آئندہ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی تعلق کو استغناء کا نام دیا جاتا ہے۔

حضرت لال شہباز قلندرؒ کا فرمان ہے کہ اگر انسان کے دل میں درد ہو اور وہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کی تڑپ محسوس کرتا ہو تو حقیقت میں انسانیت کی یہی معراج ہے۔

اوقات کار کا خیال:

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے اوقات کار کا خیال رکھے اور ان کو اچھے کاموں میں صرف کرے کیونکہ اگر وقت گزر جائے تو پھر اس کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

www.ksars.org

"عقل مند کو چاہئے کہ وہ ان تین امور میں سے کسی نہ کسی میں مشغول رہے یا تو اپنے معاش کی درستگی میں یا معاد (آخرت) کی تیاری میں یا حلال کی لذت میں۔"

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ:

"مومن کو چاہئے کہ اس کے اوقات چار حصوں میں تقسیم ہوں۔ ایک حصہ رب کی مناجات میں اور ایک حصہ نفس کے محاسبہ میں اور ایک حصہ ان علماء کے ساتھ جو خدا کے احکام میں اس کو مدد دیتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے نفس اور اس کی جائز لذتوں میں۔"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی اپنے گھر میں بیکار نہیں رہتے تھے یا تو کسی مسکین کے جوتے کو درست کرتے یا کسی بیوہ کے کپڑے سیتے۔

سالکین کو چاہئے کہ اوقات کو (معمولات سے) آباد رکھیں اور اہم کاموں میں صرف کریں اور شب بیداریوں کو غنیمت جانیں اور اندھیری راتوں کو اذکار و افکار کے ساتھ منور کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی تعلق قائم کر لیں اور ہمت اس بات پر صرف کریں کہ اپنی ذات بھی درمیان سے اٹھ جائے اور نفس کی انانیت ذائل ہو جائے۔

طالب کو ہر چیز پر عمل منجانب اللہ تصور کرنا چاہئے اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا چاہئے اور ضروری ہے کہ وہ اسوہ حسنہ پر سختی سے عمل پیرا ہوں اور تمام اہل حقوق کی رضا جوئی میں کوشش کریں اور جوانی کے زمانے کو غنیمت جانیں اور جوانی کی قوتوں کو مالک حقیقی کی اطاعت میں صرف کریں کیونکہ اگر ان دنوں کو سستی میں گزار دیا تو آگے کچھ ہاتھ آنا مشکل ہے۔ نیک کاموں کے کرنے میں ہمت باندھ لی جائے اور اللہ اور اس کی رضا کے سوا کوئی غرض نہ رکھی جائے اور فکر کو دل و جان سے عزیز رکھے اور نیک لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے اور اہل دنیا اور اس کی جھوٹی آرائش کو حقیر و ناچیز جانے اور اپنے شیخ کی خدمت میں کوشاں رہے۔

www.ksars.org

آداب سماع:

بعض سلاسل میں سماع کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ حضرت ذوالنونؒ سے سماع کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سماع اللہ کی طرف سے ایک واردات ہے جو قلوب کو اس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ سماع کی مثال ابر کی طرح ہے جو اچھی زمین پر برسے تو زمین کو سرسبز کر دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اہل سماع تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے پروردگار سے سنتے ہیں۔ ایک قلب سے سنتے ہیں اور ایک اپنے نفس سے سنتے ہیں۔ پروردگار سے سننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جمال و جلال کے وجدان کے ساتھ سنے اور اس میں رضائے الٰہی کا خواہاں ہو۔ قلب سے سننے کے معنی ہیں کہ حضور قلب سے سنے اور طلب صادق رکھتا ہو نفس سے سننے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے نفس کی خودی دور نہ ہو اور وہ متزلزل عقائد میں ہو۔ پہلی حالت اعلیٰ دوسری اوسط اور تیسری ادنیٰ ہے۔

www.ksars.org

باب پنجم

سالک کی تربیت:

یہ بات ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے کہ روحانی علوم سیکھے نہیں جاتے بلکہ منتقل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان علوم کے لئے اپنے بندوں پر اپنی رحمت خاص کرتا ہے مگر اس کے لئے بہت ضروری چیز ہے ذہن کی تیاری، کیونکہ دودھ کبھی بھی گندے برتن میں نہیں ڈالا جاتا۔ اگر برتن گندا ہے اور اس میں دودھ ڈال دیا جائے تو دودھ پینے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ ذہن سے شیطانی طرز فکر کو ختم کیا جائے تاکہ ذہن میں اتنی صلاحیت اور وسعت پیدا ہو کہ وہ روحانی علوم کو جذب کر سکے اگر ذہن تیار نہ ہو اور علوم منتقل کر دیئے جائیں تو بندہ جذب کی کیفیت میں چلا جاتا ہے یا پھر اسے جسمانی طور پر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

"میں تو تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"میں نے چھ روز میں آسمان کو بنایا اور عرش پر جا کر متمکن ہو گیا۔"

ان دونوں آیات سے ہمیں علم کی دو طرزیں حاصل ہوتی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہمیں دو راستے ملے ہیں یعنی علم (اللہ) ایک ہی ہے مگر اس کے حصول کی طرزیں مختلف ہیں، منزل ایک ہی ہے مگر راستے مختلف ہیں۔ روحانیت کے علوم بھی دو طرزوں میں حاصل ہوتے ہیں:

www.ksars.org

قرب نوافل کے ذریعے

قرب فرائض کے ذریعے

قرب فرائض کا علم یا علم جذب ایک دم حاصل ہوتا ہے۔ سیدنا حضور ﷺ غار حرا گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو گلے لگایا اور تمام علوم منتقل کر دیئے یعنی انہوں نے باقاعدہ کسی سے کوئی تربیت حاصل نہیں کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تو وہاں ان کو نبوت مل گئی۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن کیفیات میں یہ علم حاصل ہوتا ہے اسے جذب کہتے ہیں۔ قرب فرائض کا علم آسانی سے حاصل نہیں ہوتا اس کے لئے ذہن کو اس حد تک تیار کرنا پڑتا ہے کہ بندہ مادی جسم مادی تقاضوں کو چھوڑ دے۔ مثلاً اگر کسی کو قرب فرائض کے ذریعے علم دینا مقصود ہو تو اسے کہا جائے گا کہ یہ کشکول پکڑو اور جنگلوں میں نکل جاؤ۔ اگر بندہ خلوص دل کے ساتھ وہ کام کرتا ہے تب جا کر قرب فرائض کی طرف اس کا ذہن بنتا ہے ورنہ وہ تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم سلسلہ چشتیہ کے بانیوں میں سے تھے ان کو جو علوم حاصل ہوئے وہ قرب فرائض کے ذریعے حاصل ہوئے مگر اس کے لئے انہیں اپنی بادشاہت کو ترک کرنا پڑا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ ایک بزرگ گزرے ہیں جو کہ قرب فرائض کی کیفیات سے گزرے مگر ان کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ مجھ سے زیادہ دنیا میں کوئی اور ذلیل و خوار نہ ہو گا یعنی انہوں نے اس قدر تکلیفیں اٹھائیں تب جا کر انہیں قرب فرائض کا علم حاصل ہوا۔

قرب نوافل ایسی کیفیت ہے جس میں حصول علم کے ساتھ ساتھ زندگی کے باقی معاملات بھی چلتے ہیں۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا ارشاد ہے کہ مرشد کامل یہ جانتا ہے کہ مرید کو سلوک کی راہ میں چار مقامات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اول عالم ناسوت سے جو نفس کی دنیا ہے اور جس میں حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے اس عالم سے گزرتا ہے۔ دوسرا علم ملکوت ہے جہاں اس کے افعال تسبیح، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں۔ عالم ملکوت کے بعد سالک عالم جبروت میں داخل ہوتا ہے یہاں ذوق و

www.ksars.org

شوق، محبت، اشتیاق، طلب، وجد، سکر کے سوا کچھ نہیں۔ چوتھا عالم جس میں سالک داخل ہوتا ہے عالم لاہوت ہے جو لامکاں میں شامل ہے جہاں نہ گفتگو ہے نہ جستجو۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ حصول شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اس کے لئے کم کھانا اور رات کے وقت نوافل کی ادائیگی ضروری ہے۔ حصول طریقت سے تزکیہ دل ہوتا ہے اس کے لئے نماز پڑھنا، روزے رکھنا، ذکر جلی کرنا لازمی ہے۔ حصول حقیقت سے تجلیہ روح ہوتا ہے اور اس کے لئے روزے کی کثرت اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے اور تجلی روح سے سات گوہر روشن ہو جاتے ہیں مثلاً گوہر ذکر، عشق، محبت، سر، روح معرفت اور فقر۔

کامل مرشد پہلے مرید کی توجہ کو دنیا سے ہٹا کر اپنی طرف کرتا ہے۔ شیخ مختلف تجربات سے مرید کو گزار کر اس کے ذہن سے دنیا کی محبت ختم کر کے رسول اللہ ﷺ کی محبت کی طرف لاتے ہوئے اللہ کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ شیخ مرید کے رشتے کو اللہ کے ساتھ اس قدر مضبوط کر دیتا ہے کہ دنیاوی یا شیطانی وسوسے اس سے رشتے کو توڑ نہ سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو اسی رسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس طرح جوڑا کہ وہ بڑے بڑے طوفانوں سے بھی ٹکرا جاتے اور اپنی جان و مال قربان کرنے سے بھی گریز نہ کرتے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے

نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ شیخ کامل کی ذات مطلوب اور مقصود (یعنی اللہ تعالیٰ) تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ پیر بغیر کسی آلے کے باطنی طور پر تصرف کرتا ہے۔ وہ مریدوں کو ظاہری گفتگو کئے بغیر بھی سبق دیتا ہے، یعنی ان کا تصرف قلبی توجہ سے ہو سکتا ہے یا نظروں سے بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت شیخ

www.ksars.org

سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ کے پاس ایک عالم آیا اور کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھا رہا مگر اس دوران حضرت مجدد الف ثانیؒ نے قطعاً کوئی کلام نہ فرمایا۔ جب وہ شخص باہر آیا تو لوگوں کو کہنے لگا کہ ہم تو اس لئے آئے تھے کہ حضرت سے کچھ فیض ملے گا مگر آپ نے تو ہم سے کوئی کلام ہی نہیں فرمایا۔ حضرت مجددؒ کو جب علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ''جو ہماری خاموشی سے فیض حاصل نہیں کر سکتا وہ ہمارے کلام سے بھی فیض اخذ کرنے کے قابل نہیں۔'' اولیاء کرام کی خاموشی کو مولانا نے بے گفتہ سبق فرمایا ہے۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فقیری ایک بات ہے کان میں کہنے کی یا تو انسان ادھر تھا یا ادھر ہو گیا گویا کہ آگ میں پھونک مار دی نہ اس کے لئے وقت نہ زمانہ درکار ہے، نہ نماز نہ روزہ نہ درود و وظائف کی شرط۔

کسی شخص نے سوال کیا کہ حضور جب فقیری ایسی آسان ہے تو پھر مشقت و مجاہدہ کیوں کرواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو ایک نقل یاد آئی ہے کہ ایک شخص کے پاس تیل کے دو ہنڈے تھے، نہایت میلے کچیلے اور تیل میں چکٹے ہوئے۔ ایک ہنڈا ایک کاریگر کو دیا اور پوچھا اس کو کتنے عرصہ میں صاف کر دو گے کہا کہ پورے چالیس روز میں۔ دوسرا ہنڈا ایک اور کو دیا اس نے کہا کہ لو آج ہی صاف کئے دیتا ہوں۔ پہلے شخص نے کیا کیا کبھی تو اس ہنڈے کو کھرچا اور کبھی کھار دے کر دھوتا، کبھی نرم آنچ میں اس کو گرم کرتا اسی طرح چالیس روز میں صاف و شفاف کر دیا اور ٹھوک بجا کر حوالہ کیا۔ دوسرے شخص نے کیا ترکیب کی کہ ہنڈے کے چاروں طرف اپلوں کا انبار چُنا اور آگ لگا دی۔ ہنڈا جھٹ صاف ہو گیا لیکن کسی کام کا نہ رہا جہاں ذرا ٹھیس لگی اور چور چور ہو گیا۔ بیشک صاف تو دونوں ہو گئے مگر ایک کارآمد رہا اور دوسرا نکما ہو گیا۔

ایک سالک کی تربیت کے دوران پیر و مرشد اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ سالک میں فیض قبول کرنے کی کتنی استطاعت ہے۔ دوسرے الفاظ میں سالک کا ظرف کتنا ہے، کیونکہ فیض یا توجہ کو قبول کرنے کے لئے سالک

www.ksars.org

کے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے ورنہ بیعت سے پہلے موجود خاندانی یا معاشرتی طرز فکر کی چھاپ کو دور کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

میاں شیر محمد شرقپوریؒ صاحب کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک دن لاہور ریلوے اسٹیشن کے باہر تشریف لا رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک سکھ پر پڑی۔ آپ اس کے قریب آئے اور اس کی داڑھی کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے فرمایا۔ ''یہ داڑھی تو مسلمانوں جیسی داڑھی ہے۔'' اس بات کا کہنا تھا کہ سکھ نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

اولیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس وقت میاں شیر محمد شرقپوریؒ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی اور دوسرا سکھ کے دل میں فیض کو قبول کرنے کی استطاعت موجود تھی وگرنہ آپ صبح سے شام تک تمام سکھوں کی داڑھیوں کو ہاتھ لگا کر مسلمان کرتے جاتے۔ گویا جب تک سالک ذہنی اور جسمانی طور پر کسی بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو پیر و مرشد کوشش نہیں کرتے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

''اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ ڈر۔''

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو دو رخوں پر قائم کیا ہے۔ زندگی گزارنے کی بھی دو طرزیں متعین ہیں۔ ایک قدر وہ ہے جس میں آدمی شیطانیت سے قریب ہو کر شیطان بن جاتا ہے اور دوسری انبیاء کی طرف ہے جس کے اندر داخل ہو کر آدمی سراپا رحمت بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں شریک ہو جاتا ہے۔ وہ تمام طرزیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں شیطانی طرزیں ہیں اور وہ تمام طرزیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی ہیں پیغمبرانہ طرزیں ہیں۔ پیغمبرانہ طرزوں اور شیطانی طرزوں کا تجزیہ کرنے سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ جو بندہ رحمانی طرزوں میں داخل ہو جاتا ہے اس کے اندر پیغمبروں کے اوصاف منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ پیغمبروں کے اوصاف اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں یعنی جب کوئی بندہ پیغمبرانہ زندگی میں سفر کرتا ہے تو دراصل وہ ان صفات میں سفر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور

www.ksars.org

جب کوئی بندہ ان پیغمبرانہ صفات سے منہ موڑ لیتا ہے تو وہ ان طرزوں میں اور شہوت میں زندگی گزارتا ہے جو دراصل تاریک، کثیف اور جہالت سے معمور شیطانی طرزیں ہیں۔ شیطانی طرز یہ ہے کہ آدمی کے اوپر ڈر اور خوف مسلط رہتا ہے۔

ڈر اور خوف ایسی کیفیت کا نام ہے جو زندگی کے ہر مقام کو ناقابل شکست و ریخت زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہے۔ اس کیفیت میں آدمی دن ہو یا رات ایک خوف میں بسر کرتا ہے۔ کبھی اسے زندگی ضائع ہونے کا خوف ہوتا ہے، کبھی وہ معاشی ضروریات کے پورا نہ ہونے کے خوف میں مبتلا ہوتا ہے۔

پیغمبرانہ طرزوں میں آدمی کے اوپر غم اور خوف مسلط نہیں ہوتا وہ عدم تحفظ کے احساس سے دور رہتا ہے۔ موت چونکہ ایک اٹل حقیقت ہے اس لئے وہ مرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ جب وہ مرنے کے لئے تیار رہتا ہے تو اسے اس بات کا سراغ مل جاتا ہے کہ موت کوئی بھیانک شئے نہیں ہے بلکہ موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

جو لوگ پیغمبرانہ طرز فکر میں داخل ہو جاتے ہیں وہ اللہ کی پسندیدہ طرزوں میں زندگی گزارتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ کہا ہے۔ انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دوست ہیں اور دوستوں کی تعریف یہ بیان فرماتے ہیں کہ جو بندہ ہمارا دوست بن جاتا ہے ہم اس کے اوپر سے خوف اور غم اٹھا لیتے ہیں۔ خوف اور غم جس شخص کی زندگی سے نکل جائے تو پھر خوشی اور سرور کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان اپنی جنت اور دوزخ ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ دوزخ کے متعلق جو اطلاعات ہمیں انبیاء علیہ السلام سے ملی ہیں وہ پریشان حالی ہے۔ درماندگی ہے۔ منتشر خیالی ہے۔ تکلیف و اذیت ہے۔ اب ایک انسان جو ڈر اور خوف میں مبتلا ہے پریشان ہے، ذہنی خلفشار کا شکار ہے تو اس کی اس کیفیت کو کیا ہم دوزخ کی کیفیت نہ کہیں گے۔ دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے ذریعے جو جنت کی اطلاع ہمیں ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ راحت ہو گی، سکون ہو گا، خوشی ہو گی، آرام ملے گا، طرح طرح کی نعمتیں ملیں گی وغیرہ وغیرہ۔ اب ایک شخص جو اللہ کی رضا میں راضی ہے صبر اور شکر اس کا اوڑھنا بچھونا ہے، عدم تحفظ اور ڈر کے جذبات سے آزاد ہے اس کی اس کیفیت کو کیا ہم جنت کی

www.ksars.org

کیفیت نہ کہیں گے۔ لہٰذا جو لوگ دنیا میں اللہ سے قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ڈر اور خوف سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں بھی سکون میں ہیں اور آگے بھی سکون کی کیفیت میں زندگی گزاریں گے کیونکہ جنت کے باسی وہ لوگ ہیں جن کے سروں پر اللہ نے دست شفقت رکھ دیا ہے جو اللہ کے دوست ہیں۔

اگر کسی کے اندر خوف اور غم ہے تو اللہ کے بیان کردہ قانون کے مطابق وہ جنتی نہیں ہے۔ روحانی قدروں میں کسی شاگرد یا راہ سلوک پر چلنے والے مسافر کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کے دل سے خوف اور غم نکل جائے۔ خوف اور غم انسان کے اندر سے اس وقت تک نہیں نکلتے جب تک انسان کے اندر قناعت اور استغناء موجود نہ ہو۔ جس آدمی کے اندر جس مناسبت سے قناعت اور استغناء موجود ہے اس آدمی کے اندر اسی مناسبت سے ڈر، خوف اور غم بھی کم ہوتا رہتا ہے۔

نفس کی معرفت:

نفس کی صفت ہے کہ وہ شہوتوں میں منہمک رہتا ہے اور طاعتوں سے باز رہتا ہے۔ اس کو ریاضتوں اور مجاہدوں سے رام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مرید کا ثابت قدم ہونا ضروری ہے۔ مرید کو چاہئے کہ نفس کی مخالفت میں ثابت قدم رہے۔ بری عادتیں اس سے چھڑائے، جن باتوں سے وہ گریز کرتا ہے اس کو کرنے کے لئے آمادہ کرے اور شہوتوں سے اسے منع کرے۔ کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا یہ ایسی عادات ہیں جس سے نفس پر چوٹ پڑتی ہے۔ مرید کے لئے لازم ہے کہ نفس کو مجاہدات کا خوگر بنائے اور دیکھے کہ کہاں کچھ زیادتی ہے اور کون سی بات اس کے لئے مفید اور کونسی بات اس کے لئے مضر ہے۔

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی نگہداشت کرتا رہے اور اس کے اخلاق کو پہچانے۔ حضرت واسطیؒ نے بیان کیا ہے کہ نفس ایک بت ہے اس کی طرف رغبت سے دیکھنا شرک ہے اور اس کے بارے میں غور کرنا اور سوچنا عبادت ہے۔ نفس کو اگر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی خواہشات کا ارتکاب کرتا ہے اور بھلائیوں سے دوگراں ہو جاتا ہے۔ طالب

www.ksars.org

کو یہ جاننا چاہئے کہ نفس اپنے دعویٰ میں اللہ کی ضد اور اپنے مطالبے میں اس کا ہمسر ہونا چاہتا ہے اور یہ اس طرح کہ اللہ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ وہ اس کی حمد و ثناء کریں لیکن نفس اپنی تعریف پسند کرتا ہے۔ خدا نے اپنے بندوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کے حکم کو مانیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہیں لیکن نفس یہ چیزیں اپنے لئے طلب کرتا ہے۔ خدا نے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ بندے اس کی سخاوت و کرم کی توصیف کریں لیکن نفس یہ توصیف اپنے لئے چاہتا ہے۔ خدا نے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ بندوں کے پاس مرغوب ہو اور بندے اس سے محبت کریں لیکن نفس اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ اخلاق نفس کو بدلنے کی کوشش کرے جیسا کہ کبر، کینہ، حرص، لڑائی، جھگڑا، غیبت، اختلاف، بدگمانی، بے ایمانی، بے شرمی وغیرہ۔

کہا گیا ہے کہ انسان کے نفس کی خود پسندی اس کی عقل کی خرابی کی دلیل ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں برتری نہیں چاہتے اور نہ فساد کے درپے ہیں۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اپنے نفس پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ایسے شخص کی تواضع کرے جو اس کی عزت نہ کرتا ہو اور ایسے شخص کی محبت کی رغبت کرے جو اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچاتا ہو اور ایسے شخص کی تعریف کو قبول کرے جو اس کو نہیں جانتا۔

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال کے عیوب پر نظر رکھے اور رعونت نفس کو دور کرے اور اس کے لئے عملاً جدوجہد کرے۔ اپنا محاسبہ کرنے کی عادت اپنائے اور دیکھے کہ کہاں کچھ زیادتی ہے۔

نفس کی مثال ایک انگارے کی سی ہے جس کا رنگ تو اچھا ہے لیکن اس کا کام جلانا ہے۔ اگر نفس کے ساتھ سختی ہوتی ہے تو وہ توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی خواہشات کا ارتکاب کرتا ہے اور بھلائیوں سے روگرداں ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ حسنہ کا ایک مجموعہ آپ کے خلیفہ خاص حضرت عفیف الدین مبارک نے جمع کیا۔ ایک خطبہ میں آپ فرماتے ہیں:

www.ksars.org

"اے وہ شخص! جس کا دین شکستہ ہو گیا ہے اولیاء اللہ کی طرف قدم بڑھاتا کہ وہ تیری شکستگی کی بندش کریں اور اپنی روحانی صحت واصلاح سے ناامید نہ ہو کہ جس اللہ نے بیماری اتاری ہے وہی دوا بھی اتارتا ہے۔ باقی رہا بیماری میں مبتلا کرنا تو یہ خاص مصلحت کی وجہ سے ہے اور وہ مصلحت کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے۔ تو اپنے رب پر اس کے فعل میں ہمت مت رکھ اور اپنی مرضی کو اللہ کی بے توجیہی مت قرار دے کہ الزامات اور ملامت کے لئے تیرا نفس دوسروں کی نسبت زیادہ مستحق ہے۔ پس اپنی مرضی کا سبب اپنے نفس کی گندگی وشرارت کو قرار دے۔ اور نفس سے کہہ دے کہ عطا تو اس کے لئے ہوتی ہے جو اطاعت کرے اور غصہ اس کے لئے ہوتا ہے جو مصیبت کرے۔ پس اگر تو مصیبت نہ کرتا تو امراض کی لاٹھیاں نہ کھاتا اور جو نیکو کار مبتلائے امراض وافکار ہوتے ہیں تو یہ ان کے مراتب کی ترقی کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی صحت اور دولت چھین لیتا ہے پس اگر وہ صبر کرتا ہے تو اس کو رفعت بخشتا، خوش عیشی نصیب فرماتا، عطاؤں سے نوازتا اور سرمایہ عطا کرتا ہے۔

اے مخاطب! شیطان نے جو تیرے اندر پھونک ماردی ہے اور یہ سمجھا کہ تجھ کو کپے کی طرح پھلا دیا ہے کہ تُو تو عالم ہے تجھے کسی کی غلامی وبیعت کی ضرورت ہی کیا؟ میری نصیحت مان اور اسی پر مغرور نہ ہو کہ یہ نفس کا حملہ ہے لہٰذا نفس کے تیروں سے شکست مت کھا اور خوب سمجھ لے کہ نفس تجھ پر تیر چلا رہا ہے کیونکہ شیطان کو تجھ پر نفس ہی کے راستے سے قدرت حاصل ہوتی ہے۔ پس اگر نفس کا چلایا ہوا خود پسندی کا تیر کار گر ہو گیا تو شیطان تجھ پر مسلط ہو کر تجھے برباد کئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ نفس ہو یا بد ہم نشین ان کو شیطان اپنی کار گزاری کا آلہ بنایا کرتا ہے۔

حضرت ابوالقاسم نیشاپوریؒ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو مؤدب نہ بنا سکے اسے واقف ادب نہیں کہا جا سکتا۔

سید حسن رسول نما صاحب علیہ الرحمۃ کو بی بی صاحبہ نے ایک روز کہا کہ لوگوں کو حضرت رسول خدا ﷺ کی زیارت تم کرا دیتے ہو میں چاہتی ہوں کہ یہ سعادت مجھ کو بھی نصیب ہو۔ فرمایا کہ آج تم نہاؤ اور اچھی پوشاک پہن کر دلہن کی طرح خوب بناؤ سنگھار کرو۔ انہوں نے حسب ایماء تعمیل کی اتنے میں اس نیک بخت بی بی کے بھائی

www.ksars.org

تشریف لائے، سید حسن صاحب نے کہا۔ میاں زاد ذرا اپنی بہن کو سمجھاؤ۔ دیکھو بڑھاپے میں کیا بناؤ سنگھار کیا ہے۔ میں تو بڈھا ہو گیا۔ اب کیا دوسرا شوہر کرے گی۔ وہ جا کر دیکھتے ہیں تو فی الحقیقت نہایت سج دھج سے دلہن بنی بیٹھی ہے۔ کہا کہ اے بہن تم پر کیا پتھر پڑ گئے۔ یہ کیا روپ بنایا ہے۔ بھائی سچ فرماتے ہیں کیا تم کو اس بڑھاپے میں دوسرے خاوند کی ہوس ہے۔ یہ بات سنتے ہی اس نیک بخت بی بی نے چوڑیاں توڑ دیں، کپڑے پھاڑ ڈالے اور رو رو کر اپنا برا حال کر لیا کہ اس بڈھے نے مجھ سے تو کیا کہا اور بھائی سے کیا کہہ دیا۔ اسی رونے پیٹنے اور غم و غصہ کی حالت میں آنکھ لگ گئی اور آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ اٹھیں تو نہایت بشاش و ہشاش اٹھیں۔ سید صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا بھید تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے دل میں غرور تھا تو مجھ کو حقیر جانتی تھی۔ جب وہ جاتا رہا اور سوز و گداز تیرے دل میں پیدا ہوا تو زیارت ہو گئی۔ غرض یہ ہے کہ طالب جب تک انانیت سے نہیں گزرتا در اصل مطلوب نہیں ہوتا۔

نیست از خود شو کہ تا یابی نجات

چون تو برخیزی نشیند حق نجات

ترجمہ: اپنی نفی کر تا کہ تو نجات پائے جب اٹھ گیا تو حق نجات پا گیا۔

حضرت ابراہیم قندزیؒ نے دعا کی کہ بار خدایا میرے واسطے جو کچھ عذاب مقدر ہے سو دنیا ہی میں بھگت جاوے۔ چنانچہ ان کو مرض جذام ہو گیا۔ قبرستان میں ایک قبر کھودی وہیں پڑے رہتے۔ ایک دن کھجوروں کے باغ میں پہنچے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے باپ کا تھا۔ خواجہ صاحب ان دنوں نو دس برس کے تھے۔ کچھ کھجوریں توڑ کر پیش کیں۔ فرمایا کہ بیٹا میرے ہاتھ نکمے منہ زخمی ہے تو ہی اپنے ہاتھ سے کھلا دے۔ انہوں نے کھلانی شروع کیں جو گٹھلی پھینکتے یہ اس کو اٹھا کر کھا جاتے تھے۔ آپ نے معلوم کیا کہ یہ لڑکا ہونہار ہے۔ کھجوریں کھا کر فرمایا کہ جاؤ مکہ معظمہ سے تحصیل علم کر کے واپس آؤ تا کہ تمہاری امانت جو ہمارے پاس ہے دی جائے۔ جب تحصیل علم کر کے واپس آئے تو درخواست کی کہ حضرت اب بیعت فرمایئے۔ جواب دیا کہ تم حضرت عثمان ہارونی کے پاس جاؤ۔ ان کے پاس پہنچے بعد تعلیم کے ارشاد کیا کہ اب تم جاؤ۔ حضرت ابراہیم قندزیؒ کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ تمہارے منتظر ہیں۔ ان کے پاس

www.ksars.org

واپس آئے تو پہچان نہ سکے کیونکہ بیماری سے صحت پا چکے تھے۔ دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت آدمی بیٹھا ہے۔ سلام کیا۔ فرمایا کہ آؤ ہمارا بھی وقت قریب ہے تعلیم کی اور فرمایا کہ ہمارا کفن دفن کر کے اپنے پیر کے پاس چلے جانا چنانچہ خواجہ صاحب نے ایسا ہی کیا۔

مرشد کامل کی موجودگی یا غیر موجودگی میں تربیت:

شیخ کامل کی ہمت اس کا نور ایمان ہے اور اسی کے ذریعے سے وہ مرید کی تربیت کرتا ہے اور ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی دیتا ہے لہٰذا اگر مرید کو شیخ کے ساتھ محض نور ایمان کی وجہ سے محبت ہو تو شیخ اسے ہر حالت میں فیض پہنچاتا ہے خواہ شیخ موجود ہو یا نہ ہو بلکہ شیخ کی وفات کے بعد بھی ہزاروں برس ہی کیوں نہ گزر جائیں تب بھی فیض جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے اولیاء آنحضرت ﷺ کے نور ایمان سے فیضان حاصل کر رہے ہیں اور آنحضرت ﷺ انہیں ترقی دے رہے ہیں اور ان کی تربیت کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ان اولیاء کی محبت محض ان کے نور ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اگر مرید کو شیخ سے محبت صرف اس کی ذات کی حد تک ہو اور نور ایمان سے نہ ہو تو اسے شیخ کی حاضری میں تو فیض حاصل ہو گا مگر غیر حاضری میں فیضان کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ ذات کی محبت کی یہ علامت ہے کہ محبت دنیاوی نفع حاصل کرنے یا مصائب و مشکلات کی غرض سے بچنے کی غرض سے ہو اور ایمان کی محبت کی علامت یہ ہے کہ محبت محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو۔ اس میں کسی قسم کی غرض (سوائے اللہ کے) نہ ہو۔ لہٰذا مرید اگر شیخ کی غیر حاضری کی وجہ سے اپنے اندر کمی محسوس کرے تو مرید کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

پیر و مرشد کے وصال کے بعد بھی ان سے روحانی طور پر فیض حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ روح کبھی نہیں مرتی اس لئے کہ روح قائم بالذات ہے۔

www.ksars.org

تصور شیخ: نسبت رابطہ

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ تصور شیخ سے طالب پر علم شیخ وارد ہو جاتا ہے اور اس طلب سے اوروں کو فیض و فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ نسبت اس کی متعدی ہوتی ہے۔

رابطہ شیخ میں کمال حاصل کرنے کے لئے تصور شیخ بہت ضروری ہے۔ حضرت مولانا جامیؒ فرماتے ہیں:

"مرید بحالت غیب شیخ کی صورت کو اپنے خیال میں پکڑ کر قلب کی طرف متوجہ رہے۔"

شیخ کے اندر چونکہ صفات رحمانیہ کام کر رہی ہوتی ہیں۔ اس لئے جب کوئی طالب شیخ کا تصور کرتا ہے تو شیخ کے اندر کام کرنے والی روشنیاں طالب میں سرائیت کر جاتی ہیں۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ جب ہم سیب کا تصور ذہن میں لاتے ہیں تو ہمارے منہ میں سیب کا ذائقہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کہ ہم نے سیب نہ کھایا ہو۔ شیخ چونکہ رحمت الٰہی سے سرشار ہوتا ہے اس لئے اس کی طرز فکر میں سوائے اللہ کے اور کوئی دوسری ذات نہیں ہوتی۔ اس کا ہر عمل اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ اس کا ذہن ہر عمل میں پہلے اللہ کی طرف جاتا ہے۔ اس کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا ہر کام اللہ کی خاطر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا جب تصور کیا جاتا ہے تو اس کی طرز فکر میں کام کرنے والی روشنیاں طالب میں منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہیں بشرطیکہ اسے یکسوئی نصیب ہو۔

اس رابطہ سے کسی شخص کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ یہ رابطہ شرک ہے۔ اگر شرک مانا جائے تو ہر شخص کے خیالات میں ہزاروں چیزیں رہتی ہیں جو موجود نہیں ہوتیں مگر ان کا نقشہ اس کے دل میں رہتا ہے۔ اسے شرک کیوں کہا جائے کیونکہ شئے غائب کو اپنے علم خیال میں حاضر کر رہا ہے۔ تصور شیخ کی خاص مصلحت یہ ہے کہ جب آدمی کے خیال میں کوئی دشمن آتا ہے تو خود بخود غیظ و غضب اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور اس وقت اس کی صلاحیت و عقلمندی میں فرق آجاتا ہے، پس اس طرح خدا کے دوستوں کا خیال خدا کی محبت کو اور اس کی یاد کو بھی تازہ کرتا ہے۔

www.ksars.org

شیخ سے ہر وقت کے رابطے سے ایک وقت رابطہ کی نسبت غالب آجاتی ہے تو سالک اپنے آپ میں بھی اپنے شیخ کو دیکھتا ہے اور اپنے آپ میں اس کے اوصاف کا مشاہدہ کرتا ہے پھر وہ جہاں دیکھتا ہے اسے شیخ کی ہی صورت نظر آتی ہے۔

ازیں بتاں ہمہ در چشمِ من تو می آئی

بہر کہ می گرم صورتِ تو می بینم

(ان سب بتوں (حسینوں) میں سے تو ہی میری نگاہ میں آتا ہے۔ میں جس کو بھی دیکھتا ہوں تیری ہی صورت دیکھتا ہوں۔)

یہ نسبت مرید کو ذکر سے زیادہ فائدہ دینے والی اور بڑی نعمت ہے۔ گویا وہ ہر وقت حضوری میں ہے اور شیخ سے فیض حاصل کر رہا ہے۔ اس نسبت کا حاصل ہونا شیخ کے ساتھ مناسبت کاملہ کی خبر دیتا ہے۔

کچھ لوگ جو اس نسبت کو حاصل کر لیں شیخ کی محفل میں جانے سے کتراتے ہیں اور اسی نسبت پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے عرض ہے کہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہونا ایک الگ ہی اثر رکھتا ہے اور اس سے دوسرے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے مرید کا شیخ کی خدمت میں حاضر ہونا لازم اور ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب صحبت اور حاضری کی بدولت ہی اصحاب ہوئے اور بلند درجات پر پہنچے۔

شیخ چونکہ فیوض و برکات کا واسطہ ہے لہٰذا جب تک واسطہ درست نہ ہو گا تو منزل تک رسائی ناممکن ہے لہٰذا فنافی الشیخ کے بغیر فنافی اللہ حاصل ہونا مشکل ہے۔ مرید کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس طرح سے شیخ کے حوالے کر دے جس طرح کہ مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور یہ کیفیت زندگی کے تمام معاملات میں ہونی چاہئے۔

مطلوب حجاب میں پوشیدہ ہے۔ اس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ وہی ہے جو مرشد بتائے اور جس کی حضور اکرم ﷺ نے تعلیم دی ہے۔ طالب وہی راستہ اختیار کرے۔ یہ کوشش ہر گز نہ کرے کہ اس کے اندر کشف و

www.ksars.org

کرامت پیدا ہو کیونکہ یہ چیزیں حجاب عظیم ہیں۔ لوگ انہی کو بڑا کام سمجھتے ہیں اور انبیاء کے معجزات دیکھ کر ان پر ایمان لاتے اور اولیاء کی کرامات سے ان کے معتقد ہوتے ہیں۔ طالب اپنا اصل مقصد پیش نظر رکھے اس کے سوا جو کچھ ہے وہی اس کے لئے کفر و جہنم ہے۔

تصور شیخ کے واسطے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ ایک لمحہ بھی اس کے تصور سے خالی نہ رہے۔ طالب ہر وقت شیخ کو غیب کے مشاہدے میں سمجھے اور اپنے اوپر شیخ کی تجلی کا تصور کرے۔ اگر ایسا کرتا رہا تو ایک وقت ہو گا کہ شیخ اس کی خلوت میں سامنے آ جائیں گے اور شیخ کے دل پر جو حق کی تجلی ہو رہی ہے اس کا عکس اس کے دل پر جلوہ گر ہو گا۔ جب آفتاب کا عکس پانی پر پڑتا ہے اور پانی کے پاس جو دیوار ہوتی ہے اس کے اوپر بھی پانی کا عکس نمودار ہوتا ہے۔ دیوار میں چونکہ کثافت ہے اس لئے اس میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ براہ راست سورج کا عکس اس پر نظر آئے مگر جب وہ پانی کے قریب ہوئی تو اس نے پانی کو وسیلہ بنا کر اپنا حصہ لے لیا۔ لہٰذا شیخ کے قلب کی طرف متوجہ ہونے میں بہت فائدے ہیں۔ طالب ہمیشہ اپنے آپ کو شیخ کی حراست میں خیال کرے اور اپنے ہر کام کو شیخ اور خدا کی عنایت تصور کرے۔ اپنے ہر عمل کا رخ شیخ کی طرف موڑ دے۔ کچھ عرصے میں جدھر دیکھے گا مرشد ہی مرشد نظر آئیں گے۔

اولیاء کے نزدیک مرشد کی نظر ہر وقت مرید کے دل پر رہتی ہے۔ مرشد کے مرتبہ کو سمجھنا بہت بڑا کام ہے جس کو جاننا طالب کے لئے ناممکن ہے لہٰذا طالب کو کم از کم اتنا اعتقاد تو ضرور رکھنا چاہئے کہ مرشد جو کچھ فرماتے ہیں یا جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ کامل مرشد وقت کا ولی ہوتا ہے۔ اگر مرشد کے مرشد بھی موجود ہوں تب بھی یہی خیال کرے کہ مجھے جو فیض اپنے مرشد سے پہنچ سکتا ہے وہ مرشد کے مرشد سے نہیں پہنچ سکتا۔ طالب کو اپنا رابطہ ہر حال میں مرشد تک ہی رکھنا چاہئے۔

حضرت سید محمد گیسو دراز بندہ نواز چشتی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب خاتمہ میں لکھتے ہیں:

www.ksars.org

"پیر کا نام چھوٹے بڑے ہر ایک کے سامنے زبان پر جاری رکھ، اپنے دل میں پیر کا تصور رکھنے کے لئے کوئی وقت عمل اور حال معین نہ کر۔ ہر وقت ہر حال میں اور ہر جگہ اس کا تصور دل میں کئے رہ۔ جب مرید کا دل پیر کے دل کے سامنے حاضر ہو گا تو کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں کا آمنہ سامنہ ہو جائے۔ پیر متجلی ہے، انوار قدسی اس پر ہمیشہ متجلی اور روشن ہیں۔ جس وقت انوار قدس کا عکس اس پر ظاہر ہو گا اور مرید کا دل اس کے سامنے آ جائے گا تو عکس کا عکس اس کے دل پر ضرور پڑے گا۔ شیخ ہزاروں مشقت اور زحمت کے اور اپنے دل کو عکس پذیر ہونے کے لائق بناتا ہے اور مرید اس سے بے مشقت اور ریاضت کے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیر کی طرف متوجہ رہنے سے دل پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مرید کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو شیخ کی حفاظت میں سمجھے اور اگر کوئی کام اس سے ہو جائے تو یہ گمان نہ کرے کہ یہ کام اس سے ہوا ہے بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور شیخ کی مدد کی بدولت سمجھے۔ جو شخص اس پر کاربند رہا اور ہمیشہ رہا تو چند دنوں بعد وہ جدھر دیکھے گا ادھر شیخ کو پائے گا۔ پیر صورت اور معنی دونوں رکھتا ہے اس کی صورت سے متعلق ہو جا کہ اس کے معنی کا فیض بھی اس کی صورت سے ہی ملے گا۔ جب تو اس کی صورت سے متعلق ہو جائے گا تو یقیناً اس کا فیض تجھ پر تجلی کرے گا۔ امتوں کو حکم ہے کہ نبی کی طرف متوجہ ہو جاؤ تا کہ جو کچھ نبی کو آئے تم بھی اس سے فیض یاب ہو۔ پیر اور مرید کے درمیان بھی یہی بات ہے۔ صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ مرید پیر کے دل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور پیر مرید کے دل میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے لہٰذا پیر کی صورت کی طرف توجہ بہت ضروری ہے۔

پیر کا تصور اس طرح کرنا چاہئے جیسے وہ اس کے حضور اور اس کی مجلس میں ہمیشہ موجود ہے۔ پیر کو یا تو اپنے دل میں تصور کرے یا خود اپنے ہی کو پیر تصور کرے۔

جب مرید کی طرز فکر مراد کی طرز فکر بن جاتی ہے تو وہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔

من تو شدم تو من شدی

من تن شدم تو جاں شدی

www.ksars.org

اس کا اظہار قرآن پاک میں ہوا ہے۔

اے محمد ﷺ! وہ مٹھی بھر کنکر (مٹی) آپ ﷺ نے نہیں مارے بلکہ اللہ نے مارے۔"

گویا جب آپ کی سوچ رہنما کی سوچ کے مطابق ہو جائے تو آپ کے جسم میں طاقت آپ کے اندر حوصلہ اور ہر خواہش اس معبود کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کو جب سفیر بنا کر مکہ بھیجا گیا اور افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے تو ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر پیغمبر اسلام رسول اللہ ﷺ نے قصاص عثمان کے لئے صحابہ کرام سے بیعت لی اور اپنے ہاتھ کے اوپر ایک اور ہاتھ رکھا اور فرمایا:

"یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔"

قرآن پاک میں آتا ہے:

"اے محمد ﷺ! بے شک آپ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب سالک مال و متاع دنیا اور تفاخر ذات کو محبوب کے قدموں پر نثار کر دے تو اس کی ذات ختم ہو جاتی ہے۔ مرید اور مراد کے ارادے اور طرز فکر میں کسی بھی قسم کا فرق نہیں رہتا۔ اس کے لئے زمان و مکان کی قید کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ضرورت صرف اپنے ذہن کو پیر و مرشد کے ذہن کی طرف موڑنے کی ہے۔ ایسی کیفیت میں جس طرح مراد، مرید کو سامنے بٹھا کر توجہ کرتا ہے۔ ہزاروں میل کے فاصلے پر بھی مرید ان کی تواذ بشارت کو محسوس کرتا ہے۔

تصور شیخ سے شیخ کے اندر کام کرنے والی لہریں دماغ کے اوپر منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور جیسے جیسے تصور میں انہماک بڑھتا ہے اسی مناسبت سے لہروں کی منتقلی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ شروع شروع میں لہروں کی

www.ksars.org

منتقلی سے دماغ کی صفائی ہوتی ہے۔ صفائی ہونے کے بعد وہ علوم جن کا دار و مدار بے یقینی اور شک پر ہے، ذہن سے نکلتے ہیں اور بالآخر ذہن پاک صاف اور شیشے کی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ اب وہ علم منتقل ہونا شروع ہوتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تم ہماری بصارت سے دیکھتے ہو، ہماری سماعت سے سنتے ہو اور ہمارے فواد سے سوچتے ہو۔"

تصور شیخ میں مرید شیخ کی صورت کو اپنے سامنے یا ذہن میں ایسے رکھتا ہے جس طرح کوئی چیز ہر وقت نگاہ میں رہتی ہے یا اپنے آپ کو شیخ ہی تصور کرتا ہے۔ لہٰذا مرید اپنی ہر حرکت میں شیخ کی حرکت کو پیش نظر رکھتا ہے اور ہر کام اسی انداز سے کرنے کی کوشش کرتا ہے جس طرح شیخ کرتا ہے۔ جب یہ رابطہ یا تصور انتہا کو پہنچتا ہے تو مرید اپنے آپ کو شیخ کے روپ میں دیکھتا ہے اور خود کو اس کے لباس میں ملبوس اور اس کی صفت میں متصف پاتا ہے۔ اسے ہر طرف شیخ ہی کی صورت نظر آتی ہے۔ ایسے مرید کو فنافی الشیخ کہتے ہیں اور یہ مقام فنافی اللہ کی ابتداء ہے۔

در و دیوار جو آئینہ شد کثرتِ شوق

ہر کجا می نگرم روئے ترا می بینم

(میرے کثرتِ شوق کے باعث در و دیوار آئینہ بن گئے ہیں۔ جدھر بھی دیکھتا ہوں آپ کا چہرہ ہی نظر آتا ہے۔)

تصور شیخ سے شیخ کے اندر کام کرنے والی روشنیاں مرید کے اندر کام کرنے لگتی ہیں۔ آہستہ آہستہ شیخ کے ساتھ نہایت درجہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی مناسبت کی وجہ سے سالک اپنے شیخ کے باطن سے فیض حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا قول ہے کہ:

"پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے۔"

www.ksars.org

اس کی وجہ یہ ہے کہ سالک اپنی ابتدائی حالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت قائم کرنے کی استعداد نہیں رکھتا۔

زاں روئے کہ چشمِ تست احوال

معبودِ تو پیر تست اول

)تیری آنکھ ابتداء میں کج بین ہے لہٰذا تیرا اول قبلہ تیرا مرشد ہے۔(

حضرت اویس قرنیؓ بھی تصور شیخ کے ذریعے ہی حضور ﷺ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ لہٰذا اولیاء کرام کی زندگی میں اور بعد میں بھی ان سے فیض حاصل کیا جاسکتا ہے مگر چونکہ مبتدی ایسا نہیں کر سکتا لہٰذا ابتداء میں اپنے شیخ کو واسطہ بنانا ضروری ہے۔

حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ کا قول ہے کہ اللہ کی محبت میں رہو اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس بزرگ کی صحبت میں رہو جو اللہ کی محبت میں رہتا ہے کیونکہ اس کی محبت کی برکت ہی تمہیں اللہ کی محبت تک پہنچادے گی۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

ہر کہ خواہد ہمنشینی باخدا

گو نشیند در حضورِ اولیاء

جو اللہ کی ہم نشینی چاہتا ہے اسے کہو کہ وہ اولیاء اللہ کے حضور بیٹھا کرے۔

جب کوئی مرید سچے دل سے مرشد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس ہستی کا فیضان ایک جھروکے کی راہ سے مرید کی طرف آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور سالک اس فیض رساں ہستی سے اس کی صفات اپنے اندر جذب کرنے لگتا

www.ksars.org

ہے۔ان صفات کا جذب کرنا سالک کی اپنی ہستی اور کشش کے مطابق ہوتا ہے۔جو لوگ فنا فی الشیخ ہو جاتے ہیں وہ اپنی صفات سے فنااور بالآخر شیخ کی صفات سے بقاحاصل کر لیتے ہیں۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ تصور شیخ ایک ایسا عمل ہے کہ جس میں جس ہستی کے ساتھ رابطہ قائم کیا جاتا ہے اس کا فیض ایسے آنا شروع ہو جاتا ہے جیسے کوئی چھوٹا سا مٹکا یا چھوٹی سی ندی ہو جو کسی بڑے دریا کے ساتھ مل جائے۔مرید کی ایسی چھوٹی سی ندی کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ظاہر بین آنکھ تو فقط یہ دیکھ رہی ہے کہ پانی مٹکے میں سے گزر رہا ہے حالانکہ وہ مٹکا نہیں خود ایک سمندر ہے۔ان دونوں کو الگ سمجھنا نظر کا قصور ہے ورنہ حقیقتاً دونوں ایک ہیں۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ تم مٹکے کو نہ دیکھو بلکہ اس میں سمائے ہوئے لامحدود سمندر کو دیکھو۔

مولانا رومؒ "دل رابہ دل رہیت" (دل کو دل سے راہ ہوتی ہے) کے بڑی شدت سے قائل ہیں۔ دیکھنے میں جسموں میں تو کچھ دوری ہوتی ہے مگر جب ارواح مل جائیں تو دوری ممکن نہیں رہتی۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے دو چراغ ایک ہی کمرے میں الگ الگ جل رہے ہوں تو ان کی روشنیاں ملی ہوئی اور ناقابل تقسیم ہوتی ہیں۔اس طرح تصور شیخ سے دونوں روحیں اس طرح سے مل جاتی ہیں کہ فیض رسائی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ:

"اگر تمہارے دل میں خدا کی محبت پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ خدا کے دل میں بھی تمہاری محبت ضرور موجود ہے۔"

تو رخواہ از مہ طلب خواہی ز خور

نورِ مہ ہما آفتاب است اے پسر

www.ksars.org

(روشنی خواہ چاند سے حاصل کرو یا خورشید سے اے بیٹے چاند کی روشنی بھی آفتاب کے ہی باعث ہے۔)

حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ اپنی کتاب رسال مکیہ میں فرماتے ہیں "جب مرید ہر وقت شیخ کو یاد رکھے گا تو ربط قلب پیدا ہو جائے گا اور شیخ سے ہر دم استفادہ ہوتا رہے گا اور مرید کو جب کسی واقع کے سلسلے میں شیخ کی حاجت پیش آئے گی تو شیخ کو اپنے قلب میں حاضر مان کر بزبان حال سوال کرے گا اور ضرور شیخ کی روح باذن خداوندی اس کو القاء کرے گی۔ شیخ کے قلب سے ربط کے ہی سبب مرید کے قلب میں قوت گویائی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کا راستہ کھل جاتا ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب نمبر ۵۳ دفتر دوم حصہ اول (صفحہ نمبر ۱۰۱) پر فرماتے ہیں کہ خواجہ محمد اشرف نے تصور شیخ کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا تصور اس حد تک غالب آچکا ہے کہ وہ نماز میں بھی اپنے شیخ کے تصور کو اپنا مسجود دیکھتا اور جانتا ہے اور اگر فرداً نفی کرے تو بھی ذہن سے نفی نہیں ہوتی۔

آپ خواجہ محمد اشرف کو لکھتے ہیں کہ اے محبت کے اطوار والے! یہ دولت طالبان حق کی تمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں شاید ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحب استعداد اور شیخ سے مکمل نسبت رکھنے والا ہوتا ہے اور تھوڑی سی صحبت سے شیخ کے تمام کمالات کو جذب کر سکتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تصور شیخ کی نفی کی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ سجودِ الٰہیہ سے مسجود لہ نہیں (یعنی جس کی طرف سجدہ کیا جائے نہ کہ وہ جس کو سجدہ کیا جائے) محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ نماز کی حالت میں محراب، دیواریں یا دیگر بہت سی چیزیں سامنے ہوں تو بھی نماز میں کسی قسم کی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو ہی میسر آتا ہے تاکہ وہ تمام احوال میں صاحب رابطہ یعنی مرشد کامل کو اپنا ذریعہ جانے اور اپنے تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہے نہ کہ اس بدنصیب گروہ کی طرح جو اپنے آپ کو (تصور شیخ سے) بے نیاز جانتا ہے اور اپنے قبلہ توجہ کو اپنے شیخ سے پھیر لیتا ہے اور اپنے معاملے کو خراب اور تباہ کر لیتا ہے۔

www.ksars.org

حضرت باقی باللہؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی شخص کو بیعت کے لئے قبول فرماتے تو پہلے اس سے توبہ کرواتے اور اگر اس طالب میں عشق و محبت کا جذبہ ہوتا تو اسے فرماتے کہ میری شکل ہر وقت دل میں رکھو۔ ایسا کرنے سے طالب کو بہت کچھ کشائش حاصل ہوتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت باقی باللہؒ کی خدمت میں خواجہ برہان الدینؒ مستفیض ہونے کی غرض سے آئے تو آپ نے نگاہ اشت صورت کے لئے ارشاد فرمایا۔ خواجہ برہان الدینؒ نے عرض کیا: ''حضرت یہ طریقہ تو مبتدیوں کے لئے ہے۔ براہ کرم مراقبہ اعلیٰ کے لئے ارشاد فرمائیں۔'' لوگوں نے کہا کہ جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کریں چنانچہ وہ صورت کا تصور کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی دو روز ہی گزرے تھے کہ ان پر حضرت باقی باللہؒ کی نسبت عظیم غالب ہو گئی۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی کسی چیز میں فنا حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے لہٰذا حضور ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا ہو چکے تھے اس لئے آپ کا قول اللہ کا ہی قول سمجھا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کا فرمان اللہ کا فرمان ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وابستگی جب بحرِ حقیقت سے تھی تو آپ کا مقولہ اسی سمندر کا موتی تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ پوری اطاعت کے بعد انسانوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں تو پھر اس میں کیا تعجب ہے کہ کسی عارف کو فنافی الذات کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ یہ سارے کا سارا کام ربط کامل پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت شمس الدین سیالویؒ نے ایک حدیث کا حوالہ دیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''ہر متقی اور پاکیزہ میری (روحانی) اولاد میں سے ہے۔''

آپؒ فرماتے ہیں کہ مرید بھی شیخ کی روحانی اولاد میں شامل ہوتا ہے۔ مرید کا مرشد کے ساتھ ذہنی رابطہ اتنا مضبوط ہونا چاہئے کہ مرید شیخ کی ذات میں اس طرح ڈوب جائے کہ اپنی کسی حرکت و سکون کو اپنا نہیں بلکہ مرشد کا سمجھے حتیٰ کہ پیر و مرید کی صورت ایک جیسی ہو جائے۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ اور شیخ شہاب الدینؒ کا درجہ اتحاد اس قدر بڑھ گیا تھا کہ دونوں کی شکل و صورت ایک ہو گئی تھی۔ جب کبھی آپ دونوں ایک جگہ بیٹھتے تو لوگ دونوں میں تمیز نہ کر سکتے

www.ksars.org

تھے۔ مرید کو چاہئے کہ مرشد کی محبت اور اطاعت میں اس طرح غرق ہو جائے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کے مظہر کو دیکھے۔ حضرت سیالویؒ فرماتے ہیں کہ تصور شیخ کرنے سے نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں سے رہائی ملتی ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

گر تو ذات پیر را کردی قبول

ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول ﷺ

گر جدا بینی ز حق تو خواجہ را

گم کنی ہم متن ہم دیباچہ را

(اگر تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا تو پیر کی ذات میں خدا اور رسول دونوں شامل ہیں اور اگر تو نے پیر کی ذات کو خدا سے جدا دیکھا تو گویا تم نے کتاب حق کا دیباچہ اور متن دونوں کو الگ کر دیا۔)

www.ksars.org

باب ششم

طرز فکر:

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں روحانی استاد جو علم حاصل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے ایسا ربط اور تعلق قائم ہو جائے کہ بندہ بہترین غذا کھائے، بہترین لباس پہنے، بہترین گھر میں رہے، بہترین خوشبو لگائے، بہترین باغ، درختوں کے سائے میں تیور میں آوازیں سنے، ہوا سے جھومتے درختوں کے ساز سنے لیکن ذہن اللہ سے اِدھر اُدھر نہ ہو۔

آپ دن بھر کام کرتے ہیں، کھانا بھی کھاتے ہیں، چلتے بھی ہیں، گاڑی میں سفر کرتے ہیں، دفتر بھی جاتے ہیں لیکن دن کی روشنی سے آپ کا ذہن کبھی نہیں ہٹتا، اختیاری طور پر یا غیر اختیاری طور پر اگر دن کی روشنی سے آپ کا ذہن ہٹ جائے تو آپ کے سامنے تاریکی آجائے گی اور آپ چل پھر سکیں گے نہ پڑھ سکیں گے۔ رات ہوتی ہے تو رات کی تاریکی بھی ایک روشنی ہے۔ جتنے رات کے کام ہیں مثلاً سونا، آرام کرنا، ذہن کا سکون وغیرہ اگر رات کی روشنی سے آپ کا ذہن ہٹ جائے تو آپ رات کے کام نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی کا تجربہ ہے کہ ہم دن میں رہتے ہوئے اختیاری طور پر اور غیر اختیاری طور پر روشنی سے الگ نہیں ہو سکتے تو ایسی صورت میں جس اللہ نے روشنی بنائی ہے اس اللہ سے ہم کیوں رشتہ نہیں رکھ سکتے۔ دراصل یہ ایک پریکٹس ہے اس بات کی کہ ہمارا ذہن یہ جان لے کہ ہم روشنی میں چل رہے ہیں، روشنی میں کھا رہے ہیں، روشنی میں لکھ رہے ہیں، روشنی میں سو رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ روشنی ہمارے اوپر محیط ہے۔

www.ksars.org

روحانی استاد جو اپنے شاگرد میں ایسی طرز فکر منتقل کر دیتا ہے کہ وہ کچھ بھی کرے شادی کرے بچوں کی تربیت کرے کاروبار کرے جس طرح دن کی روشنی اس پر محیط رہتی ہے اور وہ سارے کام کرتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ اس پر محیط ہو جاتا ہے اور قرآن پاک کی ان آیات کی تصدیق ہو جاتی ہے:

"اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔"

روحانی استاد اگر اس کو روحانیت آتی ہے تو مرید کو وہ طرز فکر منتقل کر دیتا ہے جس طرز فکر میں آپ کا اور اللہ کا براہ راست رشتہ قائم ہے، آپ کچھ بھی کریں جہاں بھی جائیں آپ کا ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہٹے گا اور آپ کے اندر یہ طرز فکر منتقل ہو جائے گی تو ظاہر ہے آپ کو اللہ تعالیٰ سے جتنی قربت ہو گی اتنے ہی آپ اللہ کے دوست بن جائیں گے، اللہ کے قریب ہو جائیں گے۔ دوستی کسے کہتے ہیں؟ دوستی کا مطلب ہے قربت اور دشمنی کا مطلب ہے دوری۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے تو اللہ کے دوست ہو گئے تو اللہ نے قرآن کریم میں فرمادیا ہے کہ:

"اللہ کے دوستوں کو غم و خوف نہیں ہوتا۔"

انسان جس طرح سوچتا ہے وہی اس کا عمل بن جاتا ہے۔ طرز فکر میں اگر اللہ کا خوف ہے، ڈر ہے، بے یقینی ہے تو بندہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے اور طرز فکر میں اگر محبت پیار خلوص یگانگت ہے تو بندہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔

مخلوق میں سے قریب ترین بندہ اللہ کا اگر کوئی ہوتا ہے تو وہ پیغمبر ہوتا ہے۔ پیغمبروں کی طرز فکر جب آپ کو منتقل ہو گی تو آپ بھی اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جائیں گے۔ روحانی استاد کا یہ بہت بڑا وصف ہے کہ وہ اپنے شاگرد کے اندر وہ طرز فکر منتقل کر دیتا ہے جو طرز فکر اس کو حضور ﷺ سے منتقل ہوئی ہے۔

آدمی اپنے تمام گناہ اور برے کام شیطان سے منسوب کر دیتا ہے حالانکہ انسان اپنے برے بھلے کا خود ذمہ دار ہے۔ جب بھی کوئی آدمی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا ضمیر اس کو اس برے ارادے سے باز کرتا ہے، منع کرتا

www.ksars.org

ہے۔اگر آدمی ضمیر کی آواز پر لبیک کہے تو برائی سے بچ جاتا ہے اگر ضمیر کی آواز نہ سنے اور ڈھٹائی سے برے کام کرتا رہے تو آہستہ آہستہ ضمیر کی انسپائریشن بند ہو جاتی ہے۔جب بندہ ضمیر کی آواز پر کان نہ دھرے تو اس کے شعور اور لاشعور کے درمیان کا پردہ کثیف تر ہوتا جاتا ہے اور آدمی سراپا گناہ بن جاتا ہے۔ایسے ہی لوگوں کے لئے ارشاد ہے کہ ہم نے مہر لگادی ہے ان کے دلوں پر۔میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں کہ ایک طرز فکر یہ ہے کہ ایک آدمی باوجود اس کے کہ ضمیر ملامت کرتا ہے اپنی روزی حرام طریقے سے حاصل کرتا ہے۔رزق حلال سے بھی روٹی کھاتا ہے اور رزق حرام سے بھی شکم سیری کرتا ہے لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ اس دنیا میں اسے جو کچھ مل رہا ہے وہ پہلے سے فلم کی صورت میں موجود ہے۔

ایک آدمی محنت مزدوری کر کے ضمیر کی روشنی میں روپیہ حاصل کرتا ہے،دوسرا ضمیر کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے روپیہ حاصل کرتا ہے۔دونوں صورتوں میں اسے وہی روپیہ مل رہا ہے جو لوح محفوظ پر اس کے لئے جمع کر دیا گیا ہے۔یہ بڑی عجیب بات ہے اور انتہائی درجہ نادانی ہے کہ ایک آدمی اپنی ہی حلال چیز کو حرام کر لیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپؓ گھوڑے سے اترے قریب سے ایک بدو گزرا۔اسے آواز دے کر بلایا اور کہا" تھوڑی دیر کے لئے گھوڑے کی لگام پکڑو میں اتنے میں نماز ادا کر لوں۔" بدو نے حامی بھر لی اور حضرت علیؓ نے نماز کی نیت باندھ لی۔حضرت علیؓ نماز قائم کر کے دنیا و مافیا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔بدو نے سوچا موقع اچھا ہے گھوڑا ہضم کرنا تو مشکل تھا لگام لے کر چلتا بنا۔آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا گھوڑا موجود ہے لیکن لگام اور بدو دونوں غائب ہیں۔اتنے میں آپؓ کے ایک خادم کا ادھر سے گزر ہوا آپ نے انہیں دو درہم دے کر کہا کہ بازار سے ایک لگام خرید لاؤ۔

خادم بازار پہنچا تو دیکھا کہ ایک بدو لگام لئے کسی خریدار کا منتظر ہے۔خادم نے لگام کو پہچان لیا اور پکڑ کر حضرت علیؓ کی خدمت میں لے آیا۔آپؓ نے پوچھا اسے کیوں پکڑ لائے ہو؟

خادم نے جواب دیا۔" حضور! یہ آپ کے گھوڑے کی لگام ہے۔"

www.ksars.org

حضرت علیؓ نے پوچھا۔ ''یہ اس کی کیا قیمت مانگ رہا ہے؟''

خادم نے جواب دیا۔ ''دو درہم۔''

آپؓ نے ارشاد فرمایا۔ ''اسے دو درہم دے دو۔'' اور فرمایا۔ ''میں نے یہ سوچ کر اسے لگام پکڑائی تھی کہ نماز سے فارغ ہو کر اس خدمت کے عوض اسے دو درہم دوں گا۔ یہ اس کا ظرف ہے کہ اس نے اپنا مقدر دوسری طرح لینا پسند کیا۔''

سات مسافر ہمسفر تھے۔ راہ میں ایک ندی آئی، جب پار ہو گئے تو سب کو خیال ہوا کہ گنتی کر لینی چاہئے کوئی ہم میں سے کم تو نہیں ہوا۔ ایک شخص نے گنتی کی اپنے سوا باقیوں کو گنا تو چھ ہوئے فکر ہوئی کہ لو بھئی ایک کم ہو گیا ہے۔ دوسرے نے کہا میاں تم کو حساب نہیں آتا میں شمار کرتا ہوں اس نے بھی اپنے کو نہ گنا تو وہی چھ ہوئے۔ اسی طرح سے ہر ایک نے حساب کیا وہی چھ کے چھ۔ جب یقین ہو گیا کہ ایک آدمی واقعی کم ہے ضرور غرق ہو گیا ہے۔ سب جمع ہو کر رونے لگے۔ اتنے میں ایک سوار آیا پوچھا ارے تم پر کیا آفت نازل ہوئی۔ انہوں نے تمام قصہ بیان کیا سوار کہنے لگا۔ اگر میں تمہارے سب آدمی جتنے تھے پورے کر دوں تو کیا دو گے۔ بولے کہ صاحب اگر ہم پورے سات ہو جائیں تو سات روپے نذر کریں گے۔ اس نے کوڑا سنبھالا اور کہا کہ لو گنتے جاؤ۔ ایک ایک کو کوڑا مارتا گیا اور الگ کھڑا کرتا گیا ساتوں پورے ہو گئے۔ بہت خوش ہوئے اور شکر گزاری کر کے نذرانہ پیش کیا۔

اسی طرح انسان کا حال ہے کہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا ادھر اُدھر خیال دوڑاتا اور جابجا ٹٹولتا ہے دربدر مارا پھرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جو کچھ ہے میرے اندر ہے۔ اگر انسان اپنے باطن میں جھانکے یعنی خود کو پہچانے تو وہ اللہ کو جان لیتا ہے۔

طرز فکر پہلا بیج ہے جو کسی مرید یا سالک کے دماغ میں بو دیا جاتا ہے۔ پھر اس بیج کو پروان چڑھانے کے لئے پیر و مرشد مزید جدوجہد اور کوشش کرتا ہے اور وہ ایسے برگزیدہ حضرات کو سامنے لاتا ہے جن کی طرز فکر میں حقیقت پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے روحانی تصرف سے مرید کو خواب کی ایسی دنیا میں لے جاتا

www.ksars.org

ہے جس دنیامیں اولیاءاللہ اور پیغمبروں کی زیارت اسے نصیب ہوتی ہے۔ مسلسل اور متواتر خواب کے مشاہدہ کے بعد اولیاء اللہ اور پیغمبروں کی طرز فکر پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرز فکر پر ایک ایسا رنگ چڑھ جاتا ہے جو رنگ اولیاءاللہ اور پیغمبروں کے لئے خصوص ہے۔ اس کی باطنی آنکھ پر پیر و مرشد ایسی عینک لگا دیتے ہیں کہ عینک کے اندر لگے ہوئے شیشے اسے وہی کچھ دکھاتے ہیں جو پیر و مرشد کی طرز فکر ہے۔ عینک کے شیشے اگر سرخ ہیں تو اسے ہر چیز سرخ نظر آتی ہے۔ عینک کے شیشے اگر پیلے ہیں تو اسے ہر چیز پیلی نظر آتی ہے۔ عینک کے شیشے اگر صاف اور مجلّٰے ہیں تو اسے ہر چیز صاف و شفاف اور مجلّٰہ نظر آتی ہے۔ عینک کے شیشے اگر دھندلے ہیں تو ہر چیز دھندلی نظر آتی ہے اور اگر عینک کے شیشے اندھے ہیں تو عینک لگانے کے باوجود آنکھ اندھی رہتی ہے حالانکہ عینک لگانے کے بعد آنکھ کھلی ہوئی ہے۔ عینک کا شیشہ دراصل طرز فکر ہے۔ عینک کے اندر جس قسم کی طرز فکر کا شیشہ فٹ کر دیا جاتا ہے دنیا اسی طرح کی نظر آتی ہے۔ عینک کے اندر فٹ ہوا لینز اتنا صاف اور مجلّٰہ بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ آدمی میلوں پرے کی چیز دیکھ لیتا ہے اور عینک کے اندر لگا ہوا شیشہ اتنا اندھا بھی ہوتا ہے کہ عینک لگانے کے بعد آدمی کو اتنا بھی نظر نہیں آتا جتنا وہ عینک لگانے سے پہلے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا، سمجھنا، چیزوں کی ماہیت کو معلوم کرنا، تفکر کرنا ہر آدمی کے اندر موجود ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان صلاحیتوں کا اسے استعمال نہیں آتا۔ پیر و مرشد چونکہ تفکر کی صلاحیتوں کے استعمال کو جانتا ہے اور اس کی تمام زندگی تفکر سے تعبیر ہے اس لئے جب مرید کے اندر پیر و مرشد کی صلاحیت منتقل ہوتی ہے تو تفکر کا بویا ہوا بیج آہستہ آہستہ تناور درخت بن جاتا ہے۔ ایسے میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ آدمی کا اپنا ذاتی ارادہ اور عقل و شعور ہے جس کو وہ سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ ایسا ہونے سے اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کے اندر جو عقل و شعور کام کر رہا ہے اس کا تعلق اس طرز فکر سے ہے جس طرز فکر میں گہرائی نہیں ہے۔ حقیقت پسندی نہیں ہے، جس طرز فکر کو ثبات نہیں ہے۔

پیر و مرشد یا مراد وہ شخصیت ہے جس کا کردار عوام الناس سے اور ان لوگوں سے جو روحانی حقیقتوں سے بے خبر ہیں ممتاز ہوتا ہے اس ممتاز شخصیت سے جس حد تک قربت ہوتی جاتی ہے اسی مناسبت سے مرید کے اندر روحانی اوصاف منتقل ہوتے رہتے ہیں اور مراد کی طرز فکر کا ایک ایک جزو مرید کے دماغ کی اسکرین پر نقش ہو جاتا ہے۔ یہی وہ طرز فکر ہے جس کا نام سلوک ہے یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر کوئی سالک اپنے اندر موجود روحانی قوتوں سے

www.ksars.org

متعارف ہوتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس کے اوپر اس بات کا دار و مدار ہے کہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے کتنا متعارف ہے اور اسے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کس حد تک حاصل ہے۔ قرآن پاک میں بیان کردہ پیغمبروں کے واقعات، پیغمبروں کی زندگیوں، پیغمبروں کے مشن اور اوصاف پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ پیغمبروں نے ایک مخصوص طرز فکر کا پرچار کیا ہے اس مخصوص طرز فکر میں بہت گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ پیغمبرانہ وصف میں یہ بات شامل ہے کہ ہر بندہ برائی اور اچھائی میں تمیز کر سکے، یعنی پیغمبروں نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصور سے آشنا کیا ہے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ جہاں تک زندگی کے تقاضوں کا تعلق ہے تقاضوں کے اعتبار سے اللہ کی سب مخلوق یکساں حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری مخلوق کے سامنے اگر انسان کی ممتاز حیثیت ہے تو وہ یہ ہے کہ انسان اچھائی اور برائی کے تصور سے واقف ہے۔ اسے اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ زندہ رہنے کے لئے مخصوص طرزیں انسان کو اچھا بناتی ہیں اور زندہ رہنے کے لئے مخصوص طرزیں اچھائی سے دور کر دیتی ہیں۔ اچھائی کے تصور کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی انسان کا علم بن جاتی ہے کہ اچھا فرد وہ ہے جو اپنی اصل سے واقف اور باخبر ہو۔ اصل باخبری اسے ایک ایسے علم سے روشناس کراتی ہے کہ جو علم اسے اپنے اندر کام کرنے والی مخفی صلاحیتوں سے واقف کراتا ہے اور یہ مخفی صلاحیتیں دراصل روحانی قدریں ہیں۔ جو بندہ جس مناسبت سے روحانی قدروں سے واقف ہے اتنا ہی وہ کردار کے اعتبار سے مصفا اور پاکیزہ ہے اور جو آدمی روحانی قدروں سے جس حد تک ناواقف ہے اسی مناسبت سے اس کا کردار غیر مصفا اور دھندلا ہے۔

ایک بکری اور انسان کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایک ہی بات کہنے پر آدمی مجبور ہے کہ بکری اور انسان میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ انسان کو بکری سے ممتاز کرنے والی صلاحیت یہ ہے کہ انسان اپنے اندر روحانی قدروں سے واقف ہو جاتا ہے اور اگر کوئی انسان اپنے اندر روحانی قدروں سے ناواقف ہے یا اسے اپنی ذات کا عرفان حاصل نہیں ہے تو وہ ہرگز بکری یا کسی دوسرے جانور سے ممتاز نہیں ہے۔ روحانی اقدار حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے ایسے باپ کی آغوش میسر ہو جس کے ماحول میں پاکیزگی موجود ہو۔ بچے کا شعور والدین کی گود، گھر کی چار دیواری اور ماحول سے بنتا ہے۔ ماحول میں اگر کثافت ہے، تعفن ہے، گھٹن ہے، گندگی ہے، بے سکونی ہے، اضطراب

www.ksars.org

ہے تو بچہ بھی ذہنی طور پر ذہنی سکون سے ناآشنا ہوتا ہے۔اس کے برعکس اگر گھر میں سکون ہے، آرام ہے، والدین کی آواز میں شیرینی اور مٹھاس ہے، لہجے میں پیار ہے اور دماغی اعتبار سے وہ پر سکون ہیں۔اس کا ماحول بھی پر سکون ہے بچہ بالکل غیر اختیاری طور پر پر سکون کردار کا حامل ہوتا ہے۔

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ چیخ کر بولنے والے ماں باپ کے بچے بھی چیخ کر بولتے ہیں۔ غصے اور نفرت سے بولنے والے والدین کے بچوں کے اندر بھی غصہ اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ندیدے اور لالچی والدین کے بچے بھی ندیدے اور لالچی ہوتے ہیں۔ کبر و نخوت کے دلدادہ والدین کے بچوں کے اندر بھی کبر و نخوت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ضدی اور سرکش والدین کے بچے بھی ضدی اور سرکش ہوتے ہیں اس کے برعکس حلیم الطبع والدین کی اولاد بھی حلیم الطبع ہوتی ہے۔پیغمبروں کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخصوص کردار کے لوگوں کا ایک سلسلہ قائم کیا ہے اور جو لوگ اس سلسلے سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور ان کی وابستگی قربت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے تو ان کے اندر وہی قدریں منتقل ہو جاتی ہیں جو اس مخصوص کردار کے بامقصد لوگوں کا حصہ ہیں۔راہ سلوک میں چلنے والے سالک کو کسی شخص کا ہاتھ پکڑنا اس لئے ضروری ہے کہ اسے ایک روحانی باپ کی شفقت میسر آئے اور اس روحانی باپ کی اولاد کا ایک ماحول میسر آجائے تاکہ اس ماحول میں رہ کر اس کی ذہنی تربیت ہو سکے۔

ذہنی تربیت کا تجزیہ کیا جائے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تربیت کے مختلف پہلو ہیں۔ تربیت کا ہر مختلف پہلو انسانی زندگی میں ایک مستقل کردار ادا کرتا ہے جس ماحول میں ہم لوگ رہتے ہیں اس ماحول کے مطابق ذہن کا کم یا زیادہ متاثر ہونا ضروری ہے مثلاً ایک آدمی ایسے ماحول میں رہتا ہے جس ماحول کے رہنے والے لوگ سب نمازی ہیں اور ان کی زندگی میں دین کا عمل دخل پوری طرح موجود ہے تو وہ آدمی بھی انہی قدروں کو اپنے لے گا جو قدریں ماحول میں رائج ہیں۔ ایک آدمی طبعی طور پر کتنا ہی خشک کیوں نہ ہو جب وہ ایسے ماحول میں چلا جاتا ہے جہاں رنگ و روشنی کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور گانوں کے اونچے نیچے سروں سے فضا معمور ہوتی ہے تو بالآخر وہ بندہ گانے بجانے میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور گانے بجانے کے قواعد و ضوابط سے بھی آگاہی ہو جاتی ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر ایک بچے کی ایسے ماحول میں پرورش کی جائے جس ماحول میں گالی دینا معیوب بات نہ ہو تو بچہ اختیاری اور غیر اختیاری

www.ksars.org

طور پر گالیاں بکتا رہتا ہے۔ اگر پرورش ایسے ماحول میں کی جائے جس ماحول میں خود غرضی کے علاوہ اور کوئی بات موجود نہ ہو، ہر کام اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی غرض وابستہ ہو، ذہنی طور پر ماحول میں سارے بندے کاروباری ذہن رکھتے ہیں تو بچہ بھی کاروباری ذہن پر اٹھتا ہے۔ ماحول میں سخاوت کی بجائے بخیلی اور کنجوسی ہو تو بچہ کا دل بھی کھلا ہوا نہیں ہوتا ہے۔

اس روزمرہ مشاہدے کے پیش نظر یہ بات مسلمہ امر بن گئی کہ دنیا میں جتنے گروہ آباد ہیں ان کا تعلق اپنی اپنی طرز فکر سے ہے اور اس طرز فکر کی بنیاد پر کسی گروہ کا کسی ذات کا کسی برادری کا کسی کردار کا کسی شخص کا تعین کیا جاتا ہے۔ ہمارے سامنے پیغمبروں کا بھی کردار ہے۔

کسی عمل میں معانی پہنانا اچھائی یا برائی ہے۔ معانی پہنانے سے مراد نیت ہے۔ عمل کرنے سے پہلے انسان کی نیت میں جو کچھ ہوتا ہے وہی اچھائی یا برائی کے پہلو میں ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کو عمل پر اختیار نہیں ہے مگر نیت کرنے پر اختیار ہے۔ آگ کا کام جلانا ہے۔ ایک آدمی آگ کو لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کھانا پکانے میں استعمال کرتا ہے یہ عمل خیر ہے، ایک آدمی اس آگ سے لوگوں کے گھر جلا ڈالتا ہے، یہ انتہا درجہ کی برائی ہے۔

شعور کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ ہر وہ چیز جو متحرک ہے، گردش کر رہی ہے اور ارتقائی منازل طے کر رہی ہے۔ شعور رکھتی ہے یعنی کسی چیز کا متحرک رہنا، بڑھنا گھٹنا، سرسبز و شاداب رہنا، پیدا ہونا، مر جانا، بولنا، سننا، چکھنا شعوری کیفیات ہیں۔ جیسے جیسے کیفیات میں تیزی آتی رہتی ہے شعور بڑھتا رہتا ہے۔ شعور کے بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یعنی علم میں اضافہ دراصل شعوری ارتقاء ہے۔

شعور کے بھی دو رخ ہیں ایک شعور مادی شعور ہے جو کہ مادیت سے وابستہ ہے اور مادیت میں رہنا پسند کرتا ہے جبکہ دوسرا شعور روحانی شعور ہے جس کے نزدیک مشیت خداوندی اہم ہے اور جو غیب میں اس طرح یقین رکھتا ہے کہ غیب اس کے مشاہدے میں آجاتا ہے۔

www.ksars.org

یہ قانون قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر تخلیق کو دو رخوں پر قائم کیا ہے۔ طرز فکر کے بھی دو رخ ہیں ایک انبیاء علیہ السلام کی طرز فکر یعنی رحمانی طرز فکر اور دوسری شیطانی طرز فکر۔ شیطانی طرز فکر میں شک، بے یقینی، بخیلی، کنجوسی، شہرت و دولت سے محبت، نفرت جیسی طرزیں کام کرتی ہیں۔ جبکہ رحمانی طرز فکر اس سے بالکل مختلف ہے۔ شیطانی طرز فکر انسان کے اوپر غم خوف اور پریشانی کے دروازے کھول دیتی ہے۔ جبکہ روحانی استاد جو ہمیں صحیح طرز فکر کی کسوٹی فراہم کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اندر غم اور خوف موجود نہ ہو۔ چونکہ انسان بحیثیت تخلیق بھی دو رخوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے اندر بھی طرز فکر کے دونوں رخ موجود ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ایک رخ غالب ہوتا ہے اور دوسرا رخ مغلوب۔ روحانی علوم سکھانے والا استاد شیخ یا مرشد قدم بقدم چلا کر اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ انسان پیغمبرانہ طرز فکر حاصل کرے اور شک اور وسوسوں کا رخ مغلوب ہو جائے اور یقین کا رخ غالب آجائے اور بندہ الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کی زندہ تفسیر بن جائے۔

انسان اپنی زندگی یا تو منفی طرز فکر کے تحت گزارتا ہے یا پھر مثبت یا پیغمبرانہ طرز فکر کے تحت۔ طرز فکر انسان کے عقائد سے بنتی ہے اور عقیدہ کی تعریف یہ ہے کہ خیالات انسانی میں سب سے پرزور خیال جو باقی خیالات پر حاوی ہو جائے عقیدہ کہلاتا ہے۔ مختلف عقائد مل کر زندگی گزارنے کا ایک لائحہ عمل انسان کو دیتے ہیں اور اسی لائحہ عمل کو طرز فکر کہا جاتا ہے۔

ایسے علوم جو روحانیت کے دائرہ کار میں نہ آتے ہوں اور طرز فکر بنیادی طور پر دنیاوی ہو تصوف کی اصطلاح میں استدراج کہلاتے ہیں۔ اس میں شیطنت کا پہلو زیادہ ہوتا ہے۔ استدراجہ علوم بھی بطور ورثہ منتقل ہوتے ہیں۔ اس کے لئے ایسے استاد کی ضرورت ہے جس کی طرز فکر میں شیطنت ہے۔ استدراجی علوم کو حاصل کرنے کے لئے بھی ذکر و اشغال کرنے پڑتے ہیں، ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں، محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے۔ جس طرح روحانی انسان سے کوئی کرامت صادر ہوتی ہے اسی طرح شیطانی علوم یا استدراج کے وارث سے بھی خرق عادت صادر ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بالوضاحت بیان فرمایا ہے:

www.ksars.org

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے ملک کے تمام جادو گروں کو بلایا۔ جادو گروں نے رسیاں پھینکیں جو سانپ بن گئیں اور بانس پھینکے جو اژدھے بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''اے موسیٰ! ڈرو مت اور اپنا عصاء پھینک دو۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا اور اس نے میدان میں موجود تمام سانپوں اور اژدھوں کو نگل لیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بنا ہوا اژدھا اتنا طاقتور تھا کہ جادو یا استدراجی علوم کا وجود تو ہے مگر علم حق ہمیشہ غالب رہتا ہے کیونکہ علم حق میں ماسوائے اللہ کے اور کبھی بھی نہیں ہے جبکہ استدراج کی بنیاد زر پستی، جاہ طلبی اور دنیاوی عزت و وقار ہوتا ہے۔ علم حق یا پیغمبرانہ طرز فکر کا حامل بندہ جو کچھ کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے وہ صرف اور صرف حق ہوتا ہے دنیاوی جاہ و جلال نہیں۔

میرے مرشد کریم فرماتے ہیں کہ معجزہ اور جادو میں یہ فرق بہت نمایاں ہے کہ جادو کے زور سے کوئی چیز قائم کی جائے یا کسی کے اندر تصرف کیا جائے چونکہ وہ اس ذہن کی پیداوار نہیں جو ذہن حقیقت سے آشنا ہے اس لئے جادو کی تخلیق یا جادو کا یہ مظاہرہ عارضی ہوتا ہے۔ قانون یہ ہے کہ حقیقت ادلتی بدلتی رہتی ہے حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے۔ طرز فکر اگر غیر حقیقی ہو تو وہ عارضی ہوتی ہے اور اس سے آدمی ذہنی طور پر فرار حاصل کر لیتا ہے۔ طرز فکر اگر حقیقی ہو تو حقیقت آشنا طرز فکر جہاں بھی منتقل ہو جائے حقیقت آشنا رہتی ہے اور حقیقت میں رد و بدل نہیں ہوتا۔ گویا استدراجی طرز فکر سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ تاریخ میں ہمیں بے شمار مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ طالب نے استدراجی علوم حاصل کرنے کے بعد مثبت یا پیغمبرانہ طرز فکر کی طرف رجوع کیا مگر ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی پیغمبرانہ طرز فکر کے حامل بندے نے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی ہو اور علم استدراج کی طرف رجوع کیا ہو۔

دراصل انسان کا کردار اس کی طرز فکر سے تعمیر ہوتا ہے۔ طرز فکر میں اگر پیچ ہے تو کسی بندے کا کردار بھی پر پیچ بن جاتا ہے۔ طرز فکر سادہ ہے تو بندے کی زندگی میں سادگی کارفرما ہوتی ہے۔ طرز فکر اگر سطحی ہے تو ایسا بندہ ہر چیز کو بالکل سطحی طریقہ پر سوچتا ہے۔ طرز فکر میں اگر گہرائی ہے تو بندہ ہر چیز کے اندر گہرائی تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں اللہ تعالیٰ نے اس طرز فکر کی نشاندہی کی ہے۔ حضرت ابراہیم

www.ksars.org

علیہ السلام نے سورج کو دیکھا تو سمجھی کہ یہی خدا ہے لیکن جب اسے زوال پذیر ہوتے دیکھا تو طرز فکر کی گہرائی نے ان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ گھٹنے والی چیز کبھی خدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماحول کے جتنے اور لوگ تھے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ بدلنے والی چیز اور گھٹنے والی چیز کبھی خدا نہیں ہو سکتی۔

اس سے ایک بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ بہت برے ماحول میں ایک خاص طرز فکر کے لوگوں میں رہتے ہوئے بھی انسان کی طرز فکر دوسروں سے الگ ہو سکتی ہے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ یہ حقیقت پسندانہ طرز فکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہاں سے حاصل کی حالانکہ ان کے ماحول میں یہ بات نظر نہیں آتی؟

دراصل حقیقت پسندانہ طرز فکر اور منفی طرز فکر کے دونوں رخ انسان کے اندر موجود ہیں۔ بات صرف توجہ دینے اور اپنانے کی ہے۔ تصوف میں سالک جب راہ سلوک اختیار کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کی طرز فکر میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور رحمانی طرز فکر کی داغ بیل اس طرح پڑتی ہے کہ روحانی استاد یا پیر و مرشد اپنے مرید سے بتدریج اس طرح کی باتیں کرتا ہے جو کہ ماحول میں موجود نہیں ہوتیں یا پھر ماحول میں رہنے والے لوگ اپنے اختیار سے ان باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔ مثلاً اگر کسی روحانی انسان کی مجلس میں بیٹھا جائے تو ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں کہ جو کہ عام طور پر دوسری مجلسوں میں نہیں کہی جاتیں۔

سب سے پہلا کام جو پیر و مرشد یا روحانی استاد اپنے مرید یا سالک کے ساتھ کرتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مرید کے اندر اس بات کو راسخ کر دیتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی مفروضہ فکشن اور عارضی ہے اور جو چیز مفروضہ فکشن اور عارضی ہے اس کو حقیقت نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات وہ الفاظی طور پر سمجھاتا ہے اور مرید کی روزمرہ زندگی میں مختلف حالات و واقعات کے ذریعے عاداتی طور پر بھی سمجھاتا ہے۔ اگر مرید کی طرز فکر سطحی ہے تو وہ اس بات کو سمجھنے میں وقت لیتا ہے اور اگر مرید کی طرز فکر میں سوچنے، سمجھنے، پرکھنے اور تفکر کرنے کی عادت ہے تو وہ اس بات کو جلدی سمجھ جاتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ آدمی چاہے جتنا بھی بااختیار ہو زندگی کے شب و روز میں کہیں بھی اس کا اختیار زیر بحث نہیں آتا۔ وہ پیدائش کے بعد بالکل غیر ارادی طور پر بڑھتا رہتا ہے، وہ بوڑھا نہیں ہونا چاہتا مگر وہ بوڑھا ہوتا ہے وہ مرنا نہیں چاہتا مگر وہ مر جاتا ہے۔ وہ

www.ksars.org

کھانا کم کر سکتا ہے مگر کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لمحات، وقت، گھنٹے، دن، مہینے اور سالوں کا یہ ایک ایسا تغیر ہے جس سے کوئی بھی فرد انکار نہیں کر سکتا۔

ان تمام تفسیرات کی نشاندہی کر کے پیر و مرشد یہ بات بتاتا ہے کہ اس تفسیر کے پیچھے یہ حقیقت چھپی ہوئی ہے کہ کوئی ذات ایسی ہے جس کے ہاتھ میں اسی تغیر و تبدل کی ڈوریاں ہیں جو کہ اسی سارے کھیل کو چلا رہا ہے۔ جب سالک کے ذہن میں مادی طرز فکر کی گرد چھٹتی ہے اور یہ باتیں اس کے ذہن میں راسخ ہو جاتی ہیں تو پھر اس کا ذہن خود بخود اس ہستی مطلق کی طرف رجوع کرتا ہے۔ روحانی استاد سے جس حد تک ذہنی قربت ہوتی ہے اسی مناسبت سے مرید کے اندر روحانی اوصاف منتقل ہوتے رہتے ہیں اور مراد کی طرز فکر کا ایک ایک جزو مرید کی دماغ کی اسکرین پر نقش ہو جاتا ہے۔ یہی وہ طرز فکر ہے جس کا نام سلوک ہے، یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر کوئی سالک اپنے اندر موجود روحانی قوتوں سے متعارف ہوتا ہے۔ یہی وہ تشخص ہے جس کے اوپر اس بات کا دار و مدار ہے کہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے کتنا متعارف ہے اور اسے حضور ﷺ کی نسبتیں کس حد تک حاصل ہیں۔

شیطانی طرز فکر میں زندگی گزارنے والا بندہ انبیاء کے گروہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور پیغمبرانہ طرز فکر سے آشنا بندہ کبھی شیطانی گروہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شیطانی طرز فکر میں بڑی خرابی اور لایانی بات یہ ہے کہ بندے کے ہر عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے یعنی وہ اپنے ہر عمل کا صلہ چاہتا ہے اور اس صلے کا نام اس نے ثواب رکھتا ہے۔ تصوف ایسے عمل کو جس عمل کے پیچھے کاروبار ہو جس عمل کے پیچھے کوئی ذاتی غرض وابستہ ہو ناقص قرار دیتا ہے اور یہی انبیاء کی بھی طرز فکر ہے۔ جہاں تک قرآن پاک میں اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگوں کے اعمال کی جزا کے سلسلے میں اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں لیکن اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ نیک عمل اس لئے کرے کہ اس کا اسے اجر ملے گا۔

www.ksars.org

زندگی کی بنیاد یا زندگی کی بساط ایک طرز فکر کے اوپر قائم ہے اگر وہ طرز فکر ایسی ہے جو بندے کو اللہ سے دور کرتی ہے تو اس کا نام شیطانیت ہے اور وہ طرز فکر جو بندے کو اللہ سے قریب کرتی ہے اس کا نام رحمانیت ہے یعنی اس دنیا میں دو گروہ ہیں جن میں سے ایک گروہ انعام یافتہ ہے اور دوسرا گروہ باغی اور ناشکرا ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ پوری کائنات میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں ایک طرز اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور ایک طرز اللہ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔

روحانی استاد یا پیر و مرشد کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح بندے کو رحمانی طرز فکر، براہ راست طرز فکر، پیغمبرانہ طرز فکر میں داخل کرے۔ بندے اور اللہ کے درمیان واسطوں کو ختم کیا جائے اور بندے کا براہ راست اللہ کے ساتھ تعلق بحال کیا جائے۔ یہ بات ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے کہ سالک کا مرشد کے ساتھ ذہنی رابطہ ہوتا ہے۔ مرید ذہنی طور پر جتنا زیادہ اور محبت سے رجوع کرتا ہے اسی لحاظ سے وہ طرز فکر حاصل کرتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اگر مرید ساری عمر بھی مرشد کی خدمت کرتا رہے مگر ذہنی طور پر وہ اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کرنے کو تیار نہ ہو تو گویا اس نے اپنی عمر برباد کر دی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیر و مرشد سالک میں اتنی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے کہ وہ اپنا ذہنی رابطہ ہر وقت مرشد کے ساتھ رکھے۔

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ بے شک پیر و مرشد ایسا کر سکتا ہے مگر اس کے نزدیک مشیت خداوندی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار بنایا ہے اور انسان خیالات کا مجموعہ ہے اس لئے جب تک سالک اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے مرشد کے اختیار میں بے اختیار نہیں ہو جاتا مرشد اپنا کام شروع نہیں کرتا۔

www.ksars.org

نسبت شیخ:

مراقبہ کرنے والا بندہ ایک نقطہ پر اپنے ذہن کو مرکوز کرتا ہے اور وہ نقطہ یا مرکزیت یا میڈیم تصور شیخ ہے یعنی وہ دیکھنے کی پوری صلاحیتوں کو شیخ کے تصور میں مجتمع کر دیتا ہے یعنی ایک ہی عکس تسلسل کے ساتھ دماغ کے اوپر منتقل ہوتا رہتا ہے۔

قانون یہ ہے کہ جو عکس دماغ کی سکرین پر منتقل ہوتا ہے اس عکس کے اندر موجود صلاحیتیں صفات اور خاصیتیں بھی دماغ کے اوپر منتقل ہوتی ہیں اور دماغ انہیں محسوس کرتا ہے مثلاً ایک آدمی آگ دیکھتا ہے آگ کا عکس جیسے ہی دماغ کی اسکرین پر منتقل ہوتا ہے آدمی کے اندر حرارت، حدت اور گرمی کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب شیخ کی شبیہہ دماغ کی اسکرین پر منتقل ہوتی ہے تو شیخ کے اندر جو طرز فکر کام کر رہی ہوتی ہے یا شیخ کے اندر جو نظر کام کر رہی ہوتی ہے وہ دماغ کے اوپر منتقل ہو جاتی ہے۔

تصور شیخ کا مقصد یہ ہے کہ شیخ یا استاد کو مرکزیت بنا کر بار بار دماغ کی اسکرین پر منتقل کیا جائے جتنا زیادہ ایک خیال یا ایک مرکزیت دماغ کی اسکرین پر منعکس ہوتی ہے اسی مناسبت سے دماغ میں ایک پیٹرن بن جاتا ہے اور وہی پیٹرن تصوف کی اصطلاح میں طرز فکر ہے۔ تصور شیخ سے شیخ کے اندر کام کرنے والی اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم بار بار ہمارے دماغ کے اوپر وارد ہوتا ہے اور جیسے جیسے شیخ کے اندر کام کرنے والی روشنیاں سالک کے اندر منتقل ہوتی ہیں اسی مناسبت سے سالک کا ذہن شیخ کی روشنیوں کو قبول کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ شیخ اور مرید کا ذہن ایک نقطے پر قائم ہو جاتا ہے۔

اس کو تصوف کی اصطلاح میں نسبت قرار دیا گیا ہے۔ روحانیت میں نسبت حاصل کرنے کا اہم ذریعہ مرشد سے قربت کا حاصل ہونا ہے۔ جوں جوں اس قربت میں اضافہ ہوتا ہے مرید میں محبت و عشق کی لہریں موجزن ہوتی ہیں۔ اسی مناسبت سے شیخ کا ذہن منتقل ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ شیخ کے اندر کام کرنے والی روشنیاں اور انوار بلکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات بھی سالک کو حاصل ہو جاتی ہیں یا سالک ان انوار و تجلیات سے متعارف ہو جاتا ہے۔ اس

www.ksars.org

صورت کا نام تصوف میں فنافی الشیخ ہے۔ شیخ کی روشنیاں اور شیخ کے اندر کام کرنے والے انوار و تجلیات بھی شیخ کا اپنا ذاتی وصف نہیں ہے جس طرح ایک سالک نے اپنی تمام تر توجہ اور ذہنی ارتکاز کے ساتھ شیخ کے علم اور شیخ کی صفات کو اپنے اندر منتقل کیا ہے اسی طرح شیخ نے اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ حضور ﷺ کے علم اور صفات کو اپنے اندر منتقل کیا ہے۔ فنافی الشیخ کے بعد شیخ کے اندر کام کرنے والی وہ صلاحیتیں سالک کے اندر بیدار اور متحرک ہو جاتی ہیں جن صلاحیتوں کی بنیاد پر شیخ نے حضور ﷺ کی نسبت حاصل کی ہے۔ تصوف میں اس مقام کو فنافی الرسول کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ اتنی ضرور بات ہے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے۔"

بشریت کے دائرے سے باہر ہو کر دیکھا جائے تو حضور ختم المرسلین ﷺ کی فضیلت یہ ہے کہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے اور وحی خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے یعنی سیدنا حضور ﷺ کے ذہن مبارک پر اللہ تعالیٰ کے علوم، اللہ تعالیٰ کے انوار اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات منعکس ہوتی ہیں۔ فنافی الرسول کے بعد کوئی سالک قدم بقدم محبت و عشق و گداز کے ساتھ حضور ﷺ کے علوم کا عارف ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ حضور ﷺ کے علوم سالک کو اس کی استطاعت کے مطابق حاصل ہو جاتے ہیں۔ جتنی اسطاعت کسی سالک کے اندر موجود ہے اور جس مناسبت سے حضور ﷺ کے علوم اسے منتقل ہوتے ہیں اسی مناسبت سے وہ حضور ﷺ کی نسبت سے حاصل کرتا ہے۔ تصوف میں اس نسبت کو نسبت محمدی کہا جاتا ہے۔ نسبت محمدی حاصل ہونے کے بعد سالک کا ذہن اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ حضور ﷺ کی نسبت اور ہمت کے وسیلے سے اس مقام پر جا ٹھہرتا ہے جس مقام پر اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اعتراف کیا کہ

"آپ ہی ہمارے رب ہیں۔"

اس نسبت کو تصوف میں نسبت وحدت کہا جاتا ہے۔

www.ksars.org

اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں تو وہ مقامات کھلتے ہیں جن کے بارے میں لکھنا یا بتانا شعوری سکت سے باہر ہے۔

روحانی علوم حاصل کرنے کے لئے گویا نسبت حاصل ہونا ضروری ہے۔ نسبت سے مراد استاد یا پیر و مرشد کی طرز فکر ہے جس سے روحانی علوم منتقل ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک باپ کی دنیاوی دولت اس کی اولاد میں تقسیم ہوتی ہے اسی طرح پیر و مرشد کے روحانی علوم اس کی روحانی اولاد کو منتقل ہوتے ہیں۔

استغناء:

استغناء ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں سالک یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی ذات کے ساتھ ہم رشتہ ہے۔ یہ ایسی کیفیت ہے جو سالک کے ہر معاملہ میں واسطہ بن جاتی ہے۔ استغناء ایک مزاج ہے ایک ترتیب وار پروگرام ہے۔ استغناء کوئی لفظی معمہ نہیں ہے یہ ایک کیفیت ہے، ایک حقیقت ہے، ایسی حقیقت جو حقیقت مطلق کے متصل ہے۔ جب تک کوئی بندہ حقیقت سے متعارف نہیں ہوتا، مشاہدہ نہیں کر لیتا اس وقت تک اس کے اندر استغناء پیدا نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو صرف اتنا ہوتا ہے کہ محض اس کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں کہ عام حالات میں جب استغناء کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ کے اوپر کتنا بھروسہ اور توکل ہے۔ توکل اور بھروسہ کم و بیش ہر آدمی کی زندگی میں داخل ہے۔ لیکن جب ہم توکل اور بھروسہ کی تعریف بیان کرتے ہیں تو ہمیں بجز اس کے کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری دوسری عبادات کی طرح بھروسہ اور توکل بھی دراصل لفظوں کا ایک خوشنما جال ہے۔

www.ksars.org

توکل اور بھروسہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے لیکن جب ہم فی العمل زندگی کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ بات محض نعرہ اور غیر یقینی لگتی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ہر آدمی کی زندگی میں اس کا عمل دخل جاری وساری ہے۔ مثلاً ایک آدمی کسی فرم میں ملازمت کرتا ہے اس کے پیش نظر یہ بات رہتی ہے کہ فرم کا مالک یا سیٹھ اگر مجھ سے ناراض ہو گیا تو ملازمت سے برخاست کر دیا جاؤں گا یا میری ترقی نہیں ہو گی یا ترقی تنزلی میں بدل جائے گی۔ ظاہر ہے یہ بات بھروسہ اور توکل کے سراسر خلاف ہے۔

اس کے برعکس ہم زندگی میں یہ بات بار بار دہراتے ہیں کہ اگر کوئی کام نہیں کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔ یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ جب کسی کام کا نتیجہ اچھا مرتب ہوتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہمارے فعل اور ہماری فراست و فہم سے مرتب ہوا ہے۔ اس قسم کی بیشمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے اوپر توکل اور بھروسہ محض مفروضہ ہے۔ جس بندے کے اندر توکل اور بھروسہ پیدا نہیں ہوتا اس کے اندر استغناء بھی نہیں ہوتا۔

استغناء سے مراد یہ ہے کہ ضروریات زندگی گزارنے میں بندے کا اپنا ذاتی ارادہ یا اختیار شامل نہ ہو بندہ اللہ کی رضا میں راضی برضا رہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چٹنی کے ساتھ روٹی کھلاتے ہیں تو تب بھی خوش رہے اور شکر ادا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی میں گزارے گئے ہر لمحہ زندگی میں پیش آنے والے ہر عمل اور حرکت کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیا جائے اس سے بندے کے اندر توکل اور بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ استغناء کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔

توکل اور بھروسہ دراصل ایک خاص تعلق ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان براہ راست ائم ہے اور جس بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس بندے کے اندر سے دنیا کا تمام لالچ نکل جاتا ہے۔ ایسے بندے کے اندر صفت بے نیازی کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مخلوق کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دنیاوی تمام وسائل سے اپنی ضروریات اور احتیاج کو توڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرے اور اسی وابستگی کا نام توکل اور بھروسہ

www.ksars.org

ہے۔ مرشد کامل راہ سلوک کے مسافر کو اس بات کی مشق کرواتا ہے کہ زندگی کے تمام تقاضے اور زندگی کی تمام حرکات و سکنات پیر و مرشد کے تابع ہیں۔ سالک جب اپنی زندگی کی تمام حرکات و سکنات کو پیر و مرشد کے سپرد کر دیتا ہے تو پیر و مرشد اس کی تمام ضروریات کا کفیل بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک دودھ پیتے بچے کی کفالت اس کے ماں باپ کرتے ہیں۔ سالک کو زندگی میں ایسے واقعات سے گزارا جاتا ہے کہ اس کا پیر و مرشد پر یقین کامل ہو جاتا ہے یہی وہ بنیاد ہے کہ جس سے سالک کے ذہن میں استغناء اور بے نیازی کا ایسا پیٹرن ترتیب پا جاتا ہے جس کی بنیاد پر سالک غیر اختیاری طور پر اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔

یقین ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں شک نہیں ہوتا۔ انسانی زندگی کی بنیاد ہی یقین کے اوپر ہے کیونکہ انسان کو سب سے پہلے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ انسان ایک حد تک بااختیار ہے اور بڑی حد تک اس کے اوپر غیر اختیاری کیفیات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ سانس کا لینا، کھانے کا ہضم کرنا، پلکوں کو جھپکانا، جسم کا درجہ حرارت برقرار رکھنا، دل پھیپھڑے گردے جگر کی مسلسل حرکت وغیرہ وغیرہ یہ تمام کے تمام وہ کام ہیں جن کے پیچھے انسان کا اختیار کام نہیں کرتا۔ اگر انسان اپنے ارادے اور اختیار سے سانس لینا بند کر دے تو وہ بیمار ہو جائے گا یا اس کے دماغ میں خون جم جائے گا۔ انسان اپنی مرضی سے دنیا میں نہیں آتا۔ مرنے پر انسان کا کوئی اختیار نہیں تو پھر پیدائش اور موت کے درمیان والی زندگی پر انسان کا کس طرح اختیار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اپاہج اور معذور پیدا کر دے تو انسان ساری زندگی اسی حالت میں گزارنے پر مجبور ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ لوگ نادان ہیں کہتے ہیں کہ ہماری گرفت حالات کے اوپر ہے انسان اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق حالات میں ردوبدل کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ انسان ایک کھلونا ہے حالات جس قسم کی چابی اس کھلونے میں بھر دیتے ہیں اسی طرح یہ کودتا ہے، ناچتا ہے، آوازیں نکالتا ہے۔ اگر فی الواقع حالات پر انسان کو دسترس حاصل ہوتی تو کوئی آدمی غریب نہ ہوتا۔

www.ksars.org

بات صرف اتنی ہے کہ ہم لوگ تفکر نہیں کرتے۔اتفاق کہہ کر ہم واقعات سے رو گردانی کرتے ہیں۔جب کہ اتفاق اور حادثے کا کائنات میں ہر گز کوئی عمل دخل نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جو کہ مربوط ہے، منظم ہے،ہر نظام کی دوسرے نظام کے ساتھ وابستگی ہے۔اس نظام میں نہ کہیں اتفاق ہے،نہ کہیں حادثہ ہے اور نہ ہی کوئی مجبوری ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس نظام کو چلانے والے اللہ کے کارندے اس کے حکم اور اس کی مشیئت کے مطابق اسے چلا رہے ہیں۔آدمی تو صرف کٹھ پتلی ہے جس طرح کائنات کا نظام چلانے والے کارکن ڈوریوں کو حرکت دیتے ہیں آدمی چلتا رہتا ہے۔ان باتوں کو بتانے کا مقصد یہ ہے کہ استغناء اس وقت تک کسی شخص کے اندر پیدا نہیں ہو سکتا جب تک اس کے یقین میں یہ بات راسخ نہ ہو جائے کہ ہر چیز منجانب اللہ ہے۔جب مرید کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ اس نظام میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شئے اللہ کے بنائے ہوئے ایک مربوط نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے اندر ایک ایسا پیٹرن بن جاتا ہے جس کا اصطلاحی نام استغناء ہے۔اس پیٹرن کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں تو ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط و مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ مرید کی عقل یہ سوچنے اور ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ کائنات میں وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ کسی چیز کے اوپر یقین کا کامل ہو جانا اسی وقت ممکن ہے جب وہ چیز یا عمل جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ کس طرح واقع ہو گی۔بغیر کسی ارادے اور اختیار اور وسائل کے پوری ہوتی ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اس ضمن میں اپنی ذاتی زندگی کا ایک واقعہ سناتے ہیں:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کمرے میں بیٹھا لوح و قلم کے صفحات دوبارہ لکھ رہا تھا۔عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا کہ لاہور سے کچھ مہمان آ گئے۔عام حالات میں چونکہ تھوڑی دیر بعد کھانے کا وقت تھا اس لئے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان مہمانوں کو کھانا کھلانا چاہئے۔یہ اس دور کا واقعہ ہے جب میں حیرت کے مقام پر سفر کر رہا

www.ksars.org

تھااور نہ صرف یہ کہ کوئی کھانے پینے کاانتظام نہیں تھا۔لباس بھی مختصر ہو کر ایک لنگی اور ایک بنیان رہ گیا تھا۔یہ ایک الگ داستان ہے کہ اس لباس میں گرمی سردی اور برسات کس طرح گزری،جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہمت اور توفیق طا کر دیتے ہیں اور بڑی سے بڑی مشکلات اور پریشانیاں پلک جھپکتے گزر جاتی ہیں۔قصہ کوتاہ یہ کہ ذہن میں یہ بات آئی کہ پڑوس میں سے پانچ روپے ادھار مانگ لئے جائیں اور ان روپوں سے خورد ونوش کاانتظام کیا جائے۔خیال آیا کہ اگر روپے دینے سے انکار کر دیا تو بڑی شرمندگی ہو گی۔پھر خیال آیا کہ جھونپڑی والے ہوٹل سے کھانا ادھار لے لیا جائے۔طبیعت نے اس بات کو بھی پسند نہیں کیا۔یہ سوچ کر خاموش ہو رہا کہ اللہ چاہے گا تو کھانے کاانتظام ہو جائے گا۔اور میں کمرے سے باہر آیا۔جیسے ہی دروازے سے قدم باہر نکالا۔چھت سے پانچ روپے کاایک نوٹ گرا۔نوٹ اس قدر نیا تھا کہ زمین پر گرنے کی آواز آئی۔فرش پر جب ایک نوٹ پڑا ہوا دیکھا تو نامعلوم طریقے سے میرے اوپر دہشت طاری ہو گئی لیکن یکایک ذہن میں ایک آواز گونجی یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ نوٹ اٹھالیا گیا اور کھانے پینے کا بے فراغت انتظام ہو گیا۔"

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب بندے کا ذہن کسی کام کی طرف لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اس چیز کا اس کو مشاہدہ کرواتے ہیں تاکہ یقین کامل ہو جائے۔یہ قانون ہے کہ یقین مشاہدے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ہم اگر اپنی روزمرہ زندگی کامشاہدہ کریں تو روزانہ ہمیں کئی قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص دو سو فٹ اوپر ایک لمبے رسے پر بغیر کسی سہارے کے بلاخوف ایک کنارے سے دوسرے کنارے جا رہا ہے۔اگر ہم اس شخص کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ پہلے دن وہ شخص پانچ فٹ اونچے رسے پر چلا ہو گا۔جب کئی دن کی مشق کے بعد اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ پانچ فٹ اونچے رسے پر چل سکتا ہے تو پھر اس نے رسے کی بلندی دس فٹ کر دی اور مشق شروع کر دی جب اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ دس فٹ اونچے رسے پر چل سکتا ہے تو اس نے رسے کی اونچائی بڑھانا شروع کر دی اور ایک دن آیا کہ اسے یہ یقین ہو گیا کہ وہ دو سو فٹ زمین سے اوپر رسے پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلاخوف وخطر جا سکتا ہے۔اگر دوران مشق اس کا یقین ذرا بھر بھی متزلزل ہو جاتا تو وہ کبھی بھی ہزاروں لوگوں کے سامنے یہ کام نہ کر سکتا۔

انسان کی بنیادی ضروریات میں سب سے اہم ہوا،پانی،دھوپ،چاند کی چاندنی وغیرہ شامل ہیں۔دنیا میں ایک بھی آدمی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان بنیادی ضروریات میں سے کسی ایک پر بھی اس کا اختیار ہے۔مگر ستم

www.ksars.org

ظریفی یہ ہے کہ جب روٹی کپڑے مکان کا ذکر آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنا اختیار استعمال نہ کریں گے تو یہ چیزیں حاصل نہیں کر سکتے۔

ان مفروضات سے منشاء یہ ہر گز نہیں ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ میں بے اختیار ہوں اور وہ گھر بیٹھ جائے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ یقین پیدا ہو جائے کہ زندگی میں ہر علم اور ہر حرکت من جانب اللہ ہے۔ انسان بھرپور کوشش کرے مگر نتیجہ پر نظر نہ رکھے نتیجہ اس قادر مطلق پر چھوڑ دے جس کے ہاتھ میں ساری ڈوریاں ہیں۔ جدوجہد اور کوشش اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں حرکت چاہتا ہے اور اگر حرکت نہ ہو گی تو اعضاء منجمد ہو جائیں گے۔ آدمی اپاہج ہو جائے گا۔ انسان جس مناسبت سے جدوجہد کرتا ہے جس مناسبت سے عملی اقدام کرتا ہے بے شک اسے وسائل بھی اسی مناسبت سے نصیب ہوتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ قانون قدرت پر اسے دسترس حاصل ہو گئی۔

قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے زمین و آسمان اور زمین و آسمان کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب مسخر کر دیا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تسخیر کو صرف اور صرف مادی حدود میں استعمال کیا جائے اور دوسرا اور احسن طریقہ یہ ہے کہ وسائل کو اس لئے استعمال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام وسائل انسان کے لئے پیدا کئے ہیں۔ استغناء اور یقین کے ضمن میں جو بنیادی باتیں ہیں وہ یہ ہیں کہ انسانی زندگی میں اے سے بے شمار واقعات ہوتے ہیں جن کی وہ کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان واقعات کے صدور میں اس کی کوئی عملی جدوجہد اور کوشش شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ خود ہی اس کے وسائل مہیا کرتا ہے۔ ایک دکان پر بیٹھے شخص کا ایک گاہک کے آنے میں کتنا اختیار ہے۔

ہمارا خالق اللہ ہے جس نے ہماری تمام ضروریات کی کفالت اپنے ذمے لے لی ہے۔ ضروریات کا پورا ہونا اور مسلسل پورا ہونا اور بغیر کسی مادی قانون کے پورا ہونا انسان کو بالآخر یہ سوچنے اور یقین کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ فی الواقع رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور لیتا ہے۔ عزت،

www.ksars.org

ذلت سب اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی ابتداء ہے وہی انتہا، وہی ظاہر و باطن اور وہی ہر شئے پر محیط ہے۔ اس منزل میں داخل ہوئے بغیر انسان کے اندر کبھی بھی استغناء پیدا نہیں ہوتا اور جس بندے کے اندر استغناء پیدا نہیں ہوتا وہ راہ سلوک کا بھٹکا ہوا ایسا مسافر ہے جس کی کوئی منزل نہیں۔

انبیاء کرام کی ساری تعلیمات پر روحانی نقطہ نظر سے اور قلبی مشاہدے کے ساتھ غور کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی ساری تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ بندے کی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیا جائے یعنی اگر بندہ انفرادی طور پر زندہ رہتا ہے تو اس لئے زندہ نہ رہے کہ اس کو اس کی مرضی کے بغیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے بلکہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر صلاحیتوں کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے تو جب اللہ تعالیٰ اسے توفیق دیں اور وہ ان صلاحیتوں کا استعمال کرے تو اس کے ذہن میں یہ بات رہے کہ میری صلاحیتوں کا اظہار اس لئے ہو رہا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

استغناء کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ آدمی اپنی خواہشات کو ختم کر دے۔ یہ سراسر کوتاہ عقل کی دلیل ہے اس لئے کہ زندگی خود خواہشات کا نام ہے۔ پانی پینا، بھوک، لگنا، سونا، جاگنا، بچوں کی خواہش، بچوں کی تربیت کرنا، اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کا تقاضا پیدا ہونا۔ سب خواہشات میں شامل ہیں۔ استغناء کا مطلب یہ ہے کہ تمام خواہشات پوری کی جائیں لیکن خواہشات کو پورا کرنے میں انسان کا ذہن یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ چونکہ چاہتے ہیں لہٰذا اس لئے ہم کر رہے ہیں۔ استغناء یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ وسائل عطا فرمائیں اور آدمی سوکھی روٹی کھاتا رہے۔ استغناء کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے اللہ کے لئے کرے۔ اللہ اگر مرغی دے تب بھی شکر کرے، اگر چٹنی کے ساتھ روٹی دے تب بھی شکر کرے اور خوش ہو کر اللہ کی نعمتوں کا استعمال کرے۔ جب یہ بات کسی کی طرز فکر بن جاتی ہے تو یہ بات اس کے مشاہدہ میں آجاتی ہے کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے، جو ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے اس کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہے اسی طرح اس چیز کا یا اس عمل کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

www.ksars.org

حضور قلندر باباولیاءؒ نے فرمایا ہے کہ استغناء بغیر یقین کے پیدا نہیں ہوتا اور یقین بغیر مشاہدے کے تکمیل نہیں پاتا اور جس آدمی میں استغناء نہیں ہے اس آدمی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کم اور مادیت سے زیادہ ہے۔

تصوف اور روحانیت دراصل ایسے اسباق کی دستاویز ہیں جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغناء ہو۔ استغناء کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل ہو۔ توکل کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر وہ نظر کام کرتی ہو جو نظر غیب میں دیکھتی ہے۔ بصورت دیگر کسی بندے کو کبھی سکون میسر نہیں آ سکتا۔ سکون ایک کیفیت کا نام ہے جو یقینی ہے اور جس کے اوپر کبھی موت واقع نہیں ہوتی۔ یہ ہر گز کوئی عارضی چیز نہیں لہٰذا ایسی چیزیں ایسی کیفیات جو عارضی اور فانی ہیں کبھی بھی سکون نہیں دے سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ :

"ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جاتی ہے۔"

جب سالک یا مرید کے ذہن میں یہ آیت یقین کا درجہ اختیار کر لیتی ہے تو اس کے ذہن کی مرکزیت اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے اور اگر یہ یقین غیر مستحکم ہو تو آدمی ایسے عقیدے اور ایسے وسوسوں میں گرفتار ہو جاتا ہے جن میں ذہنی انتشار ہوتا ہے، پریشانی ہوتی ہے، غم اور خوف ہوتا ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب اپنی زندگی کا ذاتی واقعہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عید کا چاند دیکھنے کے بعد بچوں کی عید کے سلسلے میں فکر لاحق ہوئی اور میں اپنے ایک دوست کے پاس کچھ روپے ادھار لینے چلا گیا۔ دوست نے مجھ سے کہا کہ روپے تو میرے پاس موجود ہیں مگر کسی کی امانت ہیں۔ طبیعت نے اس بات کو گوارہ نہ کیا کہ دوست کو امانت میں خیانت کرنے کا مجرم قرار دیا جائے۔ وہاں سے چلتا ہوا میں بازار آ گیا۔ وہاں مجھے ایک دوست ملے۔ بہت اچھی طرح پیش آئے اور انہوں نے پیشکش کی کہ آپ کو عید کے سلسلے میں کچھ روپے پیسے کی ضرورت ہو تو لے لیں۔ میرے پاس کافی رقم موجود ہے۔ نامعلوم طریقے پر میں نے ان کی پیشکش کو نامنظور کر دیا۔ انہوں

www.ksars.org

نے کہا صاحب میں نے آپ سے کسی زمانے میں کچھ روپے ادھار لئے تھے، وہ میں ادا کرنا چاہتا ہوں اور انہوں نے میری جیب میں ساٹھ روپے ڈال دیئے۔ میں گھر چلا آیا اور ان ساٹھ روپوں سے عید کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔ اس واقعہ پر بہت غور طلب بات یہ ہے کہ دوست سے میں تیس روپے ادھار لینے گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنے پیسے دلوا دیئے جو میری ضروریات کے لئے پورے تھے۔ ظاہر ہے اگر تیس روپے قرض مل جاتا تو ضرورت پوری نہ ہوتی۔ اس قسم کے بے شمار واقعات زندگی میں پیش آئے۔ ان بے شمار واقعات پیش آنے کے نتیجہ میں یہ یقین مستحکم اور پختہ ہو گیا کہ ضروریات کے واحد کفیل اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو رزق دینے کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وہ کارندے جن کو اللہ تعالیٰ نے فی الارض خلیفہ کہا ہے اس بات پر کاربند ہیں کہ وہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے لئے وسائل فراہم کریں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ کسان جب کھیتی کاٹتا ہے تو جھاڑو سے ایک ایک دانہ سمیٹ لیتا ہے اور جو دانے خراب ہوتے ہیں یا گھن کھائے ہوئے ہوتے ہیں ان کو بھی اکٹھا کر کے جانوروں کے آگے ڈال دیتا ہے۔ جس زمین پر گیہوں بالیوں سے علیحدہ کر کے صاف کیا جاتا ہے وہاں اگر آپ تلاش کریں تو مشکل سے چند دانے نظر آئیں گے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پرندے اربوں اور کھربوں کی تعداد میں دانہ چگتے ہیں تو یہ معمہ حل نہیں ہوتا کہ کسان تو ایک دانہ نہیں چھوڑتا۔ ان پرندوں کے لئے کوئی مخصوص کاشت نہیں ہوتی پھر یہ پرندے کہاں سے کھاتے ہیں؟

قانون یہ ہے کہ پرندوں کا غول زمین پر اس ارادے سے اترتا ہے کہ ہمیں یہاں دانہ چگنا ہے، اس سے پہلے کہ ان کے پنجے زمین پر لگیں قدرت وہاں دانہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر پرندہ کی غذا کا دارومدار حضرت انسان یعنی کسان پر ہوتا تو سارے پرندے بھوک سے مر جاتے۔

دوسری مثال حضور باباصاحبؒ نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ چوپائے بہر حال انسانوں سے بہت بڑی تعداد میں زمین پر موجود ہیں۔ بظاہر وہ زمین پر اگی ہوئی گھاس کھاتے ہیں درختوں کے پتے چرتے ہیں لیکن جس مقدار میں وہ گھاس اور درختوں کے پتے کھاتے ہیں زمین پر کوئی درخت نہیں رہنا چاہئے۔ لیکن قدرت ان کی غذا کی ضروریات پوری

www.ksars.org

کرنے کے لئے اتنی بھاری تعداد میں درخت اور گھاس پیدا کرتی ہے کہ چرندے سیر ہو کر کھاتے ہیں لیکن گھاس اور پتوں میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ ان درختوں اور گھاس کا تذکرہ ہے جس میں انسان کا کوئی تصرف نہیں ہے۔ قدرت اپنی مرضی سے انہیں پیدا کرتی ہے، اپنی مرضی سے درختوں کی پرورش کرتی ہے اور اپنی مرضی سے انہیں شاداب رکھتی ہے۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر انسان کی زندگی میں دو چار واقعات ایسے ضرور پیش آتے ہیں جن کی وہ کوئی عقلی یا سائنسی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا۔ انہونی باتیں ہوتی رہتی ہیں مگر آدمی اتفاق کہہ کر گزر جاتا ہے حالانکہ کائنات میں کسی اتفاق کسی حادثہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ضرورت صرف اور صرف تفکر کی ہے۔ تفکر کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"ہماری نشانیوں پر غور کرو اور تفکر کرو اور عاقل بالغ باشعور سمجھدار اور فہیم لوگ وہ ہیں جو ہماری نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔"

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

"انبیائے کرام جب کسی چیز کے متعلق سوچتے ہیں تو اس چیز کے اوپر اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہ راست قائم نہیں کرتے۔ ہمیشہ ان کی طرز فکر یہ ہوتی ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی چیز کا رشتہ ہم سے براہ راست نہیں بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جب وہ کسی چیز کی طرف مخاطب ہوتے ہیں تو اس چیز کی طرف خیال جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف خیال جاتا تھا۔ انہیں کسی چیز کی طرف توجہ دینے سے پیشتر یہ احساس عادتاً ہوتا تھا کہ یہ چیز ہم سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتی اس چیز کا اور ہمارا واسطہ محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔ جب ان کی طرز فکر یہ ہوتی تھی تو ان کے ذہن کی ہر حرکت میں پہلے اللہ تعالیٰ کا احساس ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ہی بحیثیت محسوس کے ان کا مخاطب اور مد نظر قرار پاتا تھا اور قانون کی رو سے اللہ تعالیٰ کی صفات ہی ان کا احساس بنتی تھیں اور ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کا قائم مقام بن جاتا تھا۔

www.ksars.org

استغناء کے ضمن میں غوث علی شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ سالک کو تمام ممکنات و موجودات کو واجب الوجود سے خیال کرنا اور ان فروعات کو اصل اصول سے سمجھنا چاہئے اور تمام وسیلے اور واسطے درمیان سے اٹھاڈالنے چاہئیں اور جو کرو جان لو کہ اسی کی مشیت سے کرتے ہیں اور جو آفت و راحت کسی سے پہنچے منجانب اللہ سمجھے جیسے کتے کو کوئی پتھر مارے تو وہ پتھر کو نہیں دیکھتا بلکہ جان لیتا ہے کہ مارنے والا کوئی اور ہے پتھر خود نہیں لگا اسی واسطے پتھر مارنے والے کی طرف دوڑتا ہے۔

رہ عقل پیچ بر پیچ نیست

بر عارفان جز خدا ہیچ نیست

ترجمہ: عقل کا راستہ سوائے مشکلات کے اور کچھ نہیں۔ عارفوں کے لئے خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔

کسی شیخ کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ ہر وقت اپنا احسان جتاتا رہتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ میں کھلاتا ہوں، میں پلاتا ہوں اور کبھی کہتا ہے کہ میں ہی رزق فراہم کرتا ہوں۔ اگر ہم کھانا نہ کھائیں تو کوئی طاقت ہمیں کھانے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ یہ سوچ کر کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ جب بیوی بچوں نے زیادہ پریشان کیا تو گھر چھوڑ کر ایک پرانے قبرستان میں وہ جا بیٹھے۔ شام ہوئی تو ایک صاحب اپنی منت پوری کرنے کے لئے قبرستان میں موجود ایک مزار پر حاضر ہوئے۔ فاتحہ کے بعد انہوں نے شیخ کو تبرک دیا۔ شیخ کے انکار اور اس شخص کے اصرار نے عجیب صورت حال پیدا کر دی۔ وہ شخص یہ سمجھ کر کہ شیخ کوئی دیوانے ہیں ایک پڑیا میں کچھ لڈو لپیٹے اور جھاڑی کے نیچے رکھ دیئے کہ جب اس شخص کے حواس درست ہوں تو کھالے گا۔ آدھی سے زیادہ رات گزر گئی، قبرستان میں چور داخل ہوئے اور انہوں نے چوری شدہ مال کی تقسیم شروع کی تو شیخ اٹھ بیٹھے۔ چوروں کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ شخص کوئی مخبر ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹ کر پوٹلی میں باندھ لیا اور شیخ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ شیخ کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اس تکرار میں چوروں میں سے ایک چور کی نظر جھاڑی کے نیچے رکھی ہوئی پڑیا پر پڑی۔ پڑیا کو کھول کر دیکھا تو اس میں سات لڈو تھے اور چور بھی اتفاق سے سات تھے۔ چوروں کا سردار بولا کہ یہ شخص بھی کوئی چور ہے اور بہت

www.ksars.org

چالاک چور ہے، اس نے لڈوؤں میں زہر ملادیا ہے تاکہ ہم سب کھا کر مر جائیں اور یہ ہمارے مال پر قبضہ کر لے۔ سردار نے کہا یہ سارے لڈو اسے کھلا دیئے جائیں تاکہ اس کی سازش خود اس کو ہلاک کر دے۔ دو آدمیوں نے دونوں پیر پکڑے، دو آدمیوں نے دونوں ہاتھ، ایک آدمی نے سر پکڑا، ایک آدمی سینے پر بیٹھ گیا اور ایک آدمی نے ان کا منہ کھول کر اس میں لڈو ڈال دیا۔ جب شیخ نے اس حال میں بھی لڈو کھانا نہیں چاہا تو اس شخص نے زور زور سے تھپ-ڑ رسید کئے اور انگلی کے ذریعے لڈو شیخ کے حلق میں اتار دیئے۔ اس جبر و تشدد کے دوران ساتوں لڈو شیخ کے پیٹ میں پہنچ گئے۔ یہ کارنامہ سرانجام دینے کے بعد ساتوں چور سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئے۔

شیخ اٹھے اور بہت حسرت و یاس کے ساتھ انہوں نے جب آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو آواز آئی۔

"اے مغرور بندے! گھر چلا جا، ورنہ ہم روزانہ اسی طرح کھلائیں گے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے ترک و تجرید کی حالت میں رہے ہیں۔ تمام عمر کہیں گھر نہیں بنایا ہمیشہ قلندرانہ وار پھرتے رہے۔ ایک روز آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے اثنائے راہ میں بارش ہونے لگی۔ ناچار ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اتنے میں دیکھتے کیا ہیں ایک لومڑی دوڑ کر اپنے بھٹہ میں گھس گئی آپ کو خیال آیا کہ سبحان اللہ جانوروں کے لئے تو ٹھکانہ اور میں خانہ بدوش، خیال کے آتے ہی ایک مکان جواہر انگار نمودار ہوا اور ندا آئی کہ اے دوست اگر مکان درکار ہو تو یہ موجود ہے۔ ہمارے پاس کسی شئے کی کمی نہیں۔ لیکن تمہارے واسطے یہ رتبہ قلندری اس مکان سے اعلیٰ ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ یاالٰہی میں اسی حال میں خوش ہوں مجھ کو اور کچھ درکار نہیں۔ ان کی تقدیر میں یونہی لکھ دیا تھا کہ یہ ہمیشہ خانہ بدوش پھریں گے پھر مکان کیونکر لیتے آخر انہی کی زبان سے اقرار لے لیا کہ میں کچھ نہیں چاہتا غرض یہ ہے کہ مقدر سے زیادہ کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ زاہدانہ زندگی یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہشات کو فنا کر کے خود فنا ہو جائے۔ آدمی اچھا لباس پہننا ترک کر دے پھٹا پرانا اور پیوند لگا لباس پہننا ہی زندگی کا اعلیٰ معیار قرار دے لے تو دنیا کے سارے کارخانے اور چھوٹی فیکٹریاں بند ہو جائیں گی اور لاکھوں کروڑوں لوگ بھوک زدہ ہو کر ہڈیوں کا پنجر بن جائیں

www.ksars.org

گے۔اللہ نے زمین کی کوکھ سے وسائل اس لئے نہیں نکالے کہ ان کی بے قدری کی جائے ان کو استعمال نہ کیا جائے۔اگر روکھا سوکھا کھانا ہی زندگی کی معراج ہے تو بارشوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔زمین بنجر بن جائے گی۔زمین کی زیبائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے رنگ رنگ کے پھولوں،پتوں،درختوں،پھلوں اور کوہساروں اور آبشاروں کو بنایا ہے۔

جب حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نئی فقیری حاصل کر کے گھر میں تشریف لائے اور اتفاقاً قحط ہو گیا۔آپؒ نے ایک دیگ پلاؤ کی مسلمانوں کے واسطے باورچی سے اور ایک دیگ ہندوؤں کے واسطے برہمن سے پکوائی اور شہر میں منادی کروادی کہ تمام مسلمان اور ہندو آئیں اور کھائیں۔دیگوں کا یہ حال تھا کہ جتنا کھانا دیگ میں سے نکالتے تھے پھر اسی قدر زیادہ ہو جاتا تھا اور ہر دم گرما گرم۔تین دن یہی حال رہا۔چوتھے روز الہام ہوا کہ عبدالقدوس فقیری تو کر چکا مگر اب رزاقی میں بھی قدم رکھنے لگا۔بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو۔عرض کیا کہ تیرا بندہ۔بھلا وہ لوگ کون ہیں، کہا کہ تیرے بندے۔حکم ہوا کہ پھر تو کون ہے دخل دینے والا۔کیا ہم سے زیادہ حکمت والا یا ہم سے زیادہ مخلوق پر مہربان ہے۔اس کے بعد شاہ عبدالقدوس نے توبہ کی اور وہ دیگیں توڑ ڈالیں۔پس اس کی مخلوق ہے جس طرح چاہے رکھے۔ہم سے زیادہ حکیم ورحیم ہے۔جدھر رب ادھر سب۔

اس واقعہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ہر امر اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور کوئی امر اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔قحط میں ان بزرگ نے دخل اندازی کی اور لنگر جاری کیا۔جس پر ان کی پرش کی گئی کہ ''تو کون ہوتا ہے ہمارے حکم میں دخل دینے والا'' اللہ تعالیٰ بندوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اللہ کا کوئی حکم بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوتا۔لازماً اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔

کسی شخص نے ایاز سے سوال کیا کہ بندہ کے کیا معنی ہیں۔اس نے کہا کہ پرسوں آنا۔وہ حسب وعدہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایاز کے گلے میں طوق پاؤں میں زنجیر ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی اور وہ کشاں کشاں لئے جاتے ہیں۔پوچھا کہ یہ کیا کہا کہ بندہ کے یہی معنی ہیں۔اس دن تعز من تشآء کی شان ظہور تھا آج تذل من تن تشآء کی شان نمودار ہے۔نہ اس میں کچھ خوشی تھی نہ اس حال میں کچھ رنج ہے۔ہم جیسے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں نہ وہ رہا نہ یہ رہے۔

www.ksars.org

حضرت غوث علی شاہؒ صاحب سے کسی نے سوال پوچھا کہ حضرت جب یہ قاعدہ مسلم ٹھہرا کہ ہر امر وابستہ تقدیر الٰہی ہے تو پیر و مرشد کی کیا ضرورت ہے اور وہ معاملات مقدر میں کیا تصرف کر سکتا ہے۔ اس وقت ارشاد ہوا کہ یہ تو بجا اور درست ہے کہ پیر تقدیر میں کچھ تغیر نہیں کر سکتا لیکن پیر باخبر کی تدبیر بھی موافق تقدیر ہوتی ہے اور طالب کو غائیت تقدیر تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ نقل ہے کہ :

''کسی شہر میں ایک بڑا امیر کبیر تھا۔ اس کے مکان پر ایک بزرگ رہا کرتے تھے۔ امیر کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس بزرگ نے فرشتہ تقدیر سے اس لڑکے کا مقدر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک گھوڑا ہمیشہ اس کے تھان پر رہا کرے گا پھر اس امیر کے گھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ چڑی مار ہو گا پھر اس کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا حال منکشف ہوا کہ یہ بیوہ ہو گی، بازار میں بیٹھے گی اور ہر شب ایک مرد اس پاس رہے گا۔ وہ فقیر وہاں سے چلا گیا اور ایک مدت کے بعد اس شہر میں آیا اور امیر کا حال دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ سب کارخانہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ ایک لڑکا تو سواروں میں پانچ روپوں کا نوکر ہے۔ دوسرا لڑکا چڑی کا پیشہ کرتا ہے اور اس کی لڑکی بازار میں بیٹھ گئی ہے۔ وہ فقیر یہ حال سن کر بڑے لڑکے کے پاس گیا۔ اگرچہ خود محتاج تھا مگر فقیر کی خدمت کرتا رہا۔ چند روز کے بعد فقیر نے ہدایت کی کہ تو نوکری چھوڑ دے اور گھوڑا اپنا بیچ ڈال۔ اس کو طرح طرح کے خیال پیدا ہوئے لیکن فقیر کا معتقد ہو گیا تھا ایسا ہی کیا گھوڑا اچھے آدمیوں کو بکا اگلے دن یا اجازت درویش ایک کم قیمت ٹٹو خریدا اور بیچ ڈالا یہی کام کرتا رہا چنانچہ روز میں مالا مال ہو گیا۔ فقیر نے کہا بس تم یہی کام کرو تمہارا تھان گھوڑے سے خالی نہ رہے گا، روز خرید و اور بیچو اب ہم جاتے ہیں۔ پھر دوسرے لڑکے یعنی چڑی مار کے گھر گیا۔ اس کی کیفیت دریافت کی اور کہا کہ جب شکار کے لئے جاؤ تو ہم کو ساتھ لے چلو۔ دوسرے روز دونوں جنگل پہنچے اور جال لگا دیا۔ فقیر نے کہا کہ جب تک شہباز تیرے جال میں نہ آئے کھینچو مت۔ وہ بولا کہ حضرت بھلا میری تقدیر ایسی کہاں، دو آنہ روز بھی مل جائیں تو غنیمت ہے۔ فقیر نے سمجھایا کہ خیر تو دیکھ تو سہی غرض بہت سے جانور آئے اور نکل گئے وہ چپ بیٹھا رہا آخر شام کے وقت ایک شہباز جال میں آ ہی پھنسا۔ چڑی مار نہایت خوش ہوا اور سو روپیہ کے وہ جانور بیچا۔ فقیر نے کہا کہ یہ میری بات یاد رکھ جب تک شہباز ہی تیرے دام میں نہ پھنسے دوسرے جانور کو نہ پکڑنا۔ چند روز میں وہ بھی اس طریقے سے خوشحال اور دولتمند ہو گیا۔ اس کے بعد وہ بیوہ عورت کے پاس گیا اور کہا کہ

www.ksars.org

آج یہ کام کر کہ جب تک کوئی سو روپیہ ایک شب کے تجھ کو نہ دے اس کے پاس مت جا۔ وہ بولی میاں صاحب میری دو آنہ کی اوقات چھوٹا منہ بڑی بات بھلا مجھ کو سو روپے والا کیوں پوچھے گا۔ فقیر نے کہا کہ خیر اس کا تجربہ کر دیکھ اس نے تعمیل حکم کی اور جو خواہش مند آیا اس سے سو روپیہ مانگے۔ لوگوں نے کہا کہ تیری عقل ماری گئی ہے۔ آخر آدھی رات کے قریب کوئی امیر آنکھوں کا اندھا آن پھنسا۔ چند روز میں وہ عورت بھی مالا مال ہو گئی۔ فقیر نے وصیت کی کہ سو روپیہ سے کم قبول نہ کیا کر تجھ کو کوئی نہ کوئی مل ہی جایا کرے گا۔ وہ بولی کہ حضرت آپ تو بزرگ آدمی ہیں کچھ ایسی ہمت اور دعا کیوں نہیں فرماتے کہ میں ان افعال شنیعہ کی علت سے پاک ہو جاؤں۔ انہوں نے فرمایا کہ سنو صاحب ہم تقدیر شکن نہیں ہیں یہ تو جو کچھ ہو رہا ہے مٹ نہیں سکتا۔ اگر خدا کی طرف توجہ ہے تو اسی حال میں وہ بھی سہی۔ یہ کہہ کر رخصت ہو گئے۔ البتہ پیر باخبر نے ہر ایک کو تحصیل دولت و مال کی ہدایت اسی راہ سے کی جو اس کے لئے مقدر تھا۔ پس تقدیر کا بدل دینا پیر کا کام نہیں بلکہ پیر دانا طالب کو اسی راہ سے منزل مقصود کی راہنمائی کرتا ہے جو اس کے لئے مقدور و مقسوم ہے۔

ہر انسان کے شعور میں توجہ کی ایک مخصوص سمت اور مقدار ہے۔ ایک طرف توجہ کرنے سے دوسری طرف توجہ ہٹ جاتی ہے۔ کسی انسان کو پرکھنا ہو تو اس کا رجحان دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کی توجہ زیادہ تر کس طرف ہرتی ہے۔ اگر کوئی انسان دنیا کے کاموں کی فکر میں لگا رہے تو بالآخر وہ عقبیٰ سے غافل ہو جائے گا اور اگر دنیا کی فکر سے بچے گا تو آخرت کی فکر میں لگا رہے گا۔ یہ عام فہم بات ہے کہ جب کسی پودے کو پانی نہیں ملتا تو وہ سوکھ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر روح کو اس کی غذا (عبادت) نہ ملے تو وہ سوکھ جائے گی اور اگر کوئی خاردار جھاڑیوں کو پانی دے تو ان بیکار جھاڑیوں کی نشوونما ہو گی۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان پھل دار پودوں کو پانی دے اور کانٹوں والی جھاڑیوں کو پانی نہ دے۔ لہٰذا انسان کو روح انسانی کی آبیاری کرنا چاہئے نہ کہ نفسانی خواہشات کی۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے مخمصوں کو جسم تک محدود رکھو، قلب تک نہ پہنچنے دو۔ ہر چیز کو اپنی جگہ پر رکھو، سرمہ آنکھوں کے لئے ہوتا ہے نہ کہ کانوں پر لگانے کیلئے۔ دل کا کام جسم سے لینا مناسب نہیں۔ مجاہدے اس وقت تک ہی ہوتے ہیں جب تک انسان مجسم روح اور قلب نہ بن جائے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اگر تو مجسم جسم

www.ksars.org

ہے تو مجاہدوں کو اختیار کر ایسے شخص کے لئے راہ طلبی مظہر ہے۔انسان کا جسم ایندھن ہے اور روح سدرا المنتہیٰ کی شاخ ہے۔مال و دولت کی تلاش کے بجائے استغناء کی تلاش کی جائے۔یہ مقصود اعظم کو حاصل کرنے کے برابر ہو گا۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں

کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی

☆☆☆☆☆

www.ksars.org